سنّت کا تشریعی مقام

قرآنِ عظیم کی روشنی میں

(تالیف)

مولینا محمد ادریس میرٹھی

استاذ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵

★

(ناشر)

مکتبہ اسلامیہ

مولوی مسافر خانہ، بندر روڈ کراچی ۱

(مطبوعہ۔ ایجوکیشنل پریس کراچی)

۲۹۷۶۴۴
م ۳۸۹ س
۱۵۷۶۱

DATA ENTERED

فہرست

نذرِ عقیدت	۷
پیش لفظ	۹
عرضِ مؤلف اور داعیۂ تالیف	۱۴
بابِ اوّل! لفظِ سُنت کی تحقیق اور استعمال	۱۷
تمہید	۱۷
لغوی اقتباسات	۲۰
ان اقتباسات کا تجزیہ	۲۴
قرآن کریم میں لفظ سنت کا استعمال	۲۵
ان استعمالات کی تحلیل و تجزیہ	۳۰
شریعت کی اصطلاح میں لفظ سنت کے معنی اور مصداق	۳۳
سنت اور حدیث میں فرق	۳۳
محدثین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک سنت کے اصطلاحی معنی	۳۴
سنت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم	۳۵
سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	۴۰
سنت اہل مدینہ	۴۲
اہل السنت والجماعت	۴۴
تنقیح و تجزیہ	۴۶
اجماع اُمت	۴۷
ایک نئی مگر انتہائی خطرناک "دریافت" "سُنّت" کے دو مفہوم	۴۷
ایک غلط فہمی۔ تلبیس کا ازالہ (علماء حق کن مسائل فقہیہ میں غور و فکر کی ضرورت کا اظہار کرتے ہیں	۴۸
ممالک اسلامیہ کی نظیریں	۴۹
بابِ دوم! سنت کا مصداق قرآن حکیم میں	
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اوامر و نواہی	۵۱
آیت کریمہ نمبر (۱) ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب	۵۱

Marfat.com

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معصوم القول ہونے کا بیان	۶۱
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معصوم الفعل ہونے کا بیان	۶۸
نکتہ (خلاف اولیٰ امور اگرچہ تشریعی مصلحت کیخلاف تھے مگر دینی اور تکوینی مصلحت کے مطابق تھے)	۷۶
تشریع فعلی کا بیان	۷۸
تشریع فعلی کی مثالیں	۷۹
جو شخص آپ کے عمل کو حجت شرعیہ باور کرنے میں تردد کرے اس پر ناراضگی کا اظہار	۸۵
تشریع عملی کی قوت تاثیر	۸۷
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سہو ونسیان وغیرہ پیش آنے کی حکمت ومصلحت	۸۹
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معصوم الرائی ہونے کا بیان	۹۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اجتہادی احکام	۹۶
تنبیہ (سنت سے متعلق مخالفین کے مفروضات وقیاسات کا جواب	۱۰۱
سنت رسول اللہ بھی منزل من اللہ ہے	۱۰۵
آیت کریمہ نمبر (۲) وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما۔	۱۰۵
تنبیہ نمبر (۱) (سنت وحی غیر متلو ہے جو بواسطہ فرشتہ بھی نازل ہوئی ہے اور بلا واسطہ بھی	۱۱۱
تنبیہ نمبر (۲) حکمت کے متعلق مزید تحقیق وتنقیح	۱۱۵
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے	
آیت کریمہ نمبر (۳) فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما	۱۲۰
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واعمال	۱۲۹
آیت کریمہ (۴) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا	۱۲۹
بیان شارع علیہ السلام	۱۳۶
آیت کریمہ نمبر (۵) وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون	۱۳۶

Marfat.com

نکتہ نمبر (۱) ما نزل الیہم کا مصداق قرآن ہی نہیں بلکہ پورا دین ہے	۱۳۸
نکتہ (۲) تبیین کے تین طریقے تبیین عملی، تبیین قولی، سوالات کے جوابات	۱۴۰
نکتہ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان ما نزل الیہم پر مامور فرمانے کی ضرورت اور حکمت	۱۴۴
نکتہ (۴) ما نزل الیہم کے بارے میں مفسرین کے اقوال	۱۴۶
ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔ اگر شارع کے علاوہ کسی اور کا بیان معتبر نہیں تو مفسرین وائمہ مجتہدین نے قرآن وحدیث کی مراد بیان کرنے میں اپنی عمریں کیسے اور کیوں صرف کیں؟	۱۴۸
شریعت محمدیہ	۱۵۱
آیت کریمہ نمبر (۶) ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعہا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون	۱۵۱
اساسی اصول تشریع (۱) امر بالمعروف (۲) نہی عن المنکر (۳) تحلیل طیبات (۴) تحریم خبائث (۵) وضع اصر	۱۵۳ تا ۱۵۴
نکتہ نمبر (۱) تاریخی طور پر تشریع احکام اور نزول آیات احکام میں ربط وتعلق	۱۵۵
نکتہ (۲) قرآن حکیم نے عموماً اصول احکام بیان کئے سنت نے ان کی تفصیل اور عملی تشکیل کا استقصاء کیا ہے	۱۵۸
نکتہ (۳) بیشتر احکام کی تشریع وتنفید نزول آیات احکام سے پہلے ہو چکی ہے	۱۶۰
نکتہ (۴) کتاب اللہ کے بعد سنت کو ماخذ احکام قرار دینے کی حکمت اور اسلام کی تشکیل کے بارے مستشرقین کے پروپیگنڈے کی حقیقت	۱۶۳
نکتہ (۵) کتاب کے بعد سنت کو ماخذ احکام قرار دینے کا عظیم فائدہ	۱۶۹
اطاعت رسول	۱۷۳
آیت نمبر (۷) یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول الآیۃ	۱۷۳
سنت رسول ادیان سابقہ میں	۱۷۸
آیت نمبر (۸) لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا	۱۷۸
رسول اور سنت رسول کی مخالفت اور نافرمانی	۱۸۳

آیت نمبر (۹) فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او عذاب الیم ۱۸۳
مخالفت کا حکم ۱۸۳
عصیاں " ۱۸۴
تولّی " ۱۸۸
صدود " ۱۸۹
مُشاقت " ۱۹۰
محاذّہ " ۱۹۰
قرآن حدیث اور پورے دین کا محافظ خدا ہے ۱۹۸
آیت نمبر (۱۰) انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ۱۹۸
ایک اہم نکتہ ۲۰۶
حاصل بحث و تنقیح (مصداق و مشمولات سنت کا بیان اور اسکی وسعت و احاطہ) ۲۰۸
تیسرا باب :- وحی ۲۱۱
وحی کے لغوی معنی ۲۱۱
وحی کے شرعی معنی ۲۱۲
وحی اور ایحاء کا استعمال قرآن عظیم میں ۲۱۲
(۱) لغوی معنی میں استعمال ۲۱۳
(۲) شرعی معنی میں استعمال ۲۱۴
قرآن حکیم کے استعمال میں وحی اور ایحاء کا فرق ۲۱۵
وحی کی حقیقت قرآن کی روشنی میں ۲۱۶
وحی اللہ کا کلام ہے ۲۱۶
اللہ کے کلام کرنے یعنی وحی الٰہی کی تین صورتیں ۲۱۷
پہلی صورت ۲۱۷
دوسری صورت ۲۱۸
تیسری صورت ۲۱۹
وحی کی دو قسمیں ۲۲۰
وحی متلو ۲۲۱
وحی متلو کے خصائص ۲۲۱
الحاد اور ملحد ۲۲۴
وحی غیر متلو ۲۲۷
وحی متلو و غیر متلو میں فرق ۲۲۸
ایک اور فرق ۲۲۸
وحی متلو اور غیر متلو کے احکام میں فرق ۲۳۰
ائمہ مجتہدین۔ فقہا اور اصولیین۔ کے نقطہ نظر سے وحی کی تقسیم ۲۳۲
(۱) وحی متلو (۲) وحی جلی غیر متلو (۳) وحی خفی (۴) ۲۳۳
(۳) وحی خفی (۴) وحی مآلاً ۲۳۳
حدیث قدسی ۲۳۳
نفث فی الرّوع دل میں پھونک دینا یا وحی نفظ ۲۳۴
الہام کی حقیقت ۲۳۴
الہام اور وحی میں فرق ۲۳۵
دوسرا فرق ۲۳۵
وحی منام یا رؤیاء انبیاء ۲۳۵
بقیہ حواشی ص ۱۱۲ ص ۲۰ ۲۳۹

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نذرِ عقیدت

اے اللہ! تیرے دربار کا یہ فقیرِ بے نوا، شاہِ کونین حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مقدسہ کی "خدمت" کے لئے چند اوراق سیاہ کر کے ناچیز "تحفہ" لایا ہے۔

اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے اسے قبول فرما اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک کی خوشنودی کا ذریعہ بنا

جئنا ببضاعة مزجاة فاوف لنا الكيل وتصدق علينا.

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم

ع "شاہا چہ عجب گر بنوازند گدا را"

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

از حضرت مولینا محمد یوسف صاحب بنوری ادام اللہ فیوضہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبارک الذی نزّل الفرقان لیکون للعالمین نذیرا و بعث سیدنا محمدا بالحق بشیرا و نذیرا و سراجا منیرا اللھم فصل وسلم وبارک علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ کثیرا کثیرا۔

امّا بعد، حق تعالیٰ شانہٗ نے جس طرح انسان کی مادّی زندگی کے لئے ہر طرح کا سامان راحت و آسائش پیدا فرمایا ہے اسی طرح انسان کی روحانی زندگی کی فلاح کے لئے بھی سلسلۂ رشد و ہدایت جاری فرمایا ہے۔

یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔ آنے والی نسل اور اُمت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے ایک طرف صحیفۂ آسمانی —— قرآن عظیم —— نازل فرمایا دوسری طرف حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کو ذریعہ ہدایت قرار دیا۔ ان دونوں نعمتوں سے جو "نظامِ حیات" وجود میں آیا اسکا نام دین اسلام رکھا اور اعلان فرمادیا:-

ان الدین عند اللہ الاسلام	بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور جو کوئی اسلام
ومن یبتغ غیر الاسلام دینا	کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا وہ ہرگز قبول نہیں
فلن یقبل منہ	کیا جائے گا۔

اس "دین اسلام" کو قیامت تک کے لئے "ابدی دین" قرار دیا ہے اسی لئے اس کی حفاظت کی تدبیر

Marfat.com

بھی خود ہی فرمادی ہے تاکہ قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے "حجت" قائم رہے اور کسی کو شک شبہ یا انکار وانحراف کی گنجائش نہ رہے ارشاد ہے:

وکیف تکفرون وانتم تتلیٰ علیکم آیات اللّٰہ وفیکم رسولہ ومن یعتصم باللّٰہ فقد ھدی الی صراط مستقیم

تم کیسے انکار کر سکتے ہو دراں حالیکہ تم پر (ہمہ وقت) اللہ کی آیات تلاوت کی جارہی ہیں اور اُس کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے (یاد رکھو) جس نے اللہ کا سہارا لے لیا بیشک اس کو سیدھے راستہ کی ہدایت کردی گئی۔

اس صحیفۂ آسمانی کی حفاظت کا اعلان تو خود اسی صحیفہ کی زبانی فرمادیا:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

بیشک ہم ہی نے اس ذکر کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ، سیرتِ طیبہ اور انفاس قدسیہ کے ذریعہ اس صحیفہ کا عملی نقشہ ـ سُنّت ـ اس طرح محفوظ فرمادیا کہ اس پر عمل کرنے والوں کا سلسلہ تاقیامت باقی رہے اور اس عملی توارث وتواتر کے ذریعہ سُنّت رسول محفوظ رہے۔

بالفاظ دیگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود عملی قرآن تھا وکان خلقہ القرآن[1] ـ آپ کے اخلاق طیبہ عملی قرآن تھے ـ تو خاتم الانبیاء کی "جانشین" ایک ایسی "مثالی" عامل بالقرآن "قوم روئے زمین پر پیدا فرمادی جن کے تعامل کے ذریعہ ان نقوش کتاب وسنت کو قیامت تک کے لئے بقاء ودوام حاصل ہوگیا ارشاد ہے:

(۱) وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا

(۱) اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنادیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ (مشاہد نمونہ) بنو اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہو

(۲) کنتم خیر امۃ اخرجت للناس

(۲) تم وہ بہترین اُمت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے

---

[1] صحیح مسلم حدیث عائشہ رض ۱۲

تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر — پیدا کی گئی ہے تم ہر بھلے کام کا حکم دیتے ہو اور ہر بُرے کام سے منع کرتے ہو۔

چنانچہ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے جس طرح قرآن کریم کو سینوں[1] اور سفینوں[2] دونوں میں محفوظ کیا اسی طرح حدیث رسول اللہ کو اپنے خارق العادہ حفظ وضبط اور قول و عمل سے ایسا محفوظ کیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُس کا ایسا محفوظ مجموعہ پیش کر دیا کہ قیامت تک کے لئے اللہ کی حجت پوری ہو گئی۔

احادیث نبویہ کیا ہیں؟ قرآن کے اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص یا خصوص کی تعمیم، مبہم کی توضیح، وتعیین غرض علماً وعملاً ہر پہلو سے قرآن کی عملی تشکیل اور تشریح وتبیین کا نام "حدیث رسول اللہ" ہے اور ثم ان علینا بیانہ — پھر ہمارے ہی ذمہ اس (کی مراد) کا بیان کرنا بھی ہے — کے بموجب یہ تشریح وتبیین بھی خود وحی ربانی کے ذریعہ تبلائی گئی ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی متکلم کے کلام کی وُہی تشریح وتعبیر معتبر ہو سکتی ہے جو خود اُس نے تبلائی ہو چہ جائیکہ اللہ جل وعلیٰ کا وہ عقل انسانی کی رسائی سے بالاتر کلام جس کے علم کے متعلق ارشاد ہے ولا یحیطون بعلمہ الا بما شاء — اور انسان اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے بجز اس کے جو وہ خود چاہے — اور اگر کہیں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے نزول کا انتظار کرنے کے بعد خود — فاحکم بما اراك اللہ کے تحت — اپنے اجتہاد سے بھی تشریح وتشریع فرما دی اور وحی الٰہی اس پر خاموش رہی تو مآلاً اُس کو بھی وحی کا ہی درجہ حاصل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ رسول کا یہ بیان درحقیقت القاءِ ربانی ہی تھا۔

علاوہ ازیں قرآن کریم کو غور سے پڑھنے والا یقیناً یہ محسوس کرے گا کہ قرآن کریم دراصل رسول کی اطاعت واتباع کی دعوت ہے اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات معصوم ہی کو مدار قبولیت بنایا گیا ہے اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ قرآن کریم پر نہ صرف عمل بلکہ ایمان بھی ناممکن ہے جب تک حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات معصوم کو مدار نجات نہ تسلیم کیا جائے

---

[1] بل ھو آیات بیّنات فی صدور الذین یعلمون [2] فیہا کتب قیّمۃ

Marfat.com

اور ان کے اقوال و افعال پر عمل نہ کیا جائے اور اُن کی حیات مقدسہ اور سیرت طیبہ کو نمونہ عمل نہ بنایا جائے

اس لئے قرآن اور حدیث کے درمیان تفریق کا کوئی امکان ہی نہیں ان دونوں کا آپس میں ایسا شدید تعلق اور چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ان میں تفریق کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مگر تاریخ اسلام اور تاریخ "مذاہب و آراء" اس پر شاہد ہے کہ خوارج و معتزلہ، قدریہ و مرجیۂ وغیرہ گمراہ فرقوں کی بنیاد ہی اس پر استوار ہوئی ہے کہ سُنّت نبویّہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قرآن عظیم سے علیحدہ اور جُدا کر دیا گیا ہے۔ اسی قرآن و سُنّت کی تفریق سے تحریف فی القرآن اور الحاد فی القرآن کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نہ صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جو اسلام کے بنیادی ارکان ہیں، بلکہ پورے دین کے تفصیلی احکام عقائد ہوں یا عبادات یا معاملات جملہ احکام کی تفصیلات اُمت کو احادیث نبویہ کے ذریعہ سے ہی پہونچی ہیں اس لئے ہر دور اور ہر زمانہ میں ملحدین کا یہی وطیرہ اور یہی طریق کار رہا ہے کہ وہ بنیادی طور پر احادیث کی حجیت سے ہی انکار کرتے ہیں تاکہ نماز، روزہ، زکوٰۃ حج وغیرہ تمام عقائد و احکام شرعیہ سے جان چھڑانے کا موقع مل سکے اور اُن کی گرفت ڈھیلی ہو جائے

لیکن الحمد للہ خادمانِ دین اسلام اور پاسبانان شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے بھی حق جل وعلیٰ کی توفیق و اعانت سے ہر دور میں حدیث و سُنّت کی علمی اور عملی دونوں طریق پر کماحقہ حفاظت کی ہے اور اس حفاظت کے لئے وہ وہ عظیم محنتیں اور کاوشیں برداشت کی ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور دُنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہمارے اس پُر آشوب دور میں بھی بغیر نام لئے "انکار حدیث" اور "تحریف سُنّت" کا فتنہ بڑے زور شور سے برپا ہے اس لئے عہد حاضر کے علماء اُمت نے بھی اس فتنہ کی سرکوبی میں اور مستشرقانہ دجل و فریب کا تار و پود بکھیرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ تصنیف و تالیف، تقریر و تحریر، دعوت و تبلیغ غرض ہر جہت سے حدیث کی حفاظت اور دفاع کا سامان مہیا کر دیا شکر اللہ مساعیھم

ان خوش قسمت نفوس میں امام العصر حضرت الشیخ مولینا محمد انور شاہ قدس اللہ روحہ کے خوشہ چیں اور قابل ذکر شاگرد ہمارے رفیق کار مولینا محمد ادریس میرٹھی بھی ہیں جنھوں نے اس تالیف

"سُنت کا تشریعی مقام قرآن عظیم کی روشنی میں" کو اوّل بصورت مقالات ماہنامہ بیّنات میں شائع کیا اور اب دوبارہ نظرثانی اور ضروری اضافوں کے ساتھ تالیفی شکل میں ایک مبسوط کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں اور بحمد اللہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے شعبہ نشر و اشاعت کو اس کتاب کی اشاعت کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔

حق جل وعلیٰ اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور مؤلف محترم کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں اور اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے اس تاریک دور میں شمع ہدایت اور منارۂ نور بنادیں۔ آمین

وصلی اللہ علی صفوۃ البریّہ، سید بنی عدنان، من کان خُلقہ القرآن واحادیثہ النبویہ خیر شرح للقرآن بواضح البیان۔ وعلیٰ آلہ وصحبہ الـــذین اجتہدوا وجاہدوا والحفظ الاحادیث النبویہ والاسلام بنور الایمان والاخلاص والایقان

عرض مؤلف اور داعیہ تالیف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم!

عرصہ چار سال سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری بارک اللہ فی حیاتہ وحسناتہ نے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے درجہ "تخصص فی علوم الحدیث" کے طلبہ کی رہنمائی، مطالعہ کی نگرانی اور تحریر و انشاء کی مشق و تمرین کا کام اس خادم کے سپرد فرما کر خدمت حدیث و علوم حدیث کی سعادت حاصل کرنے کا زریں موقع بہم فرما دیا ہے

خادم نے ـــ نااہلیت کے باوجود ـــ نبی رحمت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی

من فتح لہ باب خیر فلیغتنمہ فانہ لایدری متی یغلق دونہ

جس شخص کے لئے کوئی "خیر" کا دروازہ کھولدیا جائے اسے چاہئے کہ اس موقع کو غنیمت سمجھے اسلئے کہ نہ معلوم وہ کب بند کر دیا جائے۔

کے تحت اس توقع پر اس فرصت کو غنیمت سمجھا اور ہمہ تن معروف ہو گیا کہ اگر ارحم الراحمین نے میری مستطاع جہود و مساعی اور بقدر مقدور کوشش و کاوش کو از راہ رحم و کرم حدیث قدسی:

سبقت رحمتی علی غضبی میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

کے تحت قبولیت کے شرف سے نواز دیا تو نہ صرف یہ کہ انشاء اللہ العزیز، خدام حدیث و سنت کی فہرست میں نام آجائے گا بلکہ آخرت میں نجات کا بھی محکم وسیلہ میسر آجائے گا۔

اس مقدس فرض کی انجام دہی کے سلسلہ میں علاوہ اور علوم حدیث کی تصنیفات و تالیفات کے مطالعہ کے قدیم و جدید مخالفین سنّت و حدیث اور منکرین حجّیت حدیث و سنّت کے دلائل و اعتراضات اور شکوک و اوہام پر مشتمل کتابوں کے دیکھنے کی نوبت بھی آئی خصوصاً عہد حاضر کے امریکن اور یورپین یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ اور یہودی و نصرانی مستشرقین کے تربیت کردہ شاطر و طرار مخالفین و منکرین سنّت و حدیث کے نام نہاد "تحقیقی" مضامین اور "علمی" مقالات جو وہ "علمی تحقیق" (ریسرچ) کے عنوان سے سادہ لوح اور ناواقف قارئین کے ذہن کو مسحور و مسموم کرنے کی غرض سے برابر لکھتے اور در پردہ تشریع اسلامی

کے عظیم ماخذ "سنت" سے عوام کو منحرف بنانے کی ناپاک کوشش کرتے رہتے ہیں اور احادیث رسول اللہ کو "وضع" کہے بغیر اور علانیہ سنت و حدیث کی حجیت سے انکار کئے بغیر محض اپنے مفروضات کی بنیاد پر سنت کو مسخ کرنے اور احادیث کو "زمانہ مابعد کی پیداوار" ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اس زمانہ میں ان مرعوب کُن ڈگریوں کے مالک نام نہاد مسلمان مقالہ نگاروں کی تلبیس اور دسیسہ کاری کو بے نقاب کرنا خدام حدیث و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض اور اساتذہ وطلبہ درجہ تخصص فی علوم الحدیث کے ذمہ پر تو فرض عین ہے۔ چنانچہ اول اول تو طلبہ سے ان ملحدین کے خلاف تنقیدی و تحقیقی مقالات لکھائے اور علمی رسائل میں شائع کئے بعد ازاں جی میں آیا کہ خود میں اس سعادت سے کیوں محروم رہوں اور کیوں نہ خود کو "درجہ تخصص" کا ایک طالب علم سمجھکر اس اہم ترین فریضۂ وقت اور دینی خدمت کو انجام دوں اور حدیث و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کرنے والوں کی صف میں شامل ہونیکی سعادت حاصل کروں۔ چنانچہ ماہنامہ بیّنات میں چار سال سے مختلف عنوانات سے اس "استشراقی فتنہ" انکار حدیث اور الحاد و زندقہ کے علمبرداروں کے مفروضات و اوہام ــ جن کا پُرفریب نام ان کی اصطلاح میں علمی اور تحقیقی دلائل ہے ــ کے مسکت جوابات دیئے اور ان کی "علمی تحقیق" (ریسرچ) کی پول کھولی "سنت جاریہ اور ائمہ مجتہدین"، "مستشرقین کا تصور سنت"، ترجمہ از کتاب السنۃ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ وغیرہ مبسوط اور مسلسل مقالات و مضامین عرصہ دراز سے بالاقساط شائع ہو رہے ہیں۔

مگر یہ تمام کام "منفی" تھا یعنے مخالفین و منکرین کی تردید تک محدود تھا اسی اثنا میں "ملہم غیبی" جل و علیٰ نے دل میں ڈالا اور بعض احباب نے توجہ بھی دلائی کہ ان دینی موضوعات خصوصاً حجیت حدیث و سنت پر "مثبت" انداز میں بھی کام ہونا چاہیئے اور صرف قرآن عظیم کی روشنی میں "سنت کا تشریعی مقام" ثابت کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہیئے ممکن ہے توفیق الٰہی مساعدت فرمائے اور کوئی مفید خدمت انجام پا جائے وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

اسی اثنا میں درجہ تخصص کے اصلی نگراں اور استاذ حضرت مولینا بنوری اطال اللہ بقاءہ کی ایک "قلمی یادداشت" ــ جس میں موصوف نے اپنی جلیل القدر تالیف معارف السنن شرح جامع ترمذی کا ضخیم عربی "مقدمہ" لکھنے کے لئے پورے قرآن عظیم کے مکرر سہ کرر مطالعہ اور استقصاء کے بعد تقریباً سو آیات کریمہ جمع فرمائی ہیں ــ کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوگئی۔

خادم نے حضرت والا کی اجازت سے اس یادداشت میں سے دس آیات کریمہ انتخاب کیں اور ان پر دس مقالے مرتب کر کے اول قسط وار ماہنامہ بیّنات میں شائع کئے تاکہ اگر کوتاہئ علم کی وجہ سے اس اہم دینی موضوع"

Marfat.com

کا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی یا فرد گزاشت رہ گئی ہو تو قارئین بینات خصوصاً اہل علم حضرات اس پر متنبہ فرمادیں چنانچہ پہلے مقالہ میں ہی حضرات علما سے بنظر تنقید پڑھنے اور خامیوں یا اغلاط پر متنبہ فرمانے کی درخواست کی گئی ہے

اب ان مقالات پر مکرر سہ کرر غور و فکر کے بعد اور اُن مباحث کے اضافہ کے ساتھ جو اپنی طوالت کے لحاظ سے ماہنامہ بینات میں نہیں سما سکتے تھے کتابت کرا کے اور مکرر تصحیح کے بعد حضرت مولانا بنوری کی نظر سے آخری بار گذار کر قارئین کی خدمت میں بصورت تالیف "سنت کا تشریعی مقام قرآن عظیم کی روشنی میں" کے نام سے پیش ہے۔ انشاء اللہ العزیز۔ اس ناچیز مگر مخلصانہ خدمت "سنت و حدیث" کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ شرفِ قبول سے نوازیں گے اور اس کے نتیجہ میں فیوضع لہ القبول فی الارض کے تحت اس تالیف کو حسنِ قبول میسر آئے گا۔

اس تالیف میں حتی الامکان "مثبت" انداز اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض مقالات کے آخر میں یا وسط میں یا حواشی میں مخالفین و منکرین حجیت حدیث و سنت کے مفروضات، اوہام و شکوک اور تحریفات و تلبیسات کا ذکر ضمناً صرف اس لئے کر دیا گیا ہے کہ ہر کتاب کے پڑھنے والے قاری، کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ مستقل طور پر ماہنامہ بینات پڑھتا ہے اور تنقیدی و تردیدی مضامین پڑھ چکا ہے، بعید ہے۔ علاوہ ازیں عام قاری اتنے زود فہم اور دور رس نظر کے مالک نہیں ہوتے کہ وہ خود بخود سمجھ لیں کہ اس تحقیق سے مخالفین کے کن مفروضات و اوہام کی تردید ہوتی ہے، یا یہ دلائل کن اعتراضات کا جواب ہیں۔

آخر میں دعا کرتا ہوں اور قارئین سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ بھی آمین کہہ کر شریک ثواب ہوں۔

اللّٰھم بوجھک الکریم وفضلک العظیم، تقبل منی ھٰذہ المساعی واجعلھا وسیلۃ لخدمۃ دینک وسنۃ نبیک وحبیبک سیدنا ومولٰینا محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم ومرضاۃ لک ثم لنبیک حبیبک صلی اللہ علیہ وسلم وذریعۃ لنجاۃ المؤلف فی الآخرۃ بفضلک القدیم ومنک العمیم۔

Marfat.com

باب اوّل

لفظ سنت کی تحقیق اور استعمال

تمہید کتاب وسنت ایسی ہی خاص شرعی اصطلاحات ہیں جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج وغیرہ۔ اسلامی تعلیمات میں جہاں بھی ان کا استعمال ہوگا ان کے حقیقی معنی قطعی طور پر وُہی ہوں گے جو صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کی وحی کے ذریعہ قولاً یا فعلاً بتلائے ہیں، مثلاً صلوٰۃ کے معنی شریعت میں اس مخصوص عبادت کے ہیں جو قولاً و فعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو بتلائی اور سکھلائی ہے، علیٰ ہذا زکوٰۃ، صوم اور حج کے معانی شرعیہ وُہی ہیں جو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے حکم سے امت کو بتلائے سکھلائے اور کر کے دکھلائے ہیں۔ لہٰذا جس طرح اسلامی تعلیمات اور اصول شرعیہ کے بیان میں کتاب کے حقیقی معنی "کتاب اللہ" اور "قرآن" کے متعین ہیں۔ اسی طرح سنت کے حقیقی معنی "سنت رسول اللہ" اور "حدیث" کے متعین ہیں۔ بلکہ اسلامی تعلیمات یعنی قرآن و حدیث میں بھی یہ اصطلاحاتِ شرعیہ جب لغوی معنی میں استعمال ہوتی ہیں تو اس کو "مجاز" کہا جاتا ہے اور کسی ایسے قرینے کی ضرورت ہوتی ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ یہاں یہ لفظ شرعاً مجازی معنی میں استعمال ہوئے ہیں مثلاً صلوٰۃ کا لفظ "دعا" کے معنی میں مجازِ شرعی ہے چنانچہ آیت کریمہ:

صلِّ علیهم ان صلوٰتك سكن لهم (توبہ ع ۱۲) — (اے نبی) تم اُن کے حق میں دُعا کرو بیشک تمہاری دُعا ان کے لئے موجب سکون ہے۔

میں لفظ صلوٰۃ اور اس سے مشتق فعل صَلِّ دُعا کے معنی میں مجازاً استعمال ہوا ہے علیٰ کا صلہ[۱] اور

[۱] عربیت کی اصطلاح میں کسی فعل کے ساتھ جو "حرف جر" آتا ہے اسکو "صلہ" کہتے ہیں اسی کے مذکور ہونے نہ ہونے یا بدلنے سے عموماً فعل کے معنی بدل جاتے ہیں ۱۲

آیت کریمہ کا سیاق وسباق اس کا قرینہ ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ:

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلموا تسلیما۔	بیشک اللہ تعالیٰ نبی پر رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے بھی دعاءِ رحمت کرتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی اس پر درود بھیجو اور سلام بھی۔

میں صلوٰۃ اللہ " اللہ کی رحمت " کے معنی میں ہے اور صلوٰۃ الملائکۃ " فرشتوں کی دعاء رحمت " کے معنی میں اور " صلوٰۃ المومنین " اُس " صلوٰۃ علی النبی " (درود) کے معنی میں مستعمل ہے جس کی تعلیم خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے اور اُمت شب و روز اور ہر نماز کے قعدۂ اخیرہ میں اس کو پڑھتی ہے۔ لفظ صلوٰۃ کے یہ استعمالات یقیناً " مجاز " ہیں اور قرینہ اضافت ہے اور علیٰ کا صلہ۔

لیکن یہی لفظ صلوٰۃ آیت کریمہ:

اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ	نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ کو ادا کرو

میں، یا آیت کریمہ:

ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا (النساء)	بیشک نماز مومنوں پر ایک مقررہ وقت پر ادا کیا جانے والا فریضہ ہے۔

اور اِن کے علاوہ صدہا آیات میں مطلقاً یعنی بغیر اضافت اور بغیر صلہ کے استعمال ہوا ہے۔ یقیناً ان آیات میں صلوٰۃ کے معنی " عبادت مخصوصہ " کے متعین ہیں۔

اسی طرح اَدِلّۂ شرعیہ اور مصادر تشریع (احکام شرعیہ کے مآخذ) کے ذیل میں جب بھی لفظ سنت آئے گا اور بغیر اضافت یا کسی صفت وغیرہ کے استعمال ہوگا تو اس کے معنی " سنت رسول اللہؐ " (یعنی حدیث) کے متعین ہوں گے جیسے کتاب کے معنی " کتاب اللہ " (یعنی قرآن) کے متعین ہیں۔

لیکن یہی لفظ سنت جب اسلامی تعلیمات میں اضافت کے ساتھ استعمال ہوگا مثلاً سنت اللہ، یا سنن الاولین، یا سنن من قبلنا یا سنت خلفاء راشدین رضؓ یا سنت صحابہؓ، یا سنت اہل مدینہ، یا سنت اہلِ حجاز، یا سنت المسلمین، یا اہل السنت والجماعت تو یہ لفظ " سنت " کا استعمال مجازی ہوگا اور مضاف الیہ کے اعتبار سے الگ الگ معنی ہوں گے مثلاً سنت اللہ کے معنی ہیں " اللہ تعالیٰ

وقد تكرر في الحديث ذكر "السنة"
وما تصرف منها، والاصل فيه
"الطريقة" و"السيرة"، واذا اطلقت
في الشرع فانما يراد بها ما امر به
النبي صلى الله عليه وسلم ونهى عنه
وندب اليه قولا وفعلا مما لم
ينطق به الكتاب العزيز ولهذا
يقال في ادلة الشرع الكتاب
والسنة اى القرآن والحديث
(وبعد اسطر) السنة الطريقة
والسنن ايضا وفي الحديث: الا رجل
يردعنا من سنن هؤلاء. التهذيب
(لابي منصور الازهري المتوفى سنة ۳۷۰ھ)
السنة الطريقة المحمودة المستقيمة
وهي ماخوذة من السنن وهو الطريق
(وبعد اسطر شمر بن حمدويه
المتوفى سنة ۲۵۶ھ): السنة في الاصل
سنة الطريق وهو طريق سنه
اوائل الناس فصار مسلكا لمن
بعدهم وسن فلان طريقا
من الخير يسنه اذا ابتدأ
امرا من البر لم يعرفه قومه
فاستسنوا به وسلكوه۔

حدیث میں بھی بار بار سنت اور اس کے مشتقات کا ذکر آتا ہے۔ اصل لغت میں سنت بمعنی "طریقہ" اور "سیرت" آتا ہے لیکن شریعت میں جب مطلقاً سنت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی صرف ان آوامر ونواہی کے ہوتے ہیں جن کا آپ نے قولاً یا فعلاً حکم دیا اور ان کی طرف دعوت دی جو قرآن میں صراحتاً مذکور نہیں اسی لئے دلائل شرعیہ میں جب کتاب وسنت کا ذکر آتا ہے تو اس سے قرآن وحدیث مراد ہوتے ہیں۔ سنت اور سُنَن کے معنی (مطلقاً) "طریقہ" کے ہیں چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا "کوئی ایسا بہادر نہیں ہے؟ جو انہی کے طریق پر ہماری طرف سے جواب دے"، تہذیب اللغۃ ازہری (متوفی ۲۵۶ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں، سنت کے معنی "قابل ستائش سیدھا راستہ" بھی آتے ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اہل سنت میں سے ہے یعنی سیدھے راستہ پر چلنے والوں میں سے ہے یہ استعمال سُنَن سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "راستہ"، شَمر بن حمدویہ لغوی (متوفی ۲۵۶ھ) کہتا ہے لغت میں سنت کے معنی راستہ کے نشان کے ہیں یہ وہ راستہ ہوتا ہے جس پر پہلے لوگ چلتے آئے ہیں حتیٰ کہ وہ بعد میں آنے والوں کے لئے مسلک بن جاتا ہے محاورہ ہے "فلاں شخص نے خیر کا راستہ جاری کیا"، یہ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جس نے کسی ایسے نیک کام کی ابتدا کی ہو، جس سے لوگ واقف نہ ہوں اور اسکو دیکھکر سب نے وہ کارِ خیر اختیار کیا ہو اور اس کی پیروی کی ہو۔

(۷) علامہ محمد مرتضٰی زبیدی (متوفی ۱۲۰۵ھ) تاج العروس شرح قاموس میں لفظ سنت کے تحت لکھتے ہیں:۔

(و) السنة (من اللہ) اذا اطلقت فی الشرع فانما یراد بھا (حکمہ وامرہ ونھیہ) مما امر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونھی عنہ وندب الیہ قولا وفعلا مما لم ینطق بہ الکتاب العزیز ولھذا یقال فی ادلۃ الشرع الکتاب والسنة ای القرآن والحدیث (ثم ذکر قول الراغب الاصفھانی و الشمر بن حمدویہ)

(اور) سنت (اللہ کی جانب سے) جب شریعت میں مطلقاً استعمال ہوتی ہے تو اس سے مراد صرف (اللہ تعالیٰ کے احکام اور امر ونہی) ہوتے ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً یا فعلاً امر فرمایا اور ان سے منع فرمایا اور جن کی ترغیب دلائی جو قرآن عزیز میں صراحتاً مذکور نہیں اسی لئے شریعت کے دلائل کے سلسلہ میں کتاب وسنت سے مراد قرآن وحدیث ہوتے ہیں (اس کے بعد امام راغب اصفہانی اور شمر بن حمدویہ کے وہ اقوال نقل کئے ہیں جن کا "مفردات" اور لسان العرب" کے حوالوں میں ذکر آچکا ہے۔

ان اقتباسات کا تجزیہ

قدیم وجدید ائمہ وارباب لغت کے مذکورہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ (۱) از روئے لغت لفظ سنت کے معنی ہیں الطریقۃ المسلوکۃ (عام راستہ) خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا بُرا جیسا کہ ابن درید کے بیان سے واضح ہے لیکن جن حضرات نے سنت کے لغوی معنی طریقہ حسنہ یا طریقہ مستقیمہ کئے ہیں اور اس کو "خیر" کے ساتھ مخصوص کیا ہے جیسا کہ ابو المنصور ازہری اور علامہ زمخشری کے بیان سے ظاہر ہے وہ اس لفظ سنت کے طریقۂ سیئہ یا سیرت سیئہ میں استعمال کو توسّع اور مشاکلت پر مبنی قرار دیں گے جیسے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا میں جزاء کے لئے سیئہ کے لفظ کا استعمال۔ حدیث میں بھی لفظ سنت اس لغوی معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے جیسا کہ ابو منظور افریقی وغیرہ کے بیان اور کتب حدیث سے واضح ہے۔ قرآن حکیم میں بھی عموماً لفظ سنت اسی لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن ابوالحسن لحیانی صاحب النوادر اور صاحب قاموس فیروز آبادی اور صاحب تاج العروس حافظ مرتضٰی زبیدی کے بیان کے مطابق رسول اللہ کے جاری کردہ وہ احکامات جو قرآن کریم میں صراحتاً مذکور نہیں وہ بھی سنت اللہ کا مصداق ہیں اس لئے کہ آپ

Marfat.com

نے وہ احکام اللہ کے حکم سے ہی جاری کئے ہیں جیسا کہ آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

سنت من ارسلنا قبلك من رسلنا ولن تجد لسنتنا تحویلا (سورۂ بنی اسرائیل)

تم سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے ان کی سنت (شریعت) اور تم ہماری سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے "سُنّت رُسل" کو اپنی سنت قرار دیا ہے۔

قرآن کریم میں لفظ سُنّت کا استعمال

قرآن کریم میں لفظ سنت یا اس کی جمع سُنن، مندرجہ ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) سورۂ آل عمران میں غزوۂ احد کے سلسلہ میں ارشاد ہے:-

قد خلت من قبلکم سُنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین (آل عمران ع ۱۴)

بیشک تم سے پہلے (انبیا اور اُن کی فرمانبردار و نافرمان اُمتوں کے) بہت سے طریقے (اور واقعات) گذر چکے ہیں (ذرا) زمین میں گھوم پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا ہے؟

اس آیت کریمہ میں سنن سے مراد امم سابقہ کی سرکش و نافرماں قوموں کے وہ طریق کار اور طرز عمل ہیں جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت اور تکذیب میں وہ ہمیشہ اختیار کرتی اور اُن کے اور ان کے پیروؤں کے ساتھ جنگ کرتی رہی ہیں اور انجام کار اس کی پاداش میں وہ ہلاک و برباد ہوئی ہیں۔

(۲) سورۂ نساء میں عورتوں کی تحریم و تحلیل کے احکام تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

یرید اللہ لیبین لکم ویهدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم واللہ علیم حکیم (النساء ع ۵)

اللہ چاہتا ہے کہ بیان کر دے اور بتلا دے تم کو تم سے پہلی اُمتوں کے طریقے (اور احکام) اور تمہیں (گناہوں اور نافرمانیوں سے) توبہ کی راہ بتا دے اور اللہ تو وسیع علم اور بڑی حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں سنن کا مصداق امم سابقہ کی مطیع و فرمانبردار قوموں کے وہ طریقے

Marfat.com

اور "احکام شرعیہ،، مراد ہیں جو شرائع سابقہ (پہلی شریعتوں) میں نافذ اور جاری رہے ہیں اور اُن پر چل کر انہوں نے دینوی اور اخروی فوز و فلاح حاصل کی ہے۔

(۳) سورۂ انفال میں غزوۂ بدر کے پیش آمدہ عواقب و نتائج پر متنبہ فرمانے کے بعد ارشاد ہے:

قل للذین کفروا:	(اے نبی) ان کافروں سے کہدو: اگر وہ (اب بھی کفر اور
ان ینتھوا یغفر لھم	اسلام دشمنی سے) باز آجائیں تو جو (اب تک) ہو چکا ہے
ما قد سلف	وہ معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ (باز نہ آئے اور پھر
وان یعودوا فقد مضت	لڑنے کے لئے) لوٹے تو (بدر و احد میں) پہلوں کا طریقہ
سنۃ الاولین	(اور انجام) گذر چکا ہے (جو اُن کا حشر ہوا وہی ان کا
(انفال ع ۵)	بھی ہوگا)

اس آیت کریمہ میں سنت الاولین سے امم سابقہ نیز اس اُمت کے کفار و مشرکین مکہ کا وہ طرز عمل مراد ہے جو انہوں نے انبیاء سابقین نیز رسول اللہ (صلی اللہ علیہم اجمعین) کی مخالفت و عداوت میں اختیار کیا جس کے نتیجہ میں وہ لڑائیوں میں مارے گئے اور جہنم رسید ہوئے۔

(۴) سورۃ الحجر میں مکذبین اُمم سابقہ کے کفر و استہزاء کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہے:

کذلک نسلکہ فی قلوب	ہم اسی طرح اس (کفر و استہزاء) کو مجرموں کے دلوں
المجرمین لا یومنون بہ	میں داخل (جاگزیں) کر دیتے ہیں وہ اس (نبی)
وقد خلت سنۃ الاولین	پر ایمان نہیں لاتے پہلی قوموں کی راہ پڑ چکی ہے
(الحجر ع ۱)	(اسی پر یہ بھی چل رہے ہیں)

اس آیت کریمہ میں بھی سنت الاولین سے کفار اُمم ماضیہ (گذری ہوئی اُمتوں کے کافروں) کا طریق کار کفر و استہزاء مراد ہے جس کی پاداش میں وہ قہر خداوندی میں پکڑے گئے اور ہلاک و برباد ہوئے۔

(۵) سورۃ الاسراء میں مشرکین مکہ کے آپکو گمراہ کرنے یا مکہ سے نکال دینے کی کوشش اور آپکی راہ حق پر ثابت قدمی کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہے:-

سنۃ من قد ارسلنا	تم سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے ان کی سنّت اور تمہارے
قبلک من رسلنا ولا تجد	طریق کار میں کوئی تغیر نہ پاؤ گے۔

Marfat.com

لسنتنا تحویلا

(الاسرآء ع ۷)

اس آیت کریمہ میں دو جگہ لفظ سنت آیا ہے (۱) ایک سنۃ من قد ارسلنا من رسلنا میں اس سے مراد سنن انبیاء سابقین ہیں جن میں راہ حق پر ثابت قدمی اور اللہ تعالیٰ کی تثبیت (ان کو ثابت قدم رکھنا) بھی شامل ہے مزید امور کا ذکر احادیث میں سنن المرسلین کے عنوان سے آتا ہے (۲) اور دوسرے لسنتنا میں اس سے سنت اللہ مراد ہے یعنے انبیاء کرام کی حفاظت وحمایت فرمانا اور اُن کے مخالف کفار ومشرکین کو ذلیل وخوار کر کے ہلاک کر دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ابتداء بعثت انبیاء ورسل سے دائمی اور مستمر طرز عمل اور طریق کار چلا آتا ہے

(۶) سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ کفار ومشرکین مکہ پہ اتمام حجت کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں:

وما منع الناس ان	اور نہیں روکا لوگوں کو۔ جبکہ ان کے پاس ہدایت
یومنوا اذ جاءهم الهدیٰ	آگئی۔ اُس پر ایمان لانے اور اپنے پروردگار سے
ویستغفروا ربهم	معافی چاہنے سے اس کے سوا کسی چیز نے کہ انکے پاس
الا ان تأتیهم سنة	پہلی (کافر) قوموں (کے ساتھ اللہ) کا طریق کار آجائے،
الاولین او یأتیهم	(ان کا سا معاملہ ان کے ساتھ بھی کیا جائے) یا
العذاب قبلا (الکہف ع ۸)	عذاب ان کے رُو در رُو آجائے۔

اس آیت کریمہ میں سنت الاولین سے اللہ تعالیٰ کا وہ معاملہ مراد ہے جو وہ پہلی قوموں سے شرک وکفر اور جحود وعناد کی پاداش میں ہمیشہ سے ان کے ساتھ کرتا رہا ہے اور اُس کے نتیجہ میں وہ ہلاک وبرباد ہوتی رہی ہیں۔

(۷) سورۃ الاحزاب میں بھی سنت کا لفظ دو جگہ آیا ہے (۱) ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینب مطلقۂ زید بن حارثہ کے ساتھ نکاح کر دینے کے بعد معترضین کا منہ بند کرنے کی غرض سے ارشاد ہے:

ما کان علی النبی من حرج فیما	نبی پر اُس کام میں کوئی حرج (اور مضائقہ) نہیں جو
فرض الله له سنة الله فی الذین	اللہ نے اس کے لئے مقرر فرمادیا۔ اللہ کا طریقہ

خلوا من قبل وکان امر اللہ قدرا مقدورا (الاحزاب ع ۵)

(رہا ہے) ان (نبیوں) کے بارے میں جو پہلے گذر چکے ہیں اور اللہ کا طے شدہ حکم تو ہو کر رہتا ہے

اس آیت کریمہ میں الذین خلوا من قبل سے انبیاء سابقین مراد ہیں اور ان کے بارے میں اللہ کی سنت سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ خصوصی احکام ہیں جن کا تشریعی یا تکوینی مصالح کے تحت ان کو حکم دیا جاتا ہے اور وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں جیسے اس واقعہ میں اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کا آپ کو نہ صرف حکم دیا گیا بلکہ تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے خود ہی نکاح بھی کر دیا تاکہ نبی کی ذات سے ہی اِس حکم شرعی کا نفاذ ہو جائے کہ متبنیٰ بیٹے کی بیوی حرام نہیں ہوتی چنانچہ ارشاد ہے:

زوجنا کہا لکیلا یکون علی المومنین حرج (الاحزاب ع ۵)

ہم نے (خود) اس (زینب) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ ایمان والوں پر کوئی تنگی نہ (باقی) رہے۔

دوسری جگہ اسی سورت میں منافقین اور مرجفین (جھوٹی خبریں اڑانے والوں) کو سختی کے ساتھ مسلمان عورتوں کو ستانے، چھیڑ چھاڑ کرنے یا مسلمانوں کے متعلق جھوٹی خبریں اڑانے سے منع فرمانے کے بعد ارشاد ہے:

لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبہم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بہم ثم لا یجاورونک فیہا الا قلیلا ملعونین، اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (الاحزاب ع ۱۲)

یقیناً اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے (اور مدینہ سے ان کو نکال دینے پر مامور کر دیں گے) پھر وہ چند دن سے زیادہ (مدینہ میں) تمہارے ساتھ نہ رہ پائیں گے (وہ بھی) پھٹکار مارے۔ جہاں بھی وہ پائے جائیں گے پکڑ لئے جائیں گے اور بری طرح قتل کر دیے جائیں گے (جیسا کہ) اللہ کا طریقہ گذری ہوئی قوموں میں (رہا ہے) اور اللہ کے طریقہ (اور دستور) میں تم تبدیلی ہرگز نہ پاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں دونوں جگہ سنت اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا مفسدوں کو اخراج بلد

(شہر بدر کرنے) اور قتل کر ڈالنے کا حکم ہے یعنے مفسدوں اور فتنہ انگیز لوگوں کو اپنی حرکات سے باز نہ آنے کی صورت میں شہر بدر کرنے اور قتل کر ڈالنے کا حکم ادیان و امم سابقہ میں بھی معمول رہا ہے

(۸) سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ کے ایک فریب اور جھوٹ کی ــــ کہ اگر ہمارے لئے نبی بھیجا گیا تو ہم سب امتوں سے زیادہ اس کی پیروی کریں گے ــــ حقیقت بے نقاب کر دینے کے بعد فرماتے ہیں:

فھل ینظرون الا سنۃ الاولین؟ فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا (فاطر ع ۵)

تو کیا وہ پہلی قوموں کے طریق کار ہی کا انتظار کر رہے ہیں؟ تو (یاد رکھو) تم اللہ کے (مستمر) طریق کار میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور نہ تم اللہ کے طریق کار کو ٹلتا ہوا پاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں بھی سنت الاولین سے کفار امم سابقہ کا مستمر طریق کار اور دائمی طرز عمل مراد ہے یعنے مکر و فریب اور جھوٹ بولنا اور سنت اللہ سے ایسی اُمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دائمی طرز عمل اور طریق کار مراد ہے یعنے ان کو رسوا کرنا اور دُنیا و آخرت میں اس مکر و فریب اور جھوٹ کی عبرتناک سزائیں دینا کہ دونوں معاملے ہمیشہ ہوئے ہیں آج کوئی نئی بات نہیں ہے۔

(۹) سورۃ المومن میں اللہ تعالیٰ عذاب الٰہی کے آجانے کے بعد ایمان لانے کے بیکار اور غیر مفید کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہمیشہ تم جیسی کافر و سرکش قومیں عذاب الٰہی کو دیکھ کر سے اُٹھ گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت کا ایمان کبھی مقبول و معتبر نہیں ہوا۔ یہی اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ کا دستور العمل اور معمول رہا ہے ارشاد ہے:

فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوا بأسنا سنت اللہ التی قد خلت فی عبادہ (المومن ع ۹)

پس ان کا اس وقت ایمان لانا جبکہ انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا کچھ ان کے لئے مفید نہیں ہوا اللہ کے اُس طریق کار (اور معمول) کے مطابق جو اس کے بندوں کے درمیان چلا آیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں سنۃ اللہ سے اللہ کا وہ ازلی و ابدی حکم مراد ہے جو تمام اُمم سابقہ میں معمول رہا ہے کہ ایمان عند الباس (عذاب سامنے آجانے کے وقت کا ایمان) معتبر نہیں ہے۔

Marfat.com

(۱۰) سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ حملہ آور کفار مکہ کے حملے سے بچانے کے انعام واحسان کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

ولو قاتلکم الذین کفروا لولوا الادبار ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا سنة الله التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنة الله تبدیلا (الفتح ع ۳)

اور اگر ان کافروں نے تم سے جنگ کی تو یقیناً وہ پشت پھیر کر بھاگیں گے اور پھر وہ نہ اپنا کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار، یہ اللہ کا (دائمی) طریق کار ہے اور تم اللہ کے معمول اور طریق کار میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں بھی سنت اللہ سے اللہ تعالیٰ کا ایک دائمی اور مستمر معاملہ اور دستور العمل مراد ہے کہ جب بھی اہل حق اور اہل ایمان کے مقابلہ پر کفار و منکرین میدان جنگ میں آئے ہیں آخرکار سر پر پاؤں رکھکر بھاگے ہیں۔ میدان جنگ میں مومنوں اور فرمانبرداروں کو فتح وظفر اور کافروں اور سرکش نافرمانوں کو شکست دینا اللہ تعالیٰ کا دائمی دستور العمل ہے۔

تحلیل وتجزیہ

قرآن عظیم کی مذکورہ بالا دس سورتوں میں سولہ جگہ لفظ سنت یا اس کی جمع سُنن آیا ہے ان استعمالات پر غور کرنے سے، پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ سنت یا سُنن کا لفظ اضافت کے بغیر استعمال نہیں ہوتا جہاں لفظوں میں اضافت نہیں ہے وہاں معنی کے اعتبار سے اضافت ضرور ہے سیاق وسباق (آگے پیچھے کے بیان) سے معلوم ہوجاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ قرآن کریم میں سنت یا سنن کی اضافت یا اللہ کی طرف ہوئی ہے الاولین اور الذین خلوا من قبل کیطرف لیکن اس لفظ کے دو مصداق ہیں ایک انبیاء و مرسلین دوسرے اُمم سابقہ۔ اُمم سابقہ کے پھر دو مصداق ہیں ایک مومنین و مطیعین دوسرے کفار و منکرین۔ لہذا اضافت کے اعتبار سے قرآن کریم میں سنت کی چار قسمیں ہیں (۱) سنت اللہ (۲) سنت المرسلین (۳) سنت المومنین (۴) سنت المنکرین۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

سنت اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے نافرماں یا فرمانبردار بندوں کے ساتھ وہ دائمی اور مستمر معاملہ ہے جو تمام اُمم سابقہ میں بھی اور اس اُمت میں بھی برابر جاری وساری رہا ہے (۱) نافرمانوں اور منکروں کو ان کی سرکشی و نافرمانی اور کفر و شرک پر دُنیوی سزائیں دینا، ذلیل و رسوا کرنا، اہل ایمان

کے ساتھ لڑائیوں میں ان کو پسپا کرنا، شکست دینا، مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے متعلق مناسب اور ضروری احکام — اخراج بلد، گرفتاری، قتل وغیرہ — نافذ کرنا۔

(۲) ایمان لانے والوں اور فرمانبرداروں کی دینوی اور اخروی فوز و فلاح کے لئے "احکامات شرعیہ" نازل فرمانا اور کفار و معاندین کے مقابلہ پر ان کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمانا۔

اُمم سابقہ میں — اور اس امت میں بھی — دونوں قسم کے لوگ ہوئے ہیں، منکرین و مکذبین بھی اور مطیعین و مومنین بھی مگر دونوں کے طریق کار اور طرز عمل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوئے ہیں۔ سرکش و نافرماں کافر قوموں نے ہمیشہ انبیاء و مرسلین کی تکذیب اور احکام الٰہیہ کی مخالفت و نافرمانی کی ہے اور اس کی پاداش میں تباہ و برباد ہوئی ہیں۔ مومنین و مطیعین نے ہمیشہ انبیاء و رُسل کی تصدیق کی ہے اُن پر ایمان لائی ہیں اور احکام الٰہیہ کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں دینوی اور اخروی فوز و فلاح سے سرفراز ہوئی ہیں لہٰذا ہر گروہ کی سنت سے اس گروہ کا طریق کار اور طرز عمل مراد ہے جس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے تذکیر بایام اللہ کے تحت نہایت وضاحت اور دلائل و براہین کے ساتھ بیان کی ہے اور یہی لفظ سنت کے لغوی معنی ہیں جس کی تفصیل آپ لغوی تحقیق کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔ آیات نمبر (۱) و (۳) و (۴) و (۵ٓ) و (۶) و (۸) و (۹) و (۱۰) میں

آیت کریمہ نمبر (۲) میں — سیاق و سباق کے قرینہ سے — سنن الذین من قبلکم سے اُمم سابقہ کے وہ احکام شرعیہ — خصوصاً عورتوں کی تحریم و تحلیل سے متعلق احکام — مراد ہیں جو ان اُمتوں میں جاری اور نافذ رہے ہیں اس اعتبار سے کہ ان کو ان امتوں میں انبیاء مرسلین لیکر آئے ہیں ان کو سنن مرسلین بھی کہا جا سکتا ہے بہرحال ان سُنن کا مصداق امم سابقہ کے احکام شرعیہ ہیں۔

آیت کریمہ نمبر (۵) میں سنۃ من قد ارسلنا من رسلنا سے انبیاء مرسلین کی سنتیں یعنی احکام شرعیہ مراد ہیں جن کو وہ لیکر آئے ہیں اور خود بھی اُنہوں نے اُن پر عمل کیا ہے اور ان کی امتوں نے بھی — جن میں راہ حق پر ثابت قدمی اور اعداء دین کے کہنے میں نہ آنا بھی داخل ہے —

ؐ٥ لسنتنا میں ۱۲

Marfat.com

انبیاء مرسلین کے انھیں احکام شرعیہ کو احادیث میں سنن المرسلین سے تعبیر کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ احکام کی نشاندہی فرمائی ہے۔

آیت کریمہ نمبر (۷) میں بھی سنت اللہ فی الذین خلوا من قبل سے انبیاء سابقین علیہم السلام سے متعلق خصوصی احکام الٰہیہ مراد ہیں اور اسی سورۃ کی آیت نمبر (۷) میں — سنۃ اللہ سے ایک حکم خداوندی — مفسدین کا اخراج بلد، گرفتاری اور قتل مراد ہے جو امم سابقہ میں جاری رہا ہے۔

واضح ہو کہ یہ سنت یا سنن وہی امم سابقہ کے احکام شرعیہ ہیں جن کو انبیاء مرسلین اپنے اپنے عہد میں لیکر آئے ہیں اور ہر امت ان احکام شرعیہ کی پابند اور متبع رہی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا (مائدہ ع ۷)	ہم نے تم میں سے ہر ایک امت کے لئے ایک شریعت اور دستور العمل تجویز کیا ہے۔

اور آخر میں انبیاء سابقین و امم سابقہ کی شرائع (شریعتوں) کی طرح خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک مستقل شریعت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے جس کو آپ لیکر آئے ہیں اور اسی نسبت سے آپ صاحب شریعت رسول ہیں ارشاد ہے۔

ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یومنون (الجاثیہ ع ۵)	پھر (سب کے بعد) ہم نے تم کو دین کی ایک مستقل شریعت پر مامور کیا ہے پس تم اس کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کرو جو ایمان نہیں لاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شریعت (سنت) جس کے اتباع کے آپ مامور ہیں اور آپ کی امت بھی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے سنت کے بجائے ما اتاکم الرسول یا اسوۃ حسنۃ یا الحکمت یا ما انزل الیک یا ما نزل الیھم وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں اس کی تفصیل اور ان تعبیرات کی حکمت و مصلحت کا بیان قرآن کریم میں سنت رسول کا مصداق کے ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

شریعت کی اصطلاح میں، لفظ سنت کے معنی اور مصداق

شریعت کی اصطلاح میں مطلقاً سنت کے معنی صرف "سنت رسول اللہ" کے ہیں یہ سنت کے اصطلاحی معنی ہیں جیسا کہ امام راغب اصفہانی ابن اثیر جزری اور ابو منظور افریقی کی تصریحات سے واضح ہے کہ جس طرح اصطلاحِ شریعت میں "کتاب" سے مراد کتاب اللہ اور قرآن ہے اسی طرح "سنت" سے مراد سنت رسول اللہ اور حدیث ہے۔ وھذا اما کنا بصدد کہ

اس سنت کے مصادیق و مشمولات یعنی وہ امور جو اس سنت کے ذیل میں آتے ہیں حافظ ابن اثیر جزری علامہ ابن منظور افریقی اور حافظ مرتضی زبیدی کے بیان کے مطابق تو "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر و نواہی اور افعال و اعمال ہیں خصوصاً وہ جو قرآن میں مذکور نہیں" لیکن امام راغب سنۃ النبی کی تعبیر "طریقتہ التی کان یتحراھا" سے کرتے ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ پیغمبرانہ اعمال و اخلاق جو آپ بالقصد والارادہ اختیار فرماتے تھے اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ بھی سنت کا مصداق ہوگی جس کو قرآن حکیم میں "اسوۃ حسنۃ" سے تعبیر فرمایا ہے۔

لیکن جمہور محدثین و فقہاء کا مختار یہی ہے کہ سنت اور حدیث (مرفوع) مترادف ہیں اور وہ سنت کو حدیث کے معنی میں ہی استعمال کرتے ہیں چنانچہ بیشتر محدثین کی کتب حدیث کے نام اسی بنا پر "سنن" پر رکھے گئے ہیں جیسے سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن دارمی، سنن دارقطنی وغیرہ، اور متعدد قدیم و جدید محدثین نے اپنی تصانیف کا نام کتاب السنۃ رکھا ہے۔

سنت اور حدیث میں فرق

لیکن جو حضرات محدثین سنت اور حدیث میں فرق کرتے ہیں وہ حدیث کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ وحی ترجمان سے نکلے ہوئے اقوال (اوامر و نواہی) کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں بالفاظ دیگر صرف "قولی یا تقریری" روایات کو "حدیث" کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر شدہ اعمال و اخلاق کو "سنت" کہتے ہیں بالفاظ دیگر صرف فعلی روایات کو سنت کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ قول و فعل و خلق جو نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے سرزد یا ثابت ہو وہ آپ کی نسبت سے آپ کی "سنت" ہے اور جب کوئی صحابی یا راوی زبان مبارک

Marfat.com

سے اس بات کو سُنکر یا ذات گرامی کو وہ کام کرتا ہوا دیکھکر روایت کرے تو وہ ہی حدیث کہلاتی ہے۔ (یہی حدیث کے لغوی اور عرفی معنی کا تقاضا ہے)

اس تحقیق کے اعتبار سے سنت وحدیث میں فرق صرف مفہوم کے اعتبار سے ہے مصداق دونوں کا بالکل ایک ہے یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وفعل اور عمل وخلق نیز ہر بیانِ سکوتی (تقریر) آپکی سُنّت ہے اور وہی حدیث ہے

مذکورہ بالا بیان کے اعتبار سے ایک حدیث اگر آپ کے متعدد اقوال یا افعال یا اخلاق کے بیان پر مشتمل ہو تو چند سنتوں پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ یہی مطلب ہے امام احمدؒ کے اس قول کا "یہ حدیث پانچ سنتوں پر مشتمل ہے"[1]

محدثین اور ائمہ مجتہدین وفقہا کے نزدیک سُنّت کے اصطلاحی معنی

چونکہ علماء دین یعنی محدثین، ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کے اغراض ومقاصد اور موضوع بحث الگ الگ ہیں اس لئے ان حضرات کی اصطلاح میں سنت کی تعریف میں بھی کسی قدر فرق اور اختلاف ہے

۱۔ وہ محدثین وارباب سیر جن کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل حیات طیبہ کو محفوظ ومرتب کرنا ہے وہ سنت کی حسب ذیل تعریف کرتے ہیں:

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمامتر اقوال وافعال، اعمال واخلاق اور ظاہری و باطنی جسمانی وروحانی محاسن وشمائل اور ولادت سے لیکر وفات تک کے تمامتر احوال کا مجموعہ "سنت" ہے خواہ ان سے کوئی حکم شرعی ثابت ہو یا نہ ہو۔ اس تعریف کے اعتبار سے رسول اللہ کی سیرتِ طیبہ بھی سنت کے تحت آجاتی ہے۔

۲۔ وہ محدثین اور ائمہ مجتہدین جن کا مطمح نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی زندگی کو مدوّن ومرتب کرنا اور اُس سے احکام شرعیہ کا استخراج واستنباط کرنا ہے وہ سنت کی تعریف حسب ذیل کرتے ہیں:

---

[1] واضح ہو کہ دشمنان سنت وحدیث مستشرقین اور ان کی نقالی کرنے والے مستغربین یعنے ڈاکٹر شاخت اور انکے معنوی و روحانی شاگرد ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے امام احمدؒ کے اسی قول سے حدیث وسنت کے درمیان فرق اور تغایر ثابت کرکے علم مصطلح حدیث سے اپنی ناواقفیت وجہالت کا ثبوت دیا ہے۔ ۱۲ (ملاحظہ فرمائیے فکر ونظر ص ۱۶۱ ش ۳ ج ۲ ماہ ستمبر ۱۹۶۴ء)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام اقوال وافعال اور تقریر (بیان سکوتی) کا جو احکام شرعیہ کا ماخذ ہوں خواہ وہ احکام صراحتاً قرآن حکیم میں مذکور ہوں یا نہ ہوں۔ مجموعہ سنت ہے اسی معنی اصطلاحی کے تحت "کتاب اللہ" (قرآن) کے بعد دوسرا مصدر تشریع یعنی ماخذ احکام شرعیہ "سنت" ہے"

۳۔ فقہاء امت کا موضوع معرفۃ النفس مالہا وما علیہا یعنی فعل اور ترک کے اعتبار سے بندہ کے افعال سے بحث کرنا ہے اس لئے وہ سنت کی تعریف حسب ذیل کرتے ہیں:۔

"ہر وہ عمل جس کے ترک کرنے پر آخرت کا کوئی مواخذہ یعنی عذاب نہ ہو اور عمل کرنے پر اجر وثواب خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور شفاعت نصیب ہو وہ "سنت" ہے۔ اسی طرح ہر وہ حکم جو سنت سے ثابت ہو اس کو بھی فقہاء "سنت" کہتے ہیں"

ہمارا موضوع بحث تو اگرچہ "سنت کا مرتبہ بحیثیت ماخذ احکام شرعیہ" ہے لیکن رسول اللہ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کے واجب الاتباع یا لائق اتباع ہونے کو بھی ہم دلائل سے ثابت کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

تنبیہ:۔ تعریف سنت کے اس فرق واختلاف سے یہ توہم ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ سنت کے معنی میں علماء دین میں کوئی اختلاف ہے۔ اس پر تو امت کا اتفاق واجماع ہے کہ سنت سے مراد "سنت رسول اللہ" ہے مگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف شئون وحیثیات اور مختلف پہلو ہیں جس طبقہ نے جس حیثیت کو موضوع بحث بنانے کی سعادت حاصل کرنی چاہی اسی کی رعایت سے سنت کی تعریف کی تاکہ موضوع بحث کی طرف بھی اشارہ ہو جائے۔

ولقد صدق من قال: عباراتنا شتی وحسنک واحد

سنت خلفاء راشدین خلفاءِ اربعہ (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی بن ابی طالب) رضوان اللہ علیہم اجمعین کے وہ اجتہادات جو یقیناً کتاب وسنت سے ہی ماخوذ ومستنبط ہوتے ہیں ان کے لئے بھی شریعت کی اصطلاح میں سنت کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی دو وجہ ہیں:۔

Marfat.com

۱۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عرباض بن ساریہ کی مذکورہ ذیل حدیث میں خلفاء راشدین کے لئے لفظ سنت استعمال فرمایا ہے اور انتہائی تاکید کے ساتھ اس کے اتباع کا حکم دیا ہے

فانہ من یعش بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھتدین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔ (اخرجہ ابوداؤد فی سننہ ج ۲ ص ۲۳۵)	بیشک جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بکثرت (دین میں) اختلافات دیکھے گا پس تم اپنے اوپر لازم کر لینا میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو اسی سے استدلال کرنا اور اسکو دانتوں سے پکڑ لینا (مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم رہنا)

۲۔ حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طول مصاحبت، ہم وقتی رفاقت، اور علوم وحی والہام سے غیر معمولی فطری مناسبت کی وجہ سے ایسا روحانی قرب واتحاد حاصل ہو گیا تھا کہ ان کا علمی اور ذہنی مزاج تشریعی بن چکا تھا اور علل واغراض تشریع احکام سے بخوبی واقف ہو چکے تھے بلکہ درحقیقت یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خارق العادۃ تعلیم وتربیت کا "زندہ معجزہ" تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا ارشاد گرامی اور وصیت اسی کی شہادت وتوثیق ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی پیروی اور اتباع کا۔ ان کے ناموں کی تصریح کے ساتھ۔ حکم فرما دیا تھا بالفاظ دیگر اپنے بعد تشریع احکام شرعیہ کے منصب کے لئے ان کو نامزد کر دیا تھا۔ ارشاد ہے۔

عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا ادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین بعدی ابابکر وعمر وفی روایۃ واشار الی ابی بکر وعمر (اخرجہ الترمذی فی جامعہ ج ۲ ص ۲۲۹)	حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں میں کتنی مدت اور تمہارے درمیان زندہ رہوں گا (موت زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں) لہذا تم میرے بعد (دینی امور میں) ابوبکر وعمر کی پیروی کرنا ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں حضرات کی جانب اشارہ کر کے بتلایا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تشریعی مزاج کا تو یہ عالم ہے کہ آپ کی حیات میں ہی تقریباً بیس

احکام — جو "موافقات عمرؓ" کے نام سے معروف ہیں — ایسے ہیں کہ ان کی مشروعیت سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان احکام کے نافذ کرنے کی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی اور اسی کے موافق قرآن کریم کی آیات نازل ہوئی ہیں جن میں سے تین کا ذکر وہ خود اپنے رب جلّ مجدہ کے امتنان کے طور پر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

عن انس وابن عمر ان عمر قال وافقت ربی فی ثلٰث فقلت یا رسول اللہ: لو اتخذنا من مقام ابراھیم مصلی فنزلت واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی وقلت: یا رسول اللہ! یدخل علی نساءك البر والفاجر فلو امرتھن تحتجبن فنزلت آیة الحجاب واجتمع نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الغیرۃ فقلت عسٰی ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن فنزلت کذلك وفی روایة فی اساری بدر (متفق علیہ)

حضرت انسؓ اور حضرت ابن عمرؓ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے تین امور (احکام شرعیہ) میں اپنے رب سے موافقت کی ہے (یعنی جو میرے خیال میں آیا وہی اللہ کا حکم نازل ہوا) (۱) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اچھا ہو اگر ہم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالیں تو آیت کریمہ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی نازل ہوگی۔ (۲) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی ازواج مطہرات کے مکانات میں ہر طرح کے نیک و بد برے بھلے لوگ آتے جاتے ہیں اچھا ہو اگر آپ ان کو پردہ کا حکم دیدیں تو آیت حجاب نازل ہوگئی (۳) ازواج مطہرات نے اپنے نفقات میں اضافہ کا سختی کے ساتھ مطالبہ کیا اس پر میں نے ان سے کہا: کچھ بعید نہیں کہ آپ تم سب کو طلاق دیدیں اور اللہ تمہاری جگہ تم سے بہتر بیویاں آپ کو دیدے چنانچہ ایسے ہی آیت (احزاب) نازل ہوگی اور ایک روایت میں تیسرا واقعہ بدر کے قیدیوں کا ہے۔

نہ صرف یہ موافقت بلکہ خود رسول اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس تشریعی مزاج کی ذیل کے الفاظ میں شہادت دی ہے، ارشاد ہے:

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

صلى الله عليه وسلم: ان الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه (رواه الترمذی) وفی رواية ابی داؤد: وضع الحق على لسان عمر يقول به۔

فرمایا: اللہ نے حق کو عمر کی زبان و دل پر مسلط کر دیا ہے اور ایک روایت میں ہے: حق کو عمر کی زبان پر رکھدیا ہے (اس لیے) وہ ہمیشہ حق بات ہی کہتے ہیں۔

اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا

لو کان بعدی نبی لکان عمر (رواہ) اگر (بالفرض) میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

چنانچہ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ (امام العصر حضرت مولانا وسیدنا الشیخ محمد انور شاہ الکشمیری قدس اللہ روحہ) جامع ترمذی کے امالی میں مذکورہ بالا حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

وفی شرح هذا الحديث قولان (۱) قيل ان سنة الخلفاء الراشدين والطريقة المسلوكة عنهم ايضا سنة وليس ببدعة (۲) وقيل ان سنة الخلفاء فی الواقع سنة النبی صلى الله عليه وسلم وانما ظهرت على ايديهم (۳) ويمكن لنا ان نقول ان الخلفاء الراشدين مجازون فی اجراء المصالح المرسلة وهذه المرتبة فوق مرتبة الاجتهاد ودون مرتبة التشريع والمصالح المرسلة الحكم على اعتبار علة لم يثبت اعتبارها من الشارع وهذا جائز للخلفاء الراشدين لا للمجتهدين (۴) وزعم البعض ان الخلفاء الراشدين

اس حدیث کی شرح میں (علماء کے) دو قول (مشہور) ہیں (۱) بعض نے کہا ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت اور ان کا مختار طریقہ بھی (رسول اللہ کے فرمان کی بنا پر) سنت ہی ہے بدعت نہیں (۲) بعض نے کہا ہے کہ سنت خلفاء درحقیقت رسول اللہ کی سنت ہی ہوتی ہے صرف اس کا ظہور خلفاء کے ہاتھ پر ہوتا ہے (۳) ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں (یہ تیسرا اور تحقیقی قول ہے) کہ خلفاء راشدین مصالح مرسلہ (کی بنا پر احکام) کے اجرا کے مجاز ہیں۔ یہ مرتبہ "اجتہاد" سے اوپر اور "تشریع" سے نیچے ایک مرتبہ ہے (اور خلفاء راشدین کے ساتھ مخصوص ہے) مصالح مرسلہ کے اعتبار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی علت کی بنا پر احکام جاری کر دینا جس کا اعتبار کرنا (اور اس کے تحت احکام جاری کرنا) شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہ ہو، یہ (تصرف) صرف خلفاء راشدین کے لئے جائز ہے مجتہدین اس کے مجاز نہیں (۴) بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ خلفاء راشدین صرف اسی کے

Marfat.com

لیس لھم الا ما للمجتھدین وھذا غیر صحیح وبعض مسائل ابی حنیفة تدل علی ان لھم مساغ فی اجراء المصالح المرسلة وعض علیھا بالنواجذ۔

(العرف الشذی ص)

مجاز ہیں جس کے مجتہدین مجاز ہیں (اور ان میں اور مجتہدین میں کوئی فرق نہیں) یہ قول صحیح نہیں ہے (نصوص شرعیہ کے خلاف ہے) امام ابوحنیفہ رح کے بعض مسائل اس پر دال ہیں کہ خلفاء اربعہ مصالح مرسلہ کے اجرا کے مجاز ہیں اور اس اصل کو امام ابوحنیفہ رح نے دانتوں سے پکڑا ہوا ہے (اور سختی سے اس پر کاربند ہیں)

بہرصورت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد گرامی کے مطابق سنت خلفاء راشدین پر بھی شرعاً سنت کے لفظ کا اطلاق جائز اور سنت رسول میں شامل ہے۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مانعین زکوٰۃ (زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں) کو مرتد قرار دے کر ان سے قتال کرنا اور فرمانا۔

واللہ لو منعونی عقالا کانوا یودونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸)

خدا کی قسم کہ وہ (اونٹ تو کیا) اگر ایک اونٹ کی رسی بھی دینے سے انکار کریں گے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا کرتے تھے (اور مجھے نہ دیں گے) تو میں ان سے جنگ کروں گا

"سنت صدیقی" ہے اور انکا یہ فیصلہ دین میں "قطع و برید" کا سدباب کرکے دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داخلی حفاظت کے سلسلہ میں عظیم الشان کارنامہ ہے۔

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا رمضان المبارک کی راتوں میں علیحدہ علیحدہ قیام اللیل کرنے والوں کو اوّل شب میں ایک امام کے پیچھے جمع کرکے بیس رکعت تراویح مقرر فرمادینا "سنت فاروقی" کی متعدد مشہور و معروف مثالوں میں سے ایک مثال ہے اور مقبول ترین سنت، جو آج تک تمام عالم اسلامی میں دائر و سائر ہے۔

۳۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نماز جمعہ کے لئے ایک اذان کا اضافہ فرمانا اور عالم اسلامی کے تمام مسلمانوں کو "علی لغة قریش" ایک مصحف امام پر جمع کردینا اور باقی آفات ستة (چھ لغات) اور دوسرے مصاحف سے تلاوت کو ممنوع قرار دیدینا اور مراکز اسلام مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں "مصحف امام" کی مصدقہ نقول بھجوا دینا "سنت عثمانی" ہے اور کتاب اللہ کی وحدت

Marfat.com

اور حفاظت کے سلسلہ میں محکم ترین کارنامہ ہے چنانچہ تمام دنیا میں اسی "مصحف امام" کے مطابق قرآن پڑھا پڑھایا اور حفظ کیا جارہا ہے حتیٰ کہ رسم الخط بھی وہی محفوظ و برقرار ہے۔

۴۔ خوارج کو کافر و مرتد قرار دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اُن سے قتال کرنا اور قرآن کریم کو "مؤولین" کی تاویلوں اور تحریفوں" سے محفوظ کر دینا" سنت علی ابن ابی طالب رض" ہے۔ اور یہ قرآن کے "معنی و مراد" کو نام نہاد مسلمان ملحدوں اور زندیقوں کی دستبرد اور دراندازی سے محفوظ کر دینا حضرت علی رض کا ایسا عظیم کارنامہ ہے کہ رہتی دنیا تک اُمت کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے گا۔

سنت صحابہ رض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اھتدیتم[۱] (رواہ فی المشکوۃ عن رزین باب مناقب الصحابہ)

لہٰذا عہد صحابہ میں مختلف فیہ مسائل میں صحابہ کرام رض کا کسی امر پر اتفاق کر لینا اگرچہ وہ امر قرآن و حدیث میں منصوص نہ ہو قوی ترین اجماع اور حجت قطعی ہے اور سنت صحابہ رض کا قوی ترین مصداق ہے اور اس کا خلاف کرنا ائمہ مجتہدین میں سے کسی بھی امام کے مذہب میں جائز نہیں، اس سنت صحابہ رض کی روشن ترین مثال "بیعت ابوبکر صدیق" رضی اللہ عنہ پر صحابہ کرام رض کا اتفاق و اجماع ہے چنانچہ باتفاق اُمت منکر خلافتِ ابوبکر رض کافر ہے۔ باقی عدم اتفاق کی صورت میں بھی چونکہ صحابی کے قول اور فتوے کا مدار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نہ کسی حدیث پر ہی ہوتا ہے اگرچہ دوسرے صحابہ نے کسی بھی وجہ سے اُس حدیث پر عمل نہ کیا ہو یا وہ حدیث ان کو نہ پہنچی ہو اس لئے اُس کا اقتدا بھی درحقیقت اتباع سنت رسول اور موجب ہدایت ہے۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مذکورہ ذیل حدیث قدسی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مذکورہ بالا شرف اور منصب "اقتدا" اللہ تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے عطا ہوا ہے۔

---

[۱] (ترجمہ) میرے صحابی ستاروں کی مانند (تابناک و ضیا پاش) ہیں پس ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

Marfat.com

روی الخطیب بسندہ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سألت ربی فیما اختلف فیہ اصحابی من بعدی فاوحی اللہ الی یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضہا اضوء من بعض (ولکل نور) مشکوٰۃ) فمن اخذ بشئ مما ہم علیہ من اختلافہم فہو عندی علی ھدی (کفایہ للخطیب البغدادی ص ۴۸)

خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) اپنی کتاب کفایہ میں ص ۴۸ پر بسند خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی وفات کے بعد صحابہ کے اختلافات کے متعلق دریافت کیا تو میرے رب نے میرے پاس وحی بھیجی کہ: اے محمد تمہارے صحابی ہمارے نزدیک آسمان کے روشن اور ضیا پاش ستاروں کی مانند ہیں بعض، بعض سے زیادہ روشنی میں ہیں۔ (اور نور تو ہر ایک کے لئے ہے) لہذا ان کے درمیان مختلف فیہ امور میں جو شخص ان میں سے کسی کا قول بھی اختیار کریگا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔

اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تو اصول یہ ہے کہ مجتہد کے لئے خروج عن مذاہب الصحابۃ جائز نہیں یعنی غیر منصوص، اور صحابہ میں مختلف فیہ مسائل میں تمام صحابہ کے اقوال و مذاہب کو یکسر ترک کردینا اور اپنے اجتہاد و قیاس پر عمل کرنا جائز نہیں ہاں یہ اختیار ہے کہ ان میں سے جس صحابی کے قول اور مذہب کو زیادہ صحیح اور اقرب الی القیاس پائے اس کو ترجیح دے اور اختیار کرلے یہی مطلب ہے امام صاحب کے مشہور و معروف مقولہ کا:

ما جاءنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلناہ علی الراس والعین وما جاءنا عن اصحابہ رحمہم اللہ اخترنا منہ ولم نخرج عن قولہم وما جاءنا عن التابعین فہم رجال ونحن رجال (اخرجہ ابن عبد البر

جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمارے پاس آئے گی ہم اسے سر آنکھوں پر قبول کریں گے اور جو آثار صحابہ رحمہم اللہ کے ہمارے سامنے آئیں گے ہم ان میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دے کر اختیار کریں گے اور ان کے اقوال سے باہر نہیں نکلیں گے (یعنی ان سب کو چھوڑ کر اپنی رائے اور قیاس کو اختیار کرلیں ایسا نہیں کریں گے) اور جو اقوال تابعین رح کے ہمارے سامنے آئیں گے تو وہ بھی مرد میدان ہیں اور ہم بھی (جیسے

Marfat.com

فی الانتقاء ص ۳۴ باسانید مختلفۃ) | انھوں نے اجتہاد کیا ہے ہم بھی اجتہاد کریں گے۔ واضح ہو کہ امام صاحب خود بھی تابعین میں سے ہیں)

حافظ ابن عبد البر نے اپنی کتاب الانتقاء صہ۳۴ پر مختلف اسانید کے ساتھ اس مقولہ کو امام ابوحنیفہ رح سے روایت کیا ہے۔

صحابہ کرام کی تعدیل وتزکیہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

محمد رسول اللہ والذین	محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار
معہ اشداء علی الکفار	کے حق میں بہت سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر
رحماء بینھم تراھم رکعا	بغایت مہربان ہیں تم ان کو رکوع اور سجدہ کرتے
سجدا یبتغون فضلا من	(نماز پڑھتے) دیکھو گے (یہی ان کا شعار ہے) ان کا
اللہ ورضوانا سیماھم فی	مطلوب اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی ہے ان کی
وجوھھم من اثر السجود۔ (سورۃ الفتح ع ۴)	شناخت ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان (انوار) ہیں

بہر حال قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا نصوص کی بنا پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتہادات وآراء، امت کے لئے سرچشمۂ ہدایت اور واجب الاتباع ہیں اسی لئے شریعت کی اصطلاح میں ان پر بھی سنت کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے مگر بہت کم اور خال خال[۱]

سنت اہل مدینہ ائمہ مجتہدین میں سے صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ چونکہ مدینہ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دار ہجرت اور مہبط وحی الٰہی ہے اور بیشتر احکام شرعیہ کی تشریع اور نفاذ مدینہ سے ہی ہوا ہے اور اہل مدینہ ہی ان احکام کے سب سے پہلے مخاطب اور ان پر سب سے پہلے عمل کرنے والے ہیں اس لئے اہل مدینہ کا تعامل بھی مستقل، حجت شرعیہ اور سنت کا مصداق ہے یعنی کسی امر کا مدینہ میں معمول بہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ سنت رسول اللہ ہے اور توارث وتعامل کی بنا پر حدیث مشہور کے حکم میں ہے اسی لئے وہ اس

---

[۱] جیسا کہ زید بن ثابت رض صحابی کے قول کو سعید بن مسیبؒ نے "سنت" سے تعبیر کیا جب کہ ربیعہ نے ان سے "ارُوش اصابع المرأۃ" (عورت کی انگلیوں کی دیت) کے متعلق دریافت کیا اور کہا کہ انھا السنۃ یا ابن اخی۔ معانی الآثار طحاوی صہ۱۵۲ باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ۔

کے مقابلہ پر کسی بھی صحیح خبرِ واحد کے ترک کر دینے کو جائز سمجھتے ہیں چنانچہ وہ خود اپنی کتاب موطا میں — جو حدیث نہیں بلکہ فقہ مالکی کی سب سے پہلی مدون کتاب ہے — حدیث صحیح کو روایت کرتے ہیں مگر اس پہ عمل نہیں کرتے اور اس کے مقابلہ پر "تعامل اہل مدینہ" کو اختیار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ وھوالسنۃ عندنا اسی لئے جتنی کثرت سے لفظ سنت موطا میں استعمال ہوا ہے اور کسی بھی محدث یا امام مجتہد کی کتاب میں آپ کو نہ ملے گا اس لئے کہ کوئی بھی امام مجتہد اپنے اجتہاد یا اپنے اہل ملک کے "تعامل" کو سنت نہیں کہتا۔

مگر امام مالک اسی کے ساتھ ساتھ اس مزیّت کو صرف مدینہ اور اہل مدینہ کی خصوصیت قرار دیتے ہیں اور کسی بھی اسلامی مرکز مثلاً اہل شام، اہل عراق، اہل مصر حتیٰ کہ اہل مکہ کے تعامل کو بھی حجت نہیں مانتے (ملاحظہ فرمایئے مکتوب امام مالکؒ بنام امام لیث بن سعد امام مصر از ابو زہرہ کی کتاب مالک)

بہرحال یہ صرف امام مالکؒ کی رائے اور انہی کا مسلک ہے ائمہ مجتہدین میں سے بجز امام اوزاعی کے — کہ وہ بھی تعامل اہل شام وحجاز کو حجت مانتے ہیں — اور کوئی ان کا ہمنوا نہیں چنانچہ ان کے ہمعصر امام لیث بن سعدؒ نے (جو مجتہد مصر ہیں) اور امام شافعی رح (امام حجاز) نے جو ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں بڑی سختی سے اس کی مخالفت بلکہ تردید کی ہے (ملاحظہ فرمایئے امام شافعی کی کتاب الرسالۃ اور کتاب الام نیز مکتوب امام لیث رض بنام امام مالکؒ)

تعامل اہل مدینہ کے حجت ہونے اور اس کے لئے لفظ "سنت" استعمال کرنے کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ تعامل اہل مدینہ چونکہ بطور توارث سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہوتا ہے اس لئے وہ ایک طرح سے سنت رسول اللہ کی حکایت اور بیان سکوتی ہے اور جب ایک صحابی کے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا و فعل کذا کی بنا پر اس کو سنت کہا جاتا ہے حالانکہ وہ "خبر واحد" ہے تو اہل مدینہ جو ہر زمانہ میں ایک جماعت کثیر اور جم غفیر ہوئے ہیں ان کے اس تعامل اور سکوتی بیان کو سنت کیوں نہ کہا جائے۔ درحقیقت یہ تعامل حدیث مستفیض اور خبر مشہور کے حکم میں ہے۔ اسی لئے امام مالکؒ موطا میں تعامل مدینہ کے لئے کثرت سے وھوالسنۃ عندنا اور ھکذا السنۃ عندنا کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور جس مسئلہ میں علما و فقہاء اہل مدینہ متفق ہوتے ہیں وہاں

Marfat.com

وہ ھو الامر المجمع علیہ عندنا کے الفاظ لاتے ہیں۔

امام مالکؒ کے اس استدلال سے یہ قطعی طور پر واضح ہے کہ وہ نہ سنت کے شرعی معنی میں کوئی تصرف کرتے ہیں اور نہ سنت کے، ان کے نزدیک دو مفہوم ہیں بلکہ انکے نزدیک بھی سنت کا مفہوم و مصداق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کچھ نہیں وہ صرف تعامل اہل مدینہ کو حکایتِ سنت قرار دے کر جس طرح ہم ایک حدیث اور خبر واحد کو سنت کہتے ہیں اسی طرح وہ اس تعامل کو سنت کہتے ہیں اور جس مسئلہ میں اہل مدینہ کا اتفاق و اجماع ہوتا ہے اس کو وہ الامر المجمع علیہ عندنا کہتے ہیں یعنی اس متفق علیہ تعامل کو اجماع سے تعبیر کرتے ہیں (مراجعت کیجئے الدیباج المذہب ص ۲۵)

اور جب امام مالکؒ اپنے زمانے کے دیگر مراکز و بلاد اسلامیہ کے تعامل کو حجت اور "سنت" کہنے کے لئے تیار نہیں تو موطا میں ان کے لفظ سنت یا الامر المجمع علیہ کو دیکھ کر آج تیرہ سو برس بعد کسی شخص کا "عامۃ المسلمین" یا "جمہور مسلمین" کے تعامل کو سنت کہنا اور حجت ماننا، قائل کی کوتاہ نظری اور محدثین و مجتہدین کے علوم سے ناواقفیت و بے خبری کی دلیل ہے۔ انسان جب اپنے دائرہ سے باہر قدم رکھتا ہے تو ایسی ہی ٹھوکریں کھاتا ہے

بہرحال جمہور مجتہدین "تعامل" کو سنت کا مصداق اور حجت ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں (ملاحظہ فرمایئے امام شافعیؒ کی کتاب الام، الرسالۃ اور قاضی ابو یوسفؒ کی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی)

اہل السنّت والجماعت

مشہور و معروف حدیث "افتراقِ امت" مختلف الفاظ اور مختلف طُرق (اسانید) سے چودہ[۱۴] صحابہ کرام سے مروی ہے اس حدیث میں "فرقۂ ناجیہ" (نجات پانے والا فرقہ) کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا علیہ واصحابی بیان فرمایا ہے، ما انا علیہ کا مصداق "سنت رسول اللہ" ہے اور ما علیہ اصحابی کا مصداق ہے "تعامل صحابہؓ"۔ اس لئے ما انا علیہ واصحابی کا مصداق وہی جماعت ہو سکتی ہے جو سنت رسول اللہ اور تعامل صحابہ کو حجت اور واجب الاتباع مانتی ہو۔

قرن اول کے وسط سے ہی خوارج، روافض اور غالی شیعہ وغیرہ گمراہ فرقوں کی ریشہ دوانیاں اور فتنہ سامانیاں ایک طرف محاذ جنگ پر مسلمانوں کے ساتھ قتل و قتال اور خونریزی کی شکل میں، دوسری طرف میدان مباحثہ و مناظرہ میں علماء حق کے ساتھ مناظروں اور مجادلوں کی شکل میں

رونما ہونے اور زور پکڑنے لگی تھیں اس لئے اہل حق نے اُمت کے اس "سوادِ اعظم" کے لئے جو ان فرق زائغہ سے دونوں محاذوں پر دست و گریباں اور ان کے استیصال و بیخ کنی میں مصروف تھا "اہل السنت والجماعت" کا نام بطور اصطلاح استعمال کرنا شروع کر دیا۔

اس لئے کہ خوارج تو واقعہ تحکیم (ثالث کا فیصلہ مان لینے) کی بنا پر تمام صحابہ اور عام مسلمانوں کو اسلام سے خارج اور کافر قرار دے چکے تھے۔ کافر کی روایت قبول کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لہذا خوارج نے سرے سے سنت اور حدیث رسول اللہ کی حجیت اور جماعتِ صحابہ کے ایمان و اسلام سے انکار کر دیا۔ روافض اور غالی شیعہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے محروم کر دینے پر بجز ائمہ اہلبیت کے باقی تمام صحابہ کو غاصب، خائن اور فاسق قرار دے چکے تھے۔ اور کسی راوی کی حدیث کے معتبر و مقبول ہونے کی پہلی شرط راوی کی عدالت ہے۔ فاسقِ مجاہر کی شہادت و روایت باتفاق امت مردود ہے لہذا انہوں نے بھی علاوہ ائمہ اہل بیت کے باقی تمام صحابہ کی عدالت و دیانت اور ان کی روایت کی حجیت سے انکار کر دیا۔ اسلام کی تاریخ میں سنت رسول اللہ اور جماعت صحابہ کی دیانت و عدالت کا سب سے پہلے انکار کرنے والے یہی دو فرقے ہیں۔ معتزلہ بھی چونکہ مرتکب گناہِ کبیرہ مسلمان کو اسلام سے خارج کہنے میں خوارج کے ہمنوا ہیں اس لئے اُن تمام احادیث کی صحت سے انکار کرنا ان کے لئے بھی ناگزیر تھا جو ان کے معتقدات کے خلاف ہیں خصوصاً گنہگاروں کی مغفرت اور شفاعت کی احادیث، اس لئے انہوں نے بھی سرے سے احادیث و اخبار آحاد کی حجیت سے انکار کر دینے میں ہی عافیت سمجھی۔ معتزلہ کے مدمقابل اور حریف نمبر سخت مرجئہ ہیں جو صرف ایمان کو نجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں ان کا کہنا ہے لا یضر مع الایمان معصیۃ کما لا ینفع مع الکفر طاعۃ۔ اس لئے وہ اُن تمام احادیث کے انکار پر مجبور ہوئے جو ترک اعمال صالحہ پر وعید اور عذاب جہنم کی خبر دیتی ہیں۔

غرض تمام فرقِ زائغہ آپس میں ایک دوسرے سے شدید ترین اختلافات کے باوجود عموماً حدیث رسول اللہ اور عدالت و دیانت جماعت صحابہ کے انکار پر سب متفق تھے ان کے مقابلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق۔

لا یزال طائفۃ من امتی یقاتلون ……… میری اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ حق کی حمایت میں

Marfat.com

على الحق ظاهرين الى يوم القيامة (اخرجه مسلم عن جابر بن عبد الله في صحيحه ص (۸۷)

جنگ کرتی رہے گی قیامت تک باقی اور نمایاں رہیگی

وايضا قال يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين (اخرجه البيهقي في المدخل عن ابراهيم العذري مرسلا)

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر آنے والی نسل کے ثقہ عالم اس علم دین کے حامل اور علمبردار بنتے رہیں گے غالی گمراہوں کی تحریفوں، باطل پرستوں کی کی افترا پردازیوں اور جاہلوں کی تاویلوں کی تردید وبیخ کنی کرتے رہیں گے (قیامت تک)

علماء حق اور امت کا سواد اعظم تھا جو آپس میں فروعی اور جزوی اختلافات کے باوجود سنت رسول اللہ کی حجیت اور جماعت صحابہ کی عدالت و دیانت پر متفق و متحد تھا خواہ محدثین اور اہل ظاہر ہوں خواہ مجتہدین و فقہاء خواہ اشاعرہ ہوں خواہ ماتریدیہ، سب اس پر متفق تھے: السنة حجة شرعية والصحابة كلهم عدول اسی لئے اُمت نے ان کو "اہل السنت والجماعت" کے نام سے یاد کیا، خصوصًا جب تیسری صدی کے اواخر میں امام ابوالحسن اشعریؒ نے معتزلہ سے علیحدگی اختیار کرکے ان کی سرکوبی کا بیڑا اُٹھایا تو انھوں نے اپنی جماعت کا نام "اہل السنت والجماعت" رکھا اور اس وقت سے اس نام نے اہل حق اور سواد اعظم کے لئے ایک شائع ذائع اور مقبول اصطلاح کی حیثیت اختیار کرلی چنانچہ دستور العلماء کے مصنف عبد النبی احمد نگری اس لفظ کے تحت لکھتے ہیں:

اعلم ان الامام الاشعري رحمه الله لما ترك مذهب استاذه ابي على الجبائي واشتغل هو ومن تبعه بابطال راى المعتزلة واثبات ما وردت به السنة ومضى عليه الجماعة فسموا انفسهم اهل السنة والجماعة.

واضح ہو کہ جب امام ابوالحسن اشعری نے اپنے استاد ابوعلی جبائی (امام الاعتزال) کا مذہب ترک کردیا اور وہ خود اور ان کے متبعین معتزلہ کے عقائد کے ابطال و تردید اور اس کے مقابلہ پر عقائد ثابتہ بالسنہ اور معتقدات صحابہ کے اثبات و تائید کے لئے کمربستہ ہوگئے تو انھوں نے اپنی جماعت کا نام "اہل السنت والجماعت" تجویز کیا۔

تنقیح و تجزیہ

لفظ سنت کے تمام مذکورہ بالا استعمالات کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ لفظ "سنت" کے حقیقی معنی شریعت کی اصطلاح میں صرف سنت رسول اللہ

Marfat.com

کے ہیں، سنت خلفاء راشدین نص شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنا پر اس میں داخل ہے اور اسی معنی کے اعتبار سے سنت حجت اور ماخذ احکام شرعیہ ہے اس کے علاوہ جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے خواہ قرآن وحدیث میں ہو خواہ کسی امام مجتہد کے کلام میں وہ توسع اور تجوز پر مبنی ہے، یعنی سنت رسول اللہ سے کسی ادنیٰ مناسبت، یا تلابست (تعلق) کی بنا پر سنت کہہ دیا گیا ہے یا لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ وہ سنت کے حقیقی معنی ہیں اور نہ حجت شرعیہ۔

اجماع امت

تمام صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، فقہا، اصولیین، متکلمین، مورخین ارباب سیرت ولغت غرض جملہ طبقات اہل علم اس پر متفق ہیں اور ان کی تصانیف اس پر شاہد ہیں کہ شریعت کی اصطلاح میں جیسے کتاب کے معنی صرف کتاب اللہ اور قرآن کے ہیں اسی طرح سنت کے معنی صرف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور یہی سنت حجت شرعیہ اور کتاب اللہ کے بعد دوسرا ماخذ احکام شرعیہ ہے۔

ایک نئی مگر انتہائی خطرناک "دریافت"

ایسی صورت میں "اسلام کے ابتدائی عہد میں سنت کے دو مفہوم اور معنی قرار دینا ایک سنت رسول اللہ دوسرے عامۃ المسلمین کی سنت یعنی "مسلمانوں کی رائے عامہ"، یا "جمہور امت کی رائے"، اور اس کو احکام شرعیہ کا ماخذ قرار دینا چودھویں صدی کی ایک نئی مگر بیحد خطرناک "دریافت" ہے اور دین کی بنیادوں میں زبردست رخنہ اندازی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہر کس و ناکس خود کو مجتہد سمجھتا ہے اور "فقہ اسلامی کی از سر نو تدوین اور تجدید"، کا نعرہ لگا رہا ہے اور نہایت بیباکی کے ساتھ حرام کو حلال، حلال کو حرام کرنے میں مصروف ہے العیاذ باللہ

علماء امت کا فرض

اگر اس وقت علماء امت نے متفق ومتحد ہو کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح پوری قوت کے ساتھ" اس (نام نہاد) "فکر اسلامی" کے دھارے کی آزاد روانی"، (اور بے راہ روی) کو روکنے کے لئے "کامیاب مداخلت نہ کی"، اور استحکام سنت اور حفاظت حجیت حدیث کا "مضبوط بند"، نہ باندھا تو اس لادینی دور میں "اسلامی قانون فقہ کی بنیادیں"، (خاکم بدہن) یقیناً اس طوفان بے تمیزی میں بہہ جائیں گی اور دین اسلام اسی طرح بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ تشتت وانتشار اور فوضویت (انارکی) کا نشانہ بن جائیگا جیسے

Marfat.com

امام شافعی علیہ الرحمہ کے عہد میں بن گیا تھا۔ آزمودہ را آزمودن جہل است۔

"جدت فکر" اور "تخلیق افکارِ نو" بالفاظ دیگر "فکر اسلامی کی آزادروانی"، "استحکام دین" اور "فقہ اسلامی کی استواری" کی تباہ کن دشمن ہے اور "ازسرِنو تدوین فقہ اسلامی" اور "تجدید فقہ" کا نعرہ لگانے والے دانستہ یا نادانستہ طور پر دین کے "خانہ برانداز دشمن" ہیں اور اسلام کے لئے "مار آستین" کا مصداق ہیں۔

ایک غلط فہمی یا تلبیس کا ازالہ

اکابر علماء امت اور محققین علماء دین نے جن فقہی مسائل میں غوروفکر کی ضرورت کا اظہار فرمایا ہے وہ فقہ کی اصطلاح میں "حوادث" و "نوازل" کہلاتے ہیں یعنی وہ فروعی اور جزوی مسائل جو نہ کتاب وسنت میں منصوص ہیں اور نہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء اُمت کے زمانے میں موجود تھے بلکہ وہ صرف عہد حاضر اور اس صنعتی ترقی کے دور بلکہ مغربی تہذیب ومعاشرت کے عروج و استیلاء کی پیداوار ہیں اُن پر غوروفکر اور استنباط احکام کی اجازت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورہ ذیل شرائط کے ساتھ دی ہے:۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال قلت یارسول اللہ اذا نزل بنا امر لم یکن فیہ بیان لا امر ولا نھی، فما تامرنی فیہ؟ قال شاوروا الفقہاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وصححہ الہیثمی فی مجمع الزوائد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یارسول اللہ جب ہمارے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آئے جس کے متعلق کوئی واضح بیان (نص کتاب وسنت) موجود نہ ہو نہ امر ہو نہ نہی (نہ حکم ہو نہ ممانعت) تو ایسے مسئلہ کے متعلق آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں (ہم کیا کریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے مسئلے میں تم فقہا اور ارباب ورع و تقوی سے رجوع کرو اور کسی بھی شخصی رائے پر تکیہ نہ کرو۔

فرمانِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق حوادث ونوازل میں اجتہاد کے لئے حسب ذیل شرائط ضروری ہیں۔

۱۔ صرف ایسے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہے جن میں (کوئی نص صریح نہ ہو) نہ رسول اللہ کی کوئی سنت (حدیث) ہو نہ وحی الٰہی آیت قرآن) ہو۔

Marfat.com

۲۔ ایسے مسائل کا فیصلہ لابدی طور پر جماعت علماء کے مشورہ سے کیا جائے نہ کہ شخصی رائے سے۔

۳۔ اس جماعت کے ارکین میں دو وصف ضرور ہونے چاہئیں ایک تفقہ فی الدین دوسرے تقویٰ و عبادت گذاری۔

مذکورہ بالا شرائط کے خلاف جو بھی اسلامی قانون بنے گا یا مروجہ قانون کو کتاب و سنت کے مطابق جو بھی اصلاح و ترمیم کی جائے گی خواہ کسی فرد واحد کی جانب سے ہو خواہ کسی ادارہ کی جانب سے، نہ وہ اسلامی قانون ہوگا نہ ہی دستور پاکستان کی مشہور و معروف دفعہ: "پاکستان کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا" کے مطابق پاکستان کا اسلامی قانون کہلا سکے گا۔

غرض مذکورہ بالا تجدد پسند بلکہ مغرب زدہ طبقہ از راہ تلبیس آئے دن ان اکابر علما کی مذکورہ "تصریح و تحدید" کو نظر انداز کر کے اپنی تائید میں ان بزرگان دین کے اقوال پیش کرتا اور حوالے دیتا رہتا ہے کہ "دیکھو فلاں بزرگ عالم دین بھی تجدید فقہ کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں"۔ یہ محض دھوکا اور فریب ہے۔ ان بزرگوں کے مکمل بیانات کی مراجعت اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔

ممالک اسلامیہ کی نظیریں اور اُن کی حقیقت

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس لادینی عہد کے اسلامی ممالک اور انکی آزاد حکومتیں یورپین اقوام کی صنعتی اور اقتصادی ترقیات سے اور مغربی ثقافت و معاشرت کی جلوہ ریزیوں اور سحر کاریوں سے مرعوب و مسحور ہونے میں، کہئے "مغرب زدگی" میں، ہمارے ملک سے بہت تیز رو (فارورڈ) اور منزلوں آگے بڑھی ہوئی ہیں، ان ممالک میں مذہبی اور دیندار طبقہ بے بس یا بے حس تھا اور یہ تجدد پسند طبقہ برسر اقتدار اور خود مختار، اس لئے وہ دین اسلام کے عمل جراحی (پوسٹ مارٹم) سے اور دین کا نام لیکر دین کو مسخ کرنے کے "فرض" سے ہمارے ملک کے متجددین و متفرنجین سے بہت پہلے فارغ ہو چکے ہیں، ان کے مرتب کردہ "نام نہاد" اسلامی قانون ہمارے سامنے ہیں، کوئی بھی صاحب بصیرت عالم دین اگر صرف ان مدونین کے تدوین کردہ قانون کے "ماخذوں" اور "تمہیدی بیانات" کا بنظر غائر جائزہ[1] لے تو روز روشن کی طرح اس پر واضح ہو جائے گا کہ اسلامی قانون میں یہ تمام قطع و برید صرف یورپین ممالک کے رائج الوقت قانونوں سے مطابقت پیدا کرنے اور دین

---

[1] ملاحظہ فرمائیے الاحوال الشخصیہ۔ شام و مصر ۱۲

Marfat.com

کی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے کی گئی ہے اعاذنا اللہ منہ۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کا یہ دشمن دین وایمان طبقہ دیندار عوام کو گمراہ کرنے، دھوکہ دینے اور علماء دین کو ان کی نظروں سے گرانے اور بغاوت پر آمادہ کرنے کی غرض سے کبھی ٹرکی کے قانون کا حوالہ دیتا ہے اور کبھی مصر وشام وعراق کے قانون کا۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ اگر علماء امت نے اس پرفتن دور میں پوری قوت کے ساتھ متفق ومتحد ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور ان کے صبر واستقامت اور ثبات واستقلال میں فرق نہ آیا اور اعجاب کل ذی رای برأیہ کی لعنت سے پاک وآزاد ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل وصیت پر قائم رہے تو ان کو ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔

فانہ من یعش بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ (اخرجہ ابوداؤد)	پس بیشک میرے بعد جو لوگ زندہ رہیں گے وہ کثرت سے اختلافات دیکھیں گے (پس ایسے اختلاف کے وقت) تم لازم کرلینا اپنے اوپر میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو اُس کو مضبوطی کے ساتھ تھام لینا اور دانتوں سے پکڑ لینا۔

تمسک بالکتاب والسنۃ، وہ حبل اللہ المتین۔ ہے کہ اسکو مضبوطی کے ساتھ اگر پکڑے رہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت اور فتح مبین انشاء اللہ ان کو حاصل ہوگی، کم ازکم وہ آخرت کی مسئولیت سے ضرور بچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ان اللہ لمع المحسنین (عنکبوت آخری آیت)	جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے اور بیشک اللہ ایسے مخلصین کے ساتھ ہے۔

مسئولیت یہ ہے:۔

لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون (مائدہ ع ۱۱)	کیوں نہیں منع کرتے ان کو اللہ والے اور علماء گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے، بہت ہی برا کام کرتے ہیں وہ۔

واللہ الموفق وھو الھادی الی الصراط المستقیم۔

Marfat.com

باب دوم

سنت کا مصداق قرآن حکیم میں

آیت کریمہ نمبر (۱) ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

کے اوامر و نواہی

قرآن عظیم میں "سنت" کا مصداق اور تشریع احکام اسلامی ـــــ اسلامی قانون سازی ـــــ میں اُس کا مرتبہ و مقام معلوم کرنے کے لئے اب ہم قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ یہی ہمارا اصل "موضوع" ہے۔

قرآن کریم نے زیر بحث سنت کے لئے لفظ "سنت" کے بجائے اُس سے زیادہ بلیغ اور جامع لفظ اُسوۃ حسنہ استعمال فرمایا ہے سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

ولکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ	اور تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی ذاتِ مقدس)
لمن کان یرجوا اللہ والیوم	میں بہترین نمونہ (موجود) ہے (یعنی) اُس شخص کے لئے
الآخر وذکر اللہ کثیرا	جو اللہ اور یوم آخر سے ڈرتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد
(احزاب رکوع ۳)	کرتا ہے۔

اس لئے کہ "اسوۃ" کے معنی از روئے لغت مایتاسی بہ ہیں (جس کی پیروی کیجائے) یعنے "پیروی کیا جانا لغتاً اس کے مفہوم میں داخل ہے علاوہ ازیں اسوۃ از روئے لغت اسوۂ حسنۃ کو ہی کہتے ہیں اسوۂ سیئہ کے لئے اُسوۃ کا لفظ لغت عربی میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ اس لحاظ سے اسوۃ کے ساتھ حسنۃ کا اضافہ عند اللہ اس کے استحسان کی تصریح اور مزید تاکید کے لئے ہے۔ اسی لئے اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

"سنت" کے لئے اسوۃ حسنۃ کا لفظ استعمال فرمایا تاکہ استحسان کے ساتھ ساتھ وجوب اتباع کی طرف بھی اشارہ ہو جائے اور "دعوی مع دلیل" کا مصداق بن جائے واللہ اعلم بمرادہ — مزید تفصیل آیت مذکورہ بالا کے ذیل میں انشاء اللہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

قرآن حکیم نے دوسرا لفظ اس زیر بحث سنت کے لئے حکمۃ استعمال فرمایا ہے ارشاد ہے:

وانزل اللہ الیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ (النساء ع ۱۷)

اور (اے نبی) اللہ نے تم پر کتاب نازل فرمائی اور حکمت، اور تم کو وہ (کچھ) سکھلایا جو تم نہیں جانتے تھے اور (در حقیقت) تمہارے اوپر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

تاکہ سنت کی حجیت کی طرف بھی اشارہ ہو جائے جس کی تفصیل آپ مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں انشاء اللہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

لیکن اس سنت کا مدلول و مصداق اور اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے ہم نے اصولی طور پر قرآن کریم کی دس[۱] آیات انتخاب کی ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل آیت کریمہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قوی اور محکم دلیل و حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ حشر میں ارشاد فرماتے ہیں:

وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب (حشر ع ۱)

اور جو لائے تمہارے پاس (اللہ کا) رسول اسکو لیلو اور جس سے تم کو منع کرے اس سے باز رہو اور (رسول کی نافرمانی کرنے میں) اللہ سے ڈرو، اس لئے کہ اللہ کی سزا (عذاب) بہت شدید (ہوتی) ہے

اس آیت کریمہ میں ما اتاکم اور ما نھاکم کے عموم کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ترادامر و نوھی کا "مجموعہ" ما اتی بہ الرسول اور سنت الرسول کا مصداق ہے خواہ آپ نے صراحتاً کسی امر معروف کا حکم دیا ہو اور امر منکر سے منع فرمایا ہو خواہ کسی فعل کے مشاہدہ یا علم میں آنے کے بعد اس پر "سکوت" فرمایا ہو — جس کو محدثین اور علم اصول حدیث کی اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں — اردو میں اس کو "بیان سکوتی" کہنا مناسب ہے — نیز وہ

---

[۱] ہم نے ان دس آیات کریمہ کو مدار استدلال قرار دیا ہے۔ بقیہ آیات و احادیث یا آثار صحابہ و اقوال مفسرین کا تذکرہ ان آیات کی تفسیر و تشریح کی غرض سے بطور تائید و تقویت کیا گیا ہے۔ ۱۲

اوامر ونواہی خواہ قرآن کریم میں صراحتاً مذکور ہوں، خواہ قرآن سے مستنبط ہوں خواہ قرآن میں بالکل، مذکور نہ ہوں بلکہ وحی غیر متلو (وحی خفی) کے ذریعہ آپ نے اُمت کو بتلائیے ہوں اور خواہ کتاب (قرآن)، اور سنت (وحی غیر متلو) میں صریح حکم خداوندی نہ ہونے یا اختیار دیئے جانے پر آپ نے خود یا بمشورۂ صحابہ اجتہاد کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے خلاف کوئی "تنبیہ" نہ کی گئی ہو۔ نیز وہ اوامر ونواہی خواہ لساناً وقولاً ہوں خواہ فعلاً وعملاً، یعنے بغرضِ تعلیم اُمت آپ نے اُن پر عمل کر کے دکھلایا ہو۔ یہ تمام "مجموعۂ احکام" ماآتی بہ الرسول اور ماجاء بہ الرسول کا مصداق ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "اصول تشریع احکام" اور "تشریعی اختیارات" کے ذیل میں ــــ جس کی تفصیل آیت نمبر (٦) کے تحت انشاء اللہ پڑھیں گے ــــ خبر دی ہے:

يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث الآية (اعراف ع ١٩)

اور وہ (نبی اُمّی) اُن کو معروف (ہر شرعاً اچھے اور بھلے کام) کا حکم دیتا ہے اور منکر (ہر شرعاً بُرے اور بد کام) سے منع کرتا ہے اور طیب (پاک وعمدہ) چیزوں کو حلال کرتا ہے اور خبیث (گندی اور غلیظ) چیزوں کو حرام کرتا ہے

القرآن يفسر بعضه بعضا (قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے) کے اصول کے تحت سورۂ اعراف کی آیت میں يأمرهم بالمعروف کا لفظ اس امر کی دلیل ہے کہ زیر نظر آیتِ سورۂ حشر میں ما آتاكم کے معنی ما امركم ہیں خواہ یہ ــــ امر عطاءِ اموال سے متعلق ہو ــــ جیسا کہ "خصوص مورد" یعنے شان نزول اور سیاق وسباق آیت کا تقاضہ ہے خواہ اس کے علاوہ اور دوسرے افعال واعمال وغیرہ سے۔

علاوہ ازیں خود اِسی آیت میں ما نهاكم عنه فانتهوا اس امر کی قطعی دلیل ــــ ہے کہ ما آتاكم کے معنی ما امركم ہیں نہ کہ ما اعطاكم ــــ جیسا کہ بعض[۱] مفسرین نے آیت کے شان نزول اور سیاق وسباق کو دیکھکر جو "اموال فیئ" سے متعلق ہے ما آتاكم کے معنی ما اعطاكم کئے ہیں ــــ اس لئے کہ ما نهاكم کے مقابل ما امركم ہی ہوسکتا ہے اگر ما آتاكم کے معنی ما اعطاكم

[۱] متقدمین میں صرف حضرت حسن بصری رح سے یہ تفسیر منقول ہے۔

Marfat.com

ہوتے تو اس کے مقابل ما منعکم ہوتا اس لئے کہ لغت عرب میں عطا کا مقابل منع آتا ہے جیسا کہ مشہور و معروف ادعیہ ماثورہ میں وارد ہے لا معطی لما منعت و لا مانع لما اعطیت۔ اور نہی کے مقابل امر آتا ہے۔ جیسا کہ قدم قدم پر قرآن کریم میں آیا ہے مثلاً تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر الایۃ وغیرہ۔ نیز فانتھوا میں " انتھاء " کا لفظ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ فخذوہ میں "اخذ" سے مراد اختیار و امتثال امر ہے اسلئے کہ انتہاء۔ باز آنا۔ ہمیشہ اعمال و اخلاق محرمہ و منہیہ سے ہوتا ہے لہذا اس کے مقابل اخذ بھی اختیار اعمال و اخلاق مرضیہ کے معنی میں ہونا چاہیئے نہ کہ اخذ مال کے معنی ہیں۔

کبار ائمہ تفسیر نے تصریح کی ہے کہ "خصوص مورد" یعنی کسی خاص "شان نزول" یا مخصوص "سیاق و سباق" کی وجہ سے قرآن کریم کی عام آیت اور اس کا حکم اس "مورد" کے ساتھ مخصوص نہیں ہوجاتا بلکہ وہ آیت اور اس کا حکم اپنے عموم پر باقی رہتا ہے۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس آیت کا اولین مصداق وہ "مورد" (محل) ہوتا ہے[۱] اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جن بعض مفسرین نے ما اتاکم کے معنی ما اعطاکم کئے ہیں وہ دراصل اس مورد یعنی تقسیم اموال فیٔ " میں ' ما اتاکم کے جو معنی مراد ہیں ' یعنے عطاء مال وہ تبلانا چاہتے ہیں نہ کہ لفظ ما اتاکم کے عام معنی چنانچہ جمہور مفسرین[۲] ما اتاکم کے معنی ما امرکم کر رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس امر کا اولین مصداق "امر عطاء مال" ہے۔

یہ تمام کاوش صرف اس لئے ہے کہ ہم قرآن کریم سے ہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر و نواہی[۳] کا "مجموعہ" ہے اور ان تمام اوامر و نواہی

---

[۱] چنانچہ آیت کریمہ لمسجد اسس علی التقوی الآیہ کا شان نزول باتفاق مفسرین و محدثین مسجد قبا ہے مگر اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صحابیوں کے اختلاف کے موقعہ پر مسجد نبوی کو اس کا مصداق قرار دیا تفصیل کے لئے کتب تفسیر و حدیث کی مراجعت کیجئے [۲] متقدمین میں سعید بن جبیر، قتادہ، مجاہد وغیرہ کبار تابعین سے یہی تفسیر منقول ہے [۳] یہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالی خود ہی ما نھاکم کے مقابلہ پر ما امرکم فرما دیتے تو بات صاف ہوجاتی۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالی کے کلام کے اسرار و غوامض، ہم تو کیا بڑی سی بڑی معقول انسان کی رسائی بھی ان تک نہیں ہوسکتی و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا اس احکم الحاکمین کا فیصلہ ہے (باقی صفحہ ۵۵ پر)

Marfat.com

پر۔ ایمان لانا فرض ہے اور ان کا انکار کفر ہے اور ان کی مخالفت شدید ترین عذاب کا موجب ہے جیسا کہ آیت کریمہ کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔

ورنہ تو خود اُس ذات مقدس (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے جس کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس آیت کریمہ کا مصداق اپنے "تمام اوامر و نواہی" کو قرار دیا ہے

چنانچہ مشہور محدث و مفسر حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں ــــ اور ان کے علاوہ تمام مفسرین بھی ــــ سورۂ حشر کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کے ذیل میں عبداللہ ابن مسعودؓ کی واشمہ و مستوشمہ والی صحیحین کی حدیث ــــ جو عنقریب آپ کے سامنے آئے گی ــــ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وقد ثبت فی الصحیحین[1] ایضا عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا امرتکم بامر	صحیحین (بخاری و مسلم) میں بھی ابو ہریرہ کی روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو تم اپنے مقدور بھر اس پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴ سے آگے) تاہم اتنا تو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ الرسول (پیغام لانے والے) کے ساتھ ما اٰتاکم (جو تمہارے پاس لایا) ہی صحیح ہو سکتا ہے اس لئے کہ "پیغام رساں" کا کام پیغام لانا ہی ہوتا ہے "پیغام" تو پیغام بھیجنے والے "کا ہوتا ہے اسی طرح "اوامر و نواھی" تو سب اللہ تعالیٰ کے ہیں "آمر و ناھی" درحقیقت وہی ہے ان الحکم الا للہ (نہیں ہے حکم مگر اللہ کا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان اوامر و نواھی کے "لانے والے" ہی ہیں اسی لئے صحیح مسلم کی آنے والی روایت میں بما جئت بہ (جو دین میں لایا ہوں) وارد ہوا ہے۔

علاوہ ازیں ما اٰتاکم کے تحت وہ اموال غنیمت بھی داخل ہیں جن کا "دینے والا" تو اللہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے "پہونچانے والے" ہیں۔ اسی حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انما انا قاسم واللہ یعطی کے حقیقت افروز کلمات میں ظاہر فرمایا ہے۔ ما امرکم اگر ہوتا تو یہ اموال ما امرکم کے تحت داخل نہ ہوتے حالانکہ آیت کریمہ کا شان نزول اور اوّلین مصداق یہی اموال فئی ہیں اور اگر ما اعطاکم فرماتے تو رسول اللہ علیہ وسلم کے "لائے ہوئے" بقیہ تمام اوامر و نواھی شرعیہ ــــ جن پر ایمان لانا صحیح مسلم کی آنے والی روایت کی بنا پر فرض ہے ــــ اس کے تحت داخل نہ ہوتے۔ لہٰذا ما اٰتاکم کی جگہ نہ ما امرکم آسکتا ہے اور نہ ما اعطاکم کیونکہ رسول اللہ حقیقتاً نہ "آمر و ناھی" ہیں نہ "معطی و مانع" آپ تو صرف "لانے والے" اور "پہونچانے" والے ہیں اس لئے ما اٰتاکم الرسول فرمایا۔

[1] صحیح بخاری میں ابوہریرۃ کی یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے (باقی صفحہ ۵۶ پر)

Marfat.com

فاتوا منه ما استطعتم وما نهيتكم عنه فاجتنبوه (تفسیر ابن کثیر سورہ حشر ص)

عمل کرو اور جس چیز سے منع کروں اس سے احتراز کرو۔

طبرانی میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں

اذا امرتكم بشئ فأتوه واذا نهيتكم عن شئ فاجتنبوه ما استطعتم

جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس سے جہاں تک تم سے ہوسکے بچو

یہ تو صحیحین کا حال ہے امام نسائی سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس سے حسب ذیل روایت نقل کرتے ہیں۔

عن ابن عمر وابن عباس انهما شهدا على رسول الله صلى الله عليه وسلم انه نهى عن الدباء والحنتم والنقير والمزفت ثم تلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا وقوله تعالى واتقوا الله ان الله شديد العقاب

(سنن نسائی ج ۲ ص ۳۲۸)

حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں نے اسکی شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تونبوں، روغنی مٹکوں اور کھجور کے تنے سے بنائے ہوئے برتنوں اور تار کول ملے ہوئے برتنوں (کے استعمال) سے منع فرمایا (اس لئے کہ یہ شراب کشید کرنے کے مخصوص برتن ہیں) پھر (منع فرمانے کے بعد) یہ آیت تلاوت فرمائی ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا اور یہ آیت بھی پڑھی واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵ سے آگے)

عن ابی هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: دعونى ما تركتكم انما اهلك من كان قبلكم سؤالهم واختلافهم على انبيائهم فاذا نهيتكم عن شئ فاجتنبوه واذا امرتكم بامر فأتوا منه ما استطعتم

(بخاری کتاب الاعتصام بالسنۃ ص ۱۰۸۲ ج ۲)

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جبتک میں تمکو چھوڑے رکھوں (اور کوئی حکم نہ دوں) اسوقت تک تم بھی مجھے (میری حالت پر) چھوڑ دو۔ (اور بلا ضرورت کوئی سوال نہ کرو) تم سے پہلی قوموں کو ہلاک ہی صرف اس چیز نے کیا کہ وہ اپنے نبیوں سے بکثرت سوال کرتے اور پھر انکی مخالفت کرتے لہذا جب میں خود تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس سے بچو اور جب کسی امر کا حکم دوں تو اپنے مقدور بھر اس پر عمل کرو۔۱۲

Marfat.com

یہ دونوں حدیثیں صریح اور قطعی ثبوت ہیں اس امر کا کہ رسول اللہ صلی اللہ کے "تمام اوامر و نواہی" آیت زیر بحث کا مصداق ہیں اگرچہ قرآن کریم میں وہ مذکور نہ ہوں چنانچہ شراب کشید کرنے کے ان مخصوص برتنوں کے استعمال کی ممانعت قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔

"مصداق" کے ساتھ ہی "حکم" بھی معلوم ہو گیا کہ ان اوامر و نواہی پر عمل نہ کرنا عقاب شدید کا موجب ہے۔

اسی طرح صحیح مسلم کی حسب ذیل حدیث میں اس "مجموعہ احکام (اوامر و نواہی) کو بما جئت بہ" سے تعبیر کیا گیا ہے یعنے ان اوامر و نواہی کا نہ صرف اتباع ضروری ہے بلکہ ان کے برحق ہونے پر ایمان[1] لانا بھی ضروری ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ ویومنوا بی وبما جئت بہ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں تاآنکہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دیں اور مجھ پر اور اس (شریعت) پر ایمان لے آئیں جس کو میں لایا ہوں۔ جب انہوں نے اس پر عمل کر لیا تو اپنے جان و مال کو مجھ سے بچا لیا (یعنے وہ مسلمان اور ان کے جان و مال محفوظ ہو گئے) بجز اسلام کے حق کے (یعنے بجز اس کے کہ

---

[1] اور جو لوگ اُن پر ایمان نہ لائیں وہ واجب القتل ہیں ان کی جان و مال مباح ہے اگر لڑنے کے لئے آمادہ ہوں تو ان سے جنگ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے چنانچہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام کا سب سے پہلا "اجماع" اسی آیت و حدیث کے تحت مانعین زکوٰۃ (زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرنیوالوں) سے جنگ کرنے پر منعقد ہوا ہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں نے سب سے پہلی جنگ انہی اھل الردۃ (مرتدین) اور مانعین زکوٰۃ سے کی ہے اور اس فتنہ — انکار ماجاء بہ النبی — کی بیخ کنی کر کے اسلام کو داخلی اعتبار سے محفوظ و مستحکم بنایا ہے تاکہ آئندہ کسی بھی ملحد کو ماجاء بہ الرسول سے انکار کرنے کی جرأت نہ ہو سکے یہ وہ تاریخی واقعات و حقائق ہیں جو نہ صرف کتب حدیث میں بلکہ تمام قدیم ترین تاریخ و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن کو آج کل کے منکرین حدیث بھی حجت مانتے ہیں۔ ۱۲

Marfat.com

علی اللہ (صحیح مسلم ص ۳۷ ج ۱)	وہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب کریں جس کی سزا اسلام نے ہی قتل تجویز کی ہو مثلاً مرتد ہو جائیں، یا قتل عمد کا ارتکاب کریں یا شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کریں) اور ان (کے دلوں) کا حساب (کہ وہ دل سے مسلمان ہوئے ہیں یا نہیں) اللہ کے سپرد ہے (وہی دلوں کا حال جانتا ہے)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ــــ جن کی شان میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے ــــ اسی مجموعہ احکام یعنی دین و شریعت کو ما جئت بہ کے لفظ سے تعبیر فرما کر خود ما اتاکم الرسول کی تفسیر ماجاءکم الرسول سے فرما دی تاکہ آیت کریمہ میں ما اتاکم الرسول کے معنی ماامرکم الرسول متعین ہو جائیں۔

اسی طرح شرح السنۃ کی مذکورہ ذیل روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ماجاء بہ الرسول کا اتباع کئے بغیر ایمان معتبر نہیں ہوتا۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ ، رواہ فی شرح السنۃ وقال النووی فی اربعینہ ھذا حدیث صحیح رویناہ فی کتاب الحجۃ باسناد صحیح (مشکوٰۃ ص ۳۰ ج ۱)	حضرت عبد اللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک کہ اس کی اپنی "خواہش" اُس (دین اور شریعت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ــــ جنہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم پڑھا اور مشکوٰۃ نبوت سے علوم قرآن کو حاصل کیا ہے ــــ ان تمام مامورات و منہیات کو جو مصدر تشریع دوم یعنی سنت و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہیں خواہ قولی ہوں خواہ فعلی سب کو ما اتاکم الرسول اور ما نھاکم الرسول کا مصداق سمجھا ہے اور موقعہ بموقعہ حسب ضرورت مذکورۃ الصدر آیت کریمہ کو بطور استدلال و

استشہاد پیش کیا ہے۔

خصوصاً حدیث ذیل جسکے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جن کا نام نامی ان چار صحابۂ کرام میں سرفہرست ہے جن سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا حکم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ذیل حدیث میں دیا ہے اور انہوں نے اپنی تمام عمر صرف کتاب و سنت کی تعلیم میں ہی صرف کی ہے۔

خذوا القرآن من اربعة من ابن ام عبد (ابن مسعود) وابی بن کعب ومعاذ بن جبل وسالم مولی حذیفة (اخرجه البخاری وغیره عن عبد الله بن عمرو)

چار آدمیوں سے قرآن (کا علم) حاصل کرو (۱) ابن ام عبد یعنے ابن مسعود رضؓ (۲) ابی بن کعب رضؓ (۳) معاذ بن جبل رضؓ (۴) سالم مولی حذیفہ رضؓ

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) اپنی کتاب جامع بیان العلم میں ص ۱۸۸ ج ۱ پر انہی عبداللہ بن مسعود کی روایت نقل کرتے ہیں (اس کے علاوہ بخاری، مسلم وغیرہ تمام کتب صحاح میں بھی کسی قدر لفظی فرق اور کمی بیشی کے ساتھ یہ روایت موجود ہے)

روی الحافظ ابن عبد البر بسنده المتصل عن علقمة قال قال ابن مسعود: لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق الله قال فبلغ ذلك امرأة من بنی اسد یقال لها ام یعقوب فقالت: یا ابا عبد الرحمن بلغنی انك تلعن کیت وکیت؟ فقال: ومالی ان لا العن من لعنه

حافظ ابن عبدالبر بسند متصل علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو (مصنوعی) حسن (و آرائش) کی غرض سے بدن کی کھال گودتی اور گدواتی ہیں (اور رنگ برنگے پھول پتیاں بناتی اور بنواتی ہیں) اور جو ابروؤں کی زینت کے لئے بال نوچتی اور اکھاڑتی ہیں اور جو دانتوں (کو گھس کر ان) میں درازیں (ریخیں) کھولتی ہیں اور اس طرح اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں (یعنے پیدائشی حسن کو بناوٹی آرائش سے مسخ کرتی ہیں)۔ علقمہ کہتے ہیں کہ: بنی اسد کی ایک عورت — جس کا نام،

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و من ھو فی کتاب اللہ؟ قالت: انی لاقرأ ما بین اللوحین فما اجدہ، قال: ان کنت قارئۃ لقد وجدتیہ اما قرأت وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا قالت: بلی، قال: فانہ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث

آم یعقوب تھا — کو جب یہ خبر پہونچی تو (وہ ابن مسعود کے پاس آئی اور) اس نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن، میں نے سُنا ہے تم نے فلاں فلاں عورتوں کو ملعون کہا ہے" ابن مسعود نے کہا: میں اس عورت پر کیسے لعنت نہ بھیجوں جس پر خدا کے رسول نے لعنت بھیجی ہے اور جس پر لعنت کتاب اللہ میں موجود ہے تو اس عورت نے کہا: میں نے تو الحمد سے والناس تک پورا قرآن پڑھا ہے مجھے تو قرآن میں اس کا ذکر نہیں ملا"، تو ابن مسعود نے کہا: اگر تو نے قرآن پڑھا (اور سمجھا) ہوتا تو تجھے ضرور مل جاتا کیا تو نے آیت کریمہ ما اتاکم الرسول نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: کیوں نہیں پڑھی تو ابن مسعود نے کہا: بیشک رسول اللہ نے اس (بناوٹی آرائش) سے منع فرمایا ہے (اور ایسی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے)

اسی طرح حافظ ابن عبدالبر جلیل القدر تابعی عبدالرحمٰن بن یزید سے بسند متصل ایک ایسا ہی واقعہ نقل کرتے ہیں:-

عن عبد الرحمٰن بن یزید انہ رأی محرما علیہ ثیاب فنھی المحرم فقال آتنی بآیۃ من کتاب اللہ تنزع عنی ثیابی فقال ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا

عبدالرحمٰن بن یزید سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مُحرم کو (حالت احرام میں) کپڑے پہنے دیکھا تو اس کو منع کیا اس نے کہا: تم قرآن کی کوئی ایسی آیت پیش کرو جو میرے کپڑے اتروا دے (یعنے اس میں حالت احرام میں کپڑے نہ پہننے کا حکم ہو) تو عبدالرحمٰن نے آیت کریمہ وما اتاکم الرسول الآیۃ پڑھی (وہ لاجواب ہوگیا)

Marfat.com

دیکھئے ہر دو امر منہی عنہٗ قرآن کریم میں مطلق مذکور نہیں ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور پر ہر دو امر سے منع فرمایا ہے مگر ہر دو بزرگوں نے انکو منہیات قرآن میں داخل قرار دیا ہے اور اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ تو و من ھو فی کتاب اللہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ما فی السنۃ، ما فی کتاب اللہ ہے (جو حدیث میں ہے وہ کتاب اللہ میں ہے)

لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ تمام مامورات و منہیات جو سنت یعنے حدیث میں وارد ہیں وہ سب ما اٰتاکم الرسول اور ما نہاکم الرسول کے تحت داخل ہیں اور ان کا اتباع واجب اور اطاعت فرض ہے خواہ وہ قولی ہوں خواہ فعلی خواہ تقریری۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تصریحات کے بموجب " معصوم القول " بھی ہیں اور معصوم الفعل ،، بھی اور " معصوم الرای " بھی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

معصوم القول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم القول ہیں یعنے آپ اپنی خواہش سے (اپنی طرف سے) کوئی بات نہیں کہتے اس لئے کہ بشہادت قرآنِ عظیم، آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے تمام اقوال اور اوامر و نواہی — یعنے سنت رسول — کا ماخذ و منبع، اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے خواہ وہ وحی متلو اور جلی ہو خواہ وحی غیر متلو اور خفی ہو[۱] چنانچہ اللہ تعالیٰ شانہٗ سورۂ والنجم میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

(۱) وما ینطق عن الھوٰی، ان ھو الا وحی یوحیٰ علمہ شدید القویٰ ذو مرۃ (والنجم ع ۱)

وہ (اللہ کے رسول) اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ (جو کچھ بولتے اور کہتے ہیں) وہ تو محض وحی (الٰہی) ہوتی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے ان کو تبلاتا ہے (وحی لاتا ہے) ایک بڑی قوتوں والا خوش منظر فرشتہ (جبریل)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی کفار کے جواب میں اعلان کرا دیا کہ میں تو صرف وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں نہ اپنی طرف سے کچھ کہتا ہوں نہ کرتا ہوں۔ ارشاد ہے:

---

[۱] انواع وحی اور ان کی حجیت کی مفصل بحث عنقریب آتی ہے ۱۲

(۲) وقال الذین لا یرجون لقائنا، ائت بقرآن غیر ھذا او بدلہ، قال ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی، ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ، انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم
(یونس ع ۲)

اور ان لوگوں نے (کافروں نے نبی سے) کہا جن کو ہم سے ملنے (اور قیامت کے دن ہمارے سامنے پیش ہونے) کا ڈر نہیں ہے: کوئی اور قرآن اس کے علاوہ لاؤ (جس میں ہمارے بتوں کی برائیاں نہ ہوں) یا تم اسی کو بدل ڈالو، (اے نبی) تم کہدو: میرے لئے ممکن نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل دوں، میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو وحی میرے پاس بھیجی جاتی ہے، میں تو ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں۔ ایک بہت بڑے دن (قیامت کے دن) کے عذاب سے۔

اگرچہ کفار کا سوال دوسرا قرآن لانے یا اسی میں تغیر و تبدل سے متعلق ہے مگر آپ کا جواب جس طرح قرآن میں تغیر و تبدل نہ کرنے سے متعلق ہے اسی طرح اور احکام الٰہیہ میں بھی اپنی طرف سے تغیر و تبدل نہ کرنے سے متعلق ہے اسی لئے ان اتبع الا ما یوحی الیّ الآیۃ کا اضافہ فرمایا ہے ورنہ کفار کا جواب تو ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی پر پورا ہو گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ جیسے آپ اپنی طرف سے کوئی تصرف یا تغیر و تبدل قرآن میں نہیں کر سکتے اسی طرح اور احکام الٰہیہ میں بھی آپ اپنی طرف سے نہ کچھ کہہ سکتے ہیں نہ کر سکتے ہیں آپ تو جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں وہ صرف وحی الٰہی کے مطابق کہتے یا کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ اتباع اور عصیان قول اور فعل دونوں کے لئے عام ہے۔

اس جواب اور نبی کے قول و فعل کے پابند وحی ہونے کی، بالفاظ دیگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معصوم القول اور معصوم الفعل ہونے کی شہادت اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت کریمہ کے اندر دیدی وکفی باللہ شھیدا:

لو تقوّل علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین (الحاقۃ ع ۲)

اگر (بالفرض) وہ (نبی) کسی بھی بات کا ہم پر بہتان باندھتا تو ہم پوری قوت کے ساتھ اس کو پکڑ لیتے اور پھر اس کی رگ گردن (شہ رگ) کو کاٹ ڈالتے۔

تو عربی میں فرض محال کے لئے آتا ہے یعنے اوّل تو اس کا امکان ہی نہیں کہ نبی ہوا ور اللہ کی طرف کوئی جھوٹی یا خلاف واقع بات — قولاً یا فعلاً — منسوب کرے اور اگر بفرض محال وہ ایسا کر بھی بیٹھتا تو قہر وغضب الٰہی اس کو ہرگز نہ بخشتا اور فوراً ہلاک کر ڈالتا۔ اس آیت میں بھی بعض الاقاویل عام ہے یعنے کلام اللہ میں ہو یا اس کے علاوہ اور احکام الٰہیہ میں، نبی کی زبان سے، یا اپنی خواہش سے، کوئی لفظ نکل ہی نہیں سکتا۔

غرض ان آیات کریمہ سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک عمداً تو کیا سہواً بھی کذب وافترا یا اتباع ہواء نفس سے کبھی ملوث نہیں ہوئی آپ قطعاً محفوظ اللسان تھے کسی حالت میں آپ ہوں کوئی ناحق یا خلاف واقعہ بات یا اپنی طرف سے کوئی کلمہ زبان مبارک سے نکل ہی نہیں سکتا تھا۔

ان آیات قرآن کے علاوہ احادیث ذیل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) بڑے سے بڑا ضابط اور متحمل المزاج (بردبار) انسان بھی غیظ وغضب یا غم واندوہ کی شدت میں یا جوش مسرت ونشاط میں اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ پاتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ غم وغصہ کی حالت میں ہوتے خواہ مسرت ونشاط کی حالت میں آپ کی زبان مبارک سے کوئی خلاف واقعہ یا ناحق کلمہ ہرگز نہیں نکل سکتا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص "کاتب احادیث رسول اللہ" کی مذکورہ ذیل مرفوع روایت اس کی تائید کرتی ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال كنت اكتب كل شئ اسمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم اريد حفظه فنهتني قريش وقالوا اتكتب كل شئ تسمعه ورسول الله صلى الله عليه وسلم بشر يتكلم فى الغضب والرضا، فامسكت عن الكتابة فذكرت ذلك الى رسول الله

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو بھی بات سنتا اسے لکھ لیا کرتا تھا تاکہ یاد کر لوں۔ قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بندہ بشر ہیں غیظ وغضب کی حالت میں بھی بات کرتے ہیں اور رضا وخوشنودی کی حالت میں بھی (اور انسان ان دونوں حالتوں میں اپنی زبان کو

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم فاومأ باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا الحق (اخرجہ ابوداؤد والترمذی وغیرھما فی باب کتابت العلم ص ۵۱۳ ج ۲)	قابو میں نہیں رکھ پاتا اور جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتا ہی لہذا میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس... (منہ) سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی (کوئی بھی حالت ہو)

(۲) حتیٰ کہ خوش طبعی اور مزاح کے موقعہ پر بھی آپ کی زبان مبارک سے کوئی کلمہ حقیقت اور واقعہ کے خلاف نہیں نکلتا تھا حالانکہ عموماً خوش طبعی اور مزاح ہوتا ہی خلاف واقعہ ہے ورنہ وہ مزاح نہیں ہو سکتا مگر یہ معصوم اللسان نبی کا مزاح تھا جو حقیقت اور واقعہ سے سرِ مو تجاوز نہ کرنے کے باوجود اعلیٰ درجہ کا مزاح تھا چنانچہ محدثین باب مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذیل میں حضرت ابوہریرۃ رض کی مذکورہ ذیل حدیث روایت کرتے ہیں جو اسی استعجاب پر مبنی ہے

عن ابی ھریرۃ قال قالوا: یارسول اللہ انک لتداعبنا؟ قال انی لا اقول الا حقا (ترمذی ص ۲۰ ج ۲)	حضرت ابوہریرۃ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ نے (ازراہ تعجب) عرض کیا: یارسول اللہ آپ بھی ہم سے دل لگی کرتے ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں (دل لگی میں بھی) وہی بات کہتا ہوں جو حق ہوتی ہے۔

اس امر کی تصدیق اُن احادیث سے ہوتی ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی خوش طبعی اور مزاح کے واقعات مذکور ہیں کتب حدیث کی مراجعت کیجئے اور محفوظ اللسان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاکیزہ اور بالکل سچے مزاح پر عش عش کیجئے۔

یہ تمام تر حفاظت و صیانت اس لئے ہے کہ رسول اللہ کی زبان مبارک، ترجمان وحی و الہام اور مصدر تشریع احکام الٰہیہ ہے آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر حکم، حکم شرعی ہے اور ہر امر، امر الٰہی ہے چنانچہ مذکورہ ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی اس ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا جامع ترمذی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ:

لما نزلت و لله حج البیت من استطاع الیہ سبیلا قالوا: یارسول اللہ افی کل عام؟ فسکت فقالوا یارسول اللہ افی کل عام قال: لا، ولو قلت نعم لوجبت، فانزل اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا لا تسألوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم۔ (جامع ترمذی ص ۱۴۰ ج ۱)	جب آیت کریمہ و للہ علی الناس حج البیت الآیہ نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا ہر سال (حج کرنا فرض ہے)؟ حضور خاموش رہے (اور کوئی جواب نہ دیا) لوگوں نے پھر عرض کیا: کیا ہر سال یا رسول اللہ تو آپ نے فرمایا "نہیں"، اور اگر میں کہہ دیتا "ہاں" تو (ہر سال حج) واجب ہوتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ یا ایہا الذین امنوا لا تسئلوا الآیۃ نازل فرمائی (اور بلا ضرورت سوال کرنے سے منع فرمادیا۔)

اسی مضمون کی حضرت ابوہریرۃ کی مرفوع روایت دعونی ما ترکتکم الحدیث آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں۔

(۴) بہر حال یہ تو لوگوں کے شرعی امور و احکامات سے متعلق سوالات اور اُن کے جوابات میں آپ کی احتیاط کوشی تھی جو اس حقیقت پر مبنی ہے کہ احکام سے متعلق رسول کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات ایک حکم شرعی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خود آپ تشریع احکام — بیان احکام شرعیہ — میں اصول و مصالح تشریع کا کس قدر خیال رکھتے اور اس کا اہتمام فرماتے تھے اس کا اندازہ آپ حضرت زیدؓ بن خالد جہنی رضؓ کی مذکورہ ذیل مرفوع روایت سے کیجئے۔

عن زید بن خالد الجہنی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لولا ان اشق علی امتی لامرتہم بالسواک عند کل صلوٰۃ ولاخرت العشاء الی ثلث اللیل (جامع ترمذی ص ۵)	حضرت زیدؓ بن خالد جہنی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرمارہے تھے: اگر میری اُمت کے لئے مشقت میں ڈالنے کا موجب نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کا اور عشاء کی نماز کو ثلث لیل (تہائی رات) تک موخر کرنے (دیر سے پڑھنے) کا حکم دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکوتی فطرت اور طبعی نظافت چاہتی تھی کہ آپ اُمت کو بھی ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا — جو حسب ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام مطہرۃ للفم

Marfat.com

ومرضات للرب ہے — اور تہائی رات تک نماز عشاء کو موخر کرنے کا — جو قیام اللیل ہی کی ایک صورت ہے — حکم فرمادیں اور یقین ہے کہ اتباع سنت کے دلدادہ و شیدائی صحابۂ کرام بخندہ پیشانی اس پر لبیک کہتے اور عمل کرتے مگر آپ جلتے تھے کہ آنے والی نسلیں سنت کے اس والہانہ اتباع کے جذبہ سے محروم ہوں گی اس لئے یہ ہر دو حکم ان کے لئے دشواری اور مشقت کا موجب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اعلان فرما رہے ہیں لیس فی الدین من حرج (دین میں مطلق تنگی اور دشواری نہیں ہے) اسی لئے یُسر (آسانی اور سہولت) تشریع احکام کا "اساسی اصول" ہے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امرین الا اختار ایسرھما	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو امروں میں سے کسی ایک کے (قبول کرنے) کا اختیار دیا گیا آپ نے ہمیشہ ان میں سے جو آسان ہوا اس کو اختیار کیا۔

اس لئے آپ نے اپنی طبعی خواہش کے تقاضہ کے باوجود یہ دونوں حکم نہیں دیئے دیکھئے کس قدر احتیاط و اہتمام ہے زبان مبارک سے کسی بات کے کہنے میں اور کس قدر شفقت و رحمت ہے امت پر۔ اللہ اللہ

یہ حدیث ماینطق عن الھویٰ (آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے) کا کتنا روشن ثبوت ہے۔

(۳) اسی احساس ذمہ داری اور اندیشہ مسئولیت کی ایک مثال ذیل کا واقعہ ہے امام سیوطی مفتاح الجنۃ میں امام ابوبکر بیہقی کے حوالہ سے بسند متصل لکھتے ہیں۔

واخرج البیھقی بسندہ من طریق القاسم بن مخیمرۃ عن طلحۃ بن فضیلۃ قال قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام سنۃ: سعّر لنا یارسول اللہ قال: لایسئلنی اللہ عن سُنّۃ احدثتھا فیکم	امام بیہقی قاسم بن مخیمرہ کی سند سے طلحۃ بن فضیلۃ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے زمانہ میں صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ آپ نرخ مقرر فرما دیجئے (قیمتوں پر کنٹرول نافذ کر دیجئے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کسی ایسی سنت (حکم شرعی) پر

لم یامرنی بھا ولکن اسألوا اللہ من فضلہ

بلا پرس نہ کریں جو میں جاری کر دوں اور اللہ نے مجھے اس کا حکم نہ دیا ہو تم (اس کنٹرول کے بجائے) اللہ تعالیٰ سے فضل کی دعا کرو (اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائیگے اور اس گرانی کو ختم کر دینگے)

دیکھئے! قیمتوں پر کنٹرول بظاہر محض ایک انتظامی امور سے متعلق چیز ہے مدینہ کے حکمراں کی حیثیت سے اس کے نافذ کر دینے میں آپ کو کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس لئے اس سے انکار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نہیں تھا۔ یہ حدیث آیت کریمہ کے دوسرے جزو ان ھو الا وحی یوحیٰ کا قطعی اور روشن ثبوت ہے اور معلوم ہو گیا کہ نہ صرف یہ کہ آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ وحی الٰہی کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے

ان احادیث سے قرآن کریم کی آیت کریمہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کی پوری تشریح و تفسیر سامنے آ گئی اور قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی حکم جاری نہیں فرماتے تھے اور احکام شرعیہ سے متعلق کوئی بات اپنی خواہش نفس سے یا اپنی ذاتی صوابدید سے نہیں کہتے تھے۔

بہر حال آپ جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں وہ صرف وحی الٰہی (جلی یا خفی) پر مبنی ہوتا تھا اسی لئے قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات و احادیث کی روشنی میں آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر حکم (امر ہو یا نہی) حجت شرعیہ اور حکم شرعی تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ تشریعی زندگی میں صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ کے حکم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کی بنا پر، عقائد، عبادات، عقود و معاملات، جنایات، و دیات، حدود و قصاص اور سیر و مغازی، صلح و جنگ نیز اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ — غرض پوری انسانی زندگی — سے متعلق موقعہ بموقعہ اور وقتاً فوقتاً گوناگوں سوالات[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہیں اور احکام دریافت کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تشریعی ذمہ داری

---

[۱] ان سوالات اور ان کے جوابات کا بیان آیت کریمہ لتبین للناس ما نزل الیھم کے ذیل میں آیت نمبر ۵ کے تحت آتا ہے۔

Marfat.com

اور اصول و مصالح تشریع کو مدنظر رکھ کر ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں اور احکام شرعیہ بیان فرمائے ہیں حدیث و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شغف اور انفاس قدسیہ کی مزاولت رکھنے والے محدثین اور ارباب سیر نے آپ کے ان تمام تر اقوال و احکام رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پوری جرح و تنقید کے بعد کتب حدیث و سیر و مغازی میں محفوظ و مدون کیا ہے اور ان کو ماخذ احکام شرعیہ قرار دیا ہے۔

معصوم الفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول کی طرح آپ کا ہر فعل اور عمل بھی وحی الٰہی — جلی یا خفی — کے ماتحت سرزد ہوتا تھا آپ اپنی خواہش یا طبعی تقاضہ سے کوئی کام نہیں کرتے تھے مذکورہ سابق آیات میں آیت نمبر (۲) کا حصہ ان اتبع الا ما یوحیٰ الی اور انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم اس کی قطعی دلیل ہے اس لئے کہ اتباع کا اوّلین مصداق افعال و اعمال میں پیروی ہے۔ اسی طرح عصیاں کا اوّلین مصداق بھی اعمال و افعال میں نافرمانی ہوتا ہے

چنانچہ سورۃ احقاف میں آپ کی زبان سے اعلان کرایا ہے:

قل ما کنت بدعا من الرسول	کہہ دیجئے میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں، (مجھ سے پہلے بھی
وما ادری ما یفعل بی ولا بکم	رسول آئے ہیں) مجھے معلوم نہیں میرے ساتھ کیا ہونا ہے
ان اتبع الا ما یوحیٰ الی وما	اور تمہارے ساتھ کیا، میں تو صرف اُسی کی پیروی کرتا ہوں
انا الا نذیر مبین	جو میرے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف کھلا
(احقاف ع ۱)	ہوا خبردار کردینے والا ہوں۔

یہ تو آپ کا بیان ہے باقی سورہ والنجم کی مذکورۂ سابق آیت کریمہ وما ینطق عن الھویٰ الآیۃ کے ذریعہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہر قول کے وحی الٰہی کے ذریعہ سرزد ہونے کی شہادت دینے سے پہلے ہر قسم کی گمراہی و کجراہی کی آپ کی ذات سے نفی فرمادی ہے۔ ارشاد ہے:

والنجم اذا ھویٰ ما ضل	قسم ہے نجم (ثریا) کی جبکہ وہ غروب ہو جائے، تمہارا نبی
صاحبکم وما غویٰ (النجم ع ۱)	نہ (کبھی) بہکا اور نہ بے راہ چلا۔

اور سورۂ سٰحٰم زخرف میں آپ کو اپنے قول و فعل میں وحی الٰہی پر کاربند اور متمسک رہنے کے حکم کے ساتھ

Marfat.com

ہی آپ کے صراط مستقیم پر قائم ہونے کی شہادت بھی دی ہے ارشاد ہے :

فاستمسك بالذی اوحی الیك انك علی صراط مستقیم (زخرف ع ۴)	پس تم مضبوطی سے قائم رہو اس پر جو تمہارے پاس وحی بھیجی گئی ہے بیشک تم سیدھی راہ (صراط مستقیم) پر قائم ہو۔

اور کیسے ممکن تھا کہ آپ وحی الٰہی جلی یا خفی کے بغیر کوئی قدم اُٹھائیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے :

فلذالك فادع واستقم کما امرت ولا تتبع اھواءھم وقل آمنت بما انزل اللہ من کتاب وامرت لاعدل بینکم الآیۃ (الشوریٰ ع ۲)	اسی (دین الٰہی) کی تم دعوت دو، اور جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے سیدھی راہ پر قائم رہو اور ان (لوگوں) کی خواہشات پر مت چلو اور کہہ دو: میں تو جو اللہ نے کتاب اُتاری ہے اس پر ایمان لے آیا اور مجھکو تو حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل (ومساوات قائم) کروں۔

اور سورۂ ھود میں تو آپ کے ساتھ آپ کی اُمت کو بھی اس ذمہ داری میں شریک فرمایا ہے۔ گویا اشارہ ہے کہ نہ صرف تم خود صراط مستقیم پر قائم رہو بلکہ اپنی اُمت کو بھی صراط مستقیم پر قائم رکھو ارشاد ہے :

فاستقم کما امرت ومن تاب معك ولا تطغوا انه بما تعملون بصیر (ھود ع ۱۰)	پس تم اور جنہوں نے تمہارے ساتھ (کفر و شرک سے) توبہ کی ہے سیدھی راہ پر چلتے رہو اور سرکشی نہ کرو، بیشک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس ذمہ داری کی شدت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: شیبتنی سورۃ ھود — مجھے تو سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا۔

ان تمام احکام اور شہادتوں کا قطعی تقاضہ اور ان کا سچا ہونا اس پر موقوف ہے کہ آپ اقوال وانفاس طیبہ کی طرح اعمال وافعال میں بھی وحی الٰہی — جلی یا خفی — کے پابند ہوں۔ اور تب ہی اللہ تعالیٰ کا آپ کو مفروض الطاعت (جس کی اطاعت فرض ہو) اور "آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت" قرار دینا صحیح ہو سکتا ہے (جس کی تفصیل آپ کے اتباع اور اطاعت سے متعلق آیات

کے ذیل میں آیت نمبر (۷) کے تحت آتی ہے)

چنانچہ عمداً کسی نافرمانی یا گمراہی و کجراہی کا صدور تو آپ سے ہو ہی نہیں سکتا تھا بتقاضاء بشریت کسی فعل کے سہو زد ہو جانے کا سدباب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپکی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہر قول کو ہوائے نفس سے محفوظ رکھا ہے اسی طرح آپ کے اعمال و افعال کی بھی مکمل حفاظت اور نگرانی فرمائی ہے چنانچہ سورۂ طور میں ارشاد ہے:

واصبر لحکم ربك فانك باعیننا (الطور ع ۲)

اپنے رب کے حکم (پر عمل کرنے) کے لئے ثابت قدم رہو بیشک تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔

اسی طرح سورہ الشعراء میں ارشاد ہے:

وتوکل علی العزیز الرحیم الذی یراك حین تقوم و تقلبك فی الساجدین (الشعراء ع ۱۱)

اور غالب و قاہر اور مہربان خدا پر بھروسہ کرو جو تم کو دیکھتا ہے جبکہ تم (نماز میں) کھڑے ہوتے ہو اور (جبکہ تم سجدہ کرنے والوں کے ساتھ (رکوع و سجدہ میں) نقل و حرکت کرتے ہو۔

اور مذکورہ ذیل آیت کریمہ میں تو اللہ تعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی حفاظت و عصمت میں لے لینے کا صاف اور صریح لفظوں میں اعلان فرماتے ہیں:

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمك من الناس (مائدہ ع ۱۴)

اے رسول! تمہارے رب کی جانب سے جو (دین) تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی (علانیہ اور کماحقہ) تبلیغ کرو اور اگر (بالفرض) تم نے (ایسا) نہ کیا تو (گویا) تم نے اپنے رب کے پیغام کو نہیں پہونچایا اور (اطمینان رکھو) اللہ تم کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

یاد رکھئے اس آیت کریمہ اور سابقہ آیات میں اس عصمت و حفاظت کا مصداق جیسے دشمنوں سے آپ کی جان کی حفاظت ہے اسی طرح دھوکے فریب کے ذریعہ آپ کو "اللہ کے راستہ سے" ہٹا دینے کی حفاظت بھی اس عصمت کا مصداق ہے۔ مذکورہ ذیل آیت کریمہ اس کی دلیل ہے۔

Marfat.com

ولولا فضل اللہ علیک ورحمتہ	اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو ان (یہودیوں)
لھمت طائفۃ منھم ان یضلوک	کے ایک گروہ نے تو تم کو بہکانے کا (پختہ) ارادہ کر ہی لیا تھا
وما یضلون الا انفسھم وما	حالانکہ (اس طرح) وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دیتے ہیں۔ اور
یضرونک من شیئ	تمہارا تو وہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے (اللہ تمہارا حافظ و
(النساء ع ۱۷)	ناصر ہے اس نے فوراً تمہیں بتلا دیا)

باقی اپنی "ہوائے نفس سے" کوئی کام کو کرنے کا تو آپ کے متعلق کوئی گمان ہو ہی نہیں سکتا تاہم ممکن تھا کہ بتقاضاء بشریت کسی وقت ہوائے نفس کی طرف کچھ میلان ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب[۱] فرما کر ھوائے نفس کے اتباع کی شناعت اور مضرت کو آیت کریمہ ذیل میں بیان فرما دیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس "ہوائے نفس" کے فریب سے ہوشیار رہیں اور اُمت بھی سبق حاصل کرے کہ اتباع ھوائے نفس کس قدر تباہ کن ہے ارشاد ہے:

ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن	(اے داؤد) تم خواہش نفس کی پیروی مت کرو کہ (یہ
سبیل اللہ ان الذین یضلون	پیروی) تم کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ بیشک جو لوگ
عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید (ص ع ۲)	اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے

تاہم اگر کسی وقت کوئی خلاف اولیٰ یا خلاف مصلحت شرعیہ امر آپ سے سرزد ہونے کے قریب ہوا ہے تو فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بچایا ہے اور اگر کسی وقتی ضرورت اور دینی مصلحت کی بنا پر کوئی تشریعی حیثیت سے نامناسب امر سرزد ہو گیا ہے تو فوراً آپ کو اس پر متنبہ فرمایا ہے چنانچہ سورۂ اسراء میں ارشاد ہے:

---

[۱] یاد رہے کہ ہم نے قرآن کریم کا کافی تتبع کیا مگر ہمیں کوئی آیت ایسی نہیں ملی جس میں اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوائے نفس کی پیروی سے منع کیا گیا ہو اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی سے تو متعدد آیات میں منع کیا گیا ہے مگر خود آپ کو اپنے نفس کی پیروی سے کہیں نہیں منع کیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہوائے نفس سے معصوم ہونا طے شدہ اور مُسلم امر ہے اس کا تو آپ کے متعلق کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ عصمت آپکی عظمت اور رفعت مقام کی روشن دلیل ہے۔

Marfat.com

ولولا ان ثبتناك لقد كدت تركن — اگر ہم نے تم کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو قریب تھا کہ تم ان
الیهم شیئا قلیلا (سورة بنی اسرائیل ع ۸) — کی جانب کسی قدر مائل ہو جاؤ۔

آیت کریمہ کے الفاظ پر غور فرمائیے اگر بالفرض "تثبیت خداوندی" نہ ہوتی تب بھی معصیت کا صدور تو کیا خفیف سے خفیف میلان بھی نہ ہوتا صرف امکان میلان تھا مگر تثبیت الٰہی کے بعد وہ امکان بھی نہ رہا۔ آیت کریمہ نص قطعی ہے آپ کے معصوم ہونے پر۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کی فطرت بعثت کے بعد تو خدا کی نافرمانی اور ارتکاب گناہ کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس و مطہر فطرت — جسے شق صدر کے ذریعہ بچپن میں ہی تمام بشری آلودگیوں اور اثم و معصیت کے رجحانات سے پاک اور ایمان و معرفت کے انوار سے مملو کر دیا گیا تھا — تو عہد طفلی میں بھی ارتکاب معصیت کی متحمل نہ ہو سکی چنانچہ ارباب سیر و تاریخ بھی لکھتے ہیں اور صحیح بخاری میں بھی روایت موجود ہے کہ قریش جب کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مقدس تعمیر میں اپنے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح بناء کعبہ میں شریک تھے اور بھاری بھاری پتھر کاندھے پر اٹھا کر تعمیر کرنے والوں کو دے رہے تھے۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضؓ نے ازراہ شفقت فرمایا: میاں صاحبزادے اپنا تہبند کھول کر کاندھے پر رکھ لو ورنہ کاندھا زخمی ہو جائے گا" آپ کہنے میں آ گئے مگر جیسے ہی تہبند کھولا آپ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ سبحان اللہ، نبی معصوم، کیا شان ہے آپ کی۔

اور بقول امام راغب اصفہانی: انبیاء علیہم السلام کے فطری ملکات، طہارت و نزاہت نفس اور مکارم اخلاق و اعمال یہ وہ اسباب و ذرائع ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی حفاظت فرمائی ہے۔

قال الراغبؒ: عصمة الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام حفظهم بما خصّوا به من صفاء الجوهر[1] ثم بما اولاهم من الاخلاق والفضائل ثم بالنصرة[3] وتثبيت اقدامهم

امام راغب رحؒ نے فرمایا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت (کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ) ان کے (پیغمبرانہ) مخصوص[1] جوہر فطرت کے ذریعہ ان کی حفاظت کرتا ہے پھر جو[2] اخلاق و فضائل ان کو عطا فرماتے ہیں ان کے ذریعہ، پھر[3] جو ان کی نصرت و حمایت کرتا اور ثابت قدمی عطا فرماتا ہے

ثم بانزال السکینۃ علیھم و بحفظ قلوبھم و بالتوفیق (اس کے ذریعہ) پھر جو سکون وطمانیت ان پر نازل فرماتا اور ان کے دلوں کی حفاظت کرتا اور توفیق عطا فرماتا ہے (اس کے ذریعہ)

تاہم اگر کسی وقت آپ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوگیا ہے جو اگرچہ دینی مصلحت و وقت یا وقتی دینی ضرورت کے اعتبار سے تو صحیح تھا لیکن "مستقل حکم شرعی" ہونے کے لحاظ سے مناسب نہ تھا تو فوراً آپ کو اس پر متنبہ فرمایا ہے تاکہ آپ بھی اس کا آئندہ اعادہ نہ فرمائیں اور امت بھی اس کو مستقل حکم شرعی نہ سمجھے۔ چنانچہ غزوہ تبوک میں جھوٹے عذر پیش کرنے والے منافقین کو آپ نے یہ سمجھ کر تخلف (جہاد میں نہ جانے) کی اجازت دے دی کہ اس دور دراز اور شدید ترین سفر اور رومیوں سے جنگ میں ان منافق یہودیوں کا ۔ جنہوں نے اپنی مسلسل ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے ہی رومیوں کو جنگ پر آمادہ کیا ہے ۔ نہ جانا ہی بہتر اور قرین مصلحت ہے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اسی مقام پر نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی معیت کی مضرتوں اور منافقانہ ریشہ دوانیوں کو بیان فرمایا ہے تاہم یہ اجازت دینا مصلحت خداوندی کے خلاف تھا اس لئے انتہائی شفقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فوراً اس پر تنبیہ فرمایا اور اس مصلحت سے بھی آگاہ فرمایا جو مطلوب تھی۔

عفا اللہ عنک لم اذنت لھم حتی یتبین لک الذین صدقوا و تعلم الکاذبین (سورہ التوبۃ ع ۷، ج ۱۰) اللہ نے تمہیں معاف کیا، کیوں اجازت دیدی تم نے ان کو؟ تاکہ ظاہر ہو جاتے تم پر وہ لوگ جو سچے ہیں اور تم جان (پہچان) لیتے جھوٹ بولنے والوں کو۔

اسی طرح غزوۂ بدر میں اُساریٰ بدر (بدر کی جنگی قیدیوں) کا "فدیہ" قبول کر لینے پر ذرا سختی سے عتاب فرمایا اس لئے کہ منصب نبوت کے قطعاً شایان شان نہ تھا اگرچہ وقتی مصلحت اور دینی ضرورت کا تقاضا فدیہ لے لینا ہی تھا، علاوہ ازیں اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے جنگی قیدیوں سے فدیہ لینے کی ممانعت بھی نہیں فرمائی تھی، بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا تھا کہ چاہے ان قیدیوں کو قتل کر دو اور چاہے ان سے زر فدیہ لے لو مگر اس صورت میں آئندہ سال اتنے ہی مسلمان شہید ہوں گے، چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے تمام سرفروش مجاہدین اور اکابر صحابہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ اور ایک دو اور صحابیوں کے علاوہ باقی تمام تشنۂ کامِ شہادت فوری طور پر سامان حرب و جنگ مہیا کرنے کی غرض سے، زرِ فدیہ لینے پر متفق ہو گئے اور فدیہ لے لیا، مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فوراً عتاب فرمایا۔

ماکان للنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم۔ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب الیم فکلوا مما غنمتم حلالاً طیبا واتقوا اللہ ان اللہ غفور رحیم

(انفال ع ۹ ج ۹)

نبی کی شان یہ نہیں ہے کہ اس کے پاس (جنگی) قیدی ہوں جب تک روئے زمین پر (کفار و مشرکین کے قتل سے) خوب خونریزی نہ کر لے تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ کے ہاں آخرت چاہیئے اور اللہ بہت غالب، بڑا حکمت والا ہے۔ اگر اللہ پہلے سے نہ لکھ چکا ہوتا تو جو (زرِ فدیہ) تم نے لیا اس پر بڑا عذاب تم پر آتا، سو اب کھاؤ پیو جو مال غنیمت تم کو ملا ہے حلال، اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بہت مغفرت کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

یعنی اب تو زرِ فدیہ لے لیا سو لے لیا، مگر آئندہ کے لئے حکم شرعی یہ ہے کہ تمہارا فرض روئے زمین سے کفر و شرک کا نام و نشان مٹانا ہے جو کفار و مشرکین کے قتل کی گرم بازاری اور خونریزی کے بغیر نہیں ہو سکتا، رہا سامانِ جنگ مہیا کرنا، یہ اس کارساز مطلق کا کام ہے جس کے لئے کوئی چیز بھی دشوار اور مشکل نہیں۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ضروری ہے کہ نبی اور اس کے اُمتی کفار و مشرکین کے خون سے زمین کو لالہ زار بنا دیں، تاکہ تورات و انجیل میں بیان کردہ پیشین گوئی "اشداء علی الکفار" شایانِ شان طریق پر پوری ہو جائے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنادید (عظماء) قریش کے ایمان لانے کے انتہا درجہ حریص اور متمنی تھے اور عالم اسباب کے درجہ میں اس کی ہر ممکن تدبیر کے درپے تھے اسی سلسلہ میں آپ نے ازراہ تالیف قلوب ان کی درخواست پر اتنی مجلسی مراعات ان کو دے دی کہ جس وقت وہ آپ کی خدمت میں باہمی گفتگو اور تبادلہ خیالات کے لئے حاضر ہوا کریں اس وقت فقراء مومنین آپ کی مجلس میں نہ آئیں۔ اتفاق سے ایک جلیل القدر صحابی عبداللہ بن ام مکتومؓ جن کی ظاہری آنکھیں بند مگر دل کی آنکھیں کھلی ہوئی اور روشن تھیں ایک آیت کا مطلب دریافت کرنے کے لئے آ گئے جبکہ

وہ فراعنۂ قریش آپؐ کی مجلس میں موجود تھے، آپ کو بھی اِن کا اس وقت آنا کچھ ناگوار گذرا اور آپ نے ان کی طرف مطلق التفات نہ کیا تو فوراً اللہ تعالیٰ نے ذرا سختی سے عتاب فرمایا اور پوری سورت عبس نازل ہوئی۔

عبس و تولّٰی ان جاءہ الاعمٰی وما یدریك لعله یزکّٰی او یذکر فتنفعه الذکرٰی امّا من استغنٰی فانت له تصدّٰی وما علیك الا یزکّٰی وامّا من جاءك یسعٰی وهو یخشٰی فانت عنه تلهّٰی، کلا، انها تذکرة فمن شاء ذکرہ (عبس ع ا ج ۳۰)

تیوری چڑھالی اور منہ پھیر لیا اس بات پر کہ آگیا اس (نبی) کے پاس اندھا اور تمہیں کیا خبر (اے نبی) شاید وہ (اندھا آلودگیوں سے) پاک ہو جاتا یا کچھ نصیحت حاصل کر لیتا تو وہ نصیحت اس کے کام آتی لیکن جو (دشمن) پروا (تک) نہیں کرتا (اے نبی) تم اس کے پیچھے پڑے ہو؟ حالانکہ تم پر کوئی الزام نہیں کہ وہ (کفر و شرک سے) پاک (کیوں) نہیں ہوتا لیکن جو (مومن نابینا) تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا، اور وہ (خدا سے) ڈرتا بھی ہے تم اس سے تغافل برتتے ہو؟ ایسا نہیں ہے، بیشک یہ (قرآن) تو نصیحت ہے جو (دل سے) چاہے گا وہ اس سے نصیحت حاصل کرے گا۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اسلام قریش کی اس شدت حرص کے جذبہ سے جس کا حال خود اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت میں بطور تعجب ذکر فرمایا ہے۔

فلعلك باخع نفسك علٰی آثارهم ان لم یؤمنوا بهٰذا الحدیث اسفا (کہف ع ا ج ۱۵)

کیا تم اپنے آپ کو ان کے پیچھے غم کے مارے ہلاک کر ڈالو گے اگر وہ اس کلام (قرآن) پر ایمان نہ لائے۔

اور وانذر عشیرتك الاقربین (اپنے قریب تر رشتہ داروں کو باخبر کر دو) کے فریضہ کو بطریق اکمل ادا کرنے کی غرض سے یہ تدبیر بطور تالیف قلب اختیار فرمائی تھی مگر منصب نبوت کے شایان شان نہ تھی اس لئے کہ اس طرز عمل سے ایمان اور مومن کی اُس رفعت شان اور عند اللہ علو مرتبت کو ٹھیس لگتی ہے جس کا اظہار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی شکستہ حال فقراء مسلمین کے بارے میں فرمایا ہے۔

رب اشعث مدفوع

بہت سے شکستہ حال دروازوں سے ٹھکرائے ہوئے

Marfat.com

لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ — (مومنوں) کا مرتبہ اللہ کے ہاں یہ ہے کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ اس قسم کو ضرور پورا کرے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات میں اس واقعہ پر عتاب فرمایا ہے۔

غرض جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خلاف اولیٰ امر سرزد ہوا اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا۔ اسی لئے امت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس فعل اور عمل پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی عتاب یا تنبیہ نہیں کی گئی ہو وہ حجت شرعیہ اور حکم الٰہی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اُس رسول کو جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (النساء ع ۱۱ ج ۵) — جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

کبھی خلاف اولیٰ امر پر قائم نہیں رہنے دے سکتا۔

نکتہ! واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو خلاف اولیٰ امور سرزد ہوئے ہیں یا جو اجتہادی غلطیاں بظاہر نظر آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر تنبیہ یا عتاب فرمایا ہے وہ تکوینی اعتبار سے منشاء الٰہی کے عین مطابق اور معقول وقتی مصلحت اور شرعی ضرورت پر مبنی ہیں عتاب یا تنبیہ صرف اس لئے فرمائی ہے کہ تشریعی حیثیت سے وہ امور مناسب نہ تھے اور چونکہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اُمتیں اُن کے اوامر و نواہی اور اقوال و افعال کو حکم الٰہی سمجھ کر ان کی پیروی کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ (النساء ع ۹ ج ۵) — ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ فوراً عتاب یا تنبیہ کے ذریعہ خود نبی کو بھی اور امت کو بھی آگاہ فرما دیتے ہیں کہ منصب نبوت کے شایان شان "یہ ہے" یا "ایسا ہونا چاہیئے تھا" چنانچہ اسی بدر کے جنگی قیدیوں سے فدیہ لینے کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لولا کتاب من اللّٰہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب الیم (انفال ع ۹ ج ۱۰) — اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہلے سے ہی نہ لکھدیا گیا ہوتا تو جو تم (زر فدیہ) لیا ہے اس میں تم پر بڑا سخت عذاب آتا۔

Marfat.com

گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلے سے طے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجاہدینِ بدر وقتی ضرورت اور شرعی مصلحت کی بنا پر فدیہ لیں گے اور یہ ایک شرعی ضرورت پر مبنی ہوگا اس لئے نہ صرف یہ کہ ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا بلکہ زرِ فدیہ مالِ غنیمت میں شامل اور حلال ہوگا چنانچہ اس عتاب کے بعد ہی فرماتے ہیں۔

فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً و اتقوا اللہ ان اللہ غفور رحیم
ایضاً

سو جو مالِ غنیمت تم کو مل گیا ہے حلال طیب، کھاؤ پیو اور اللہ سے ڈرتے رہو (کہ اُس کی کوئی نافرمانی نہ ہو جائے) بیشک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بہت مہربان ہے۔

اور اس کے بعد سورہ انفال میں جنگی قیدیوں کے متعلق تفصیلی احکام نازل فرما دیئے۔

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا
(محمد ع ۱ ج ۲۶)

پس جب بھی کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو تو خوب ان کی گردنیں مارو (اور بے دریغ قتل کرو) یہاں تک کہ جب اچھی طرح خونریزی کر لو تب ان کو رسیوں میں جکڑ لو پھر چاہے (ان پر) احسان کرو اور چاہے فدیہ لے لو، یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (اور شوکت و قوتِ کفر ختم ہو جائے اور لڑنے کی ضرورت باقی نہ رہے)

دیکھئے اس آیت کریمہ میں "فدیہ" کا حکم موجود ہے مگر اثخان فی الارض (روئے زمین پر کفار و مشرکین کی شدید خونریزی) کے بعد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ منشاء الٰہی یہ تھا کہ ان ستّر صنادید قریش اور رؤساء کفر و شرک کو بھی اسی طرح موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیئے تھا۔ جیسے نمبر اوّل کے ستّر ائمہ کفر و شرک کو قلیب بدر (بدر کے کنوئیں) میں جہنم رسید کیا ہے یہی فاروق اعظمؓ کی رائے تھی تاکہ اسی معرکہ میں ائمۃ الکفر کی مکمل بیخ کنی ہو جاتی۔ لہٰذا یہ زیادہ سے زیادہ اجتہادی غلطی ہے جس پر امت کے مجتہدین تو بنص حدیث ایک اجر کے مستحق ہوتے ہیں مگر انبیاء و رسل ایسی غلطیوں پر بھی معتوب ہوتے ہیں سچ ہے۔

حسنات الابرار سیئات المقربین

جو نیک لوگوں کی نیکیاں ہوتی ہیں وہ مقربین بارگاہ کے حق میں خطائیں شمار ہوتی ہیں۔

Marfat.com

یہ ابو سعید خزار رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے۔ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو فارسی میں حسب ذیل فقرہ میں ادا کیا ہے۔

مقربان رابیش بود حیرانی — مقربین بارگاہ کی حیرانی بہت زیادہ ہوتی ہے (اس لئے کہ اُن سے بغیر بتلائے منشاء الہٰی کو سمجھنے کی توقع کیجاتی ہی

حدیث شریف میں بھی آتا ہے:۔

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل — سب سے زیادہ سخت آزمائش نبیوں کی ہوتی ہے پھر جو ان سے قریب ہوں پھر جو ان سے قریب ہوں

اور آزمائشوں میں سے ایک آزمائش یہ بھی ہے کہ ان سے ان کوتاہیوں پر بازپرس ہوتی ہے جو اُمت کے لئے نہ صرف معاف بلکہ موجب اجر و ثواب ہوتی ہیں۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اس کوتاہی اور اس پر مرتب ہونے والے تمام تر غزوات و محاربات اور احکام و معاملات کا وقوع نیز ان اُسارٰی (قیدیوں) میں سے بیشتر صنادید قریش کا ایمان و اسلام اور پھر اشاعت و استحکام دین کے لئے ان کی خدمات جلیلہ کا ظہور، سب روز ازل میں مقدر اور اسی اجتہادی غلطی پر موقوف تھا۔ اس لئے اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ تنبیہ صرف اس لئے کی گئی ہے کہ تشریعی حیثیت سے اللہ کی راہ میں قتال کرنے والوں کا اوّلین مقصد اثخان فی الارض ہونا چاہیئے (تا آنکہ کفر و شرک کی شوکت اور کفار و مشرکین کی صولت کا روئے زمین پر نام باقی نہ رہے)

تشریع فعلی

مذکورہ بالا آیات کریمہ سے قطعی طور پر ثابت ہے اور امت کا اس پر اجماع بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے معصوم القول تھے، اسی طرح آپ معصوم الفعل بھی تھے اور جس طرح زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر قول وحی الہٰی۔ جلی یا خفی ۔ پر مبنی ہوتا تھا اسی طرح آپ کی ذات گرامی سے سرزدشدہ ہر فعل و عمل بھی وحی الہٰی جلی یا خفی کے تحت سرزد ہوتا تھا۔ آپ خدا کے حکم کے بغیر نہ کچھ کہتے تھے نہ کچھ کرتے تھے قرآن عظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کرا رہا ہے۔

قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای — (اے نبی) کہدو! بیشک میری نماز اور میری عبادت

Marfat.com

وحماتی للہ رب العالمین | اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے
لاشریک لہٗ (سورۃ انعام ع ۲۰) | ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

اسی بنیاد پر آپ کو مفروض الطاعت اور آپ کی اطاعت کو "اللہ کی اطاعت" قرار دیا گیا ہے لہٰذا آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے قول کی طرح آپ کا ہر فعل وعمل بھی "حجت شرعیہ" ہے اور تشریع احکام الٰہیہ کا "منبع وماخذ دوم" ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے بعد مختلف طریقوں پر، اپنے اعمال وافعال کا اتباع کرنے کی ہدایت فرمادی ہے۔ ہم ذیل میں چند متنوع ومختلف قسم کے تشریعی افعال واعمال کی مثالیں صحیح احادیث سے پیش کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ما اتاکم الرسول کا مصداق جیسے آپ کے اقوال اور زبانی احکام ہیں اسی طرح آپ کے اعمال وافعال بھی اس آیت کریمہ کا مصداق ہیں۔

تشریع فعلی کی مثالیں

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے دکھلانے کے بعد فرمایا:

من توضأ نحو وضوئی ھذا ثم صلی رکعتین لایحدث فیھما نفسہ غفر لہ ماتقدم من ذنبہ
(صحیح بخاری ص ۲۸ ج ۱)

جس شخص نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعتیں (تحیۃ الوضو) اس طرح پڑھیں کہ (پورے طور پر دل سے خدا کی طرف متوجہ رہا اور) اپنے دل سے باتیں نہ کیں تو اس کے (اس سے) پہلے کئے ہوئے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

نماز پڑھکر دکھلانے کے بعد فرمایا:-

صلوا کما رأیتمونی اصلی
(صحیح بخاری ص ۸۸ ج ۱)

جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھا کرو۔

کسی قبیلہ کے فرستادہ شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر "پنجگانہ نمازوں" کے اوقات دریافت کئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے فرمادیا: صل معنا (تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو) اور اس شخص کو تعلیم دینے کی غرض سے دو روز اس طرح نماز

Marfat.com

پڑھائی کہ پہلے دن ہر نماز اول وقت میں اور دوسرے دن آخر وقت میں، اور اس کے بعد اس سے فرمایا :- ما بین صلوٰتی فی ھذین الوقتین وقت کلہ ــ میری ان دو (دونوں میں) نماز کے درمیان سب نماز کا وقت[۵] ہے ــ مزید اہتمام کی غرض سے عقلاء اور فقہاء صحابہ کو خاص طور پر اپنے پیچھے صف اول میں کھڑے ہونے کی ہدایت فرمائی : لیلینی منکم اولوالاحلام والنھی۔ تم میں سے سمجھدار اور عقلمند لوگوں کو مجھ سے قریب (صف اول میں میرے پیچھے) کھڑا ہونا چاہیئے ــ تاکہ وہ کامل تیقظ اور تثبت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال اور نقل و حرکت کو دیکھیں سمجھیں اور یاد رکھیں۔

بہت سے امور آپ نے محض بیان جواز کے لئے تعلیماً کر کے دکھلائے ہیں حالانکہ وہ خلاف اولیٰ اور سنت مستمرہ کے خلاف ہیں مثلاً

---

[۵] اوقات صلوٰۃ کی اس دقیق تحدید (حدبندی) اور تعیین کے باوجود جو لوگ یہ کہتے ہیں

اوقات نماز اور ان کی جزئیات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی غیر لچکدار اور جامد انداز نہیں چھوڑا ۔ (ماہنامہ فکر و نظر شمارہ (۱) و (۲)، ج ۱ ص

اور اسی مفروضہ کی بنیاد پر حدیث الصلوٰۃ لمیقاتھا کو موضوع قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔

بعد ازاں حدیث میں جب کبھی نماز پر زور دیا جاتا ہے تو الصلوٰۃ کے ساتھ لمیقاتھا بھی شامل کر دیا جاتا ہے یعنے "نماز اپنے صحیح وقت پر" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نمازوں کے لئے ایک "معیاری وقت" کی مہم چلائی گئی ہے۔

وہ قطعاً جاہل یا متجاہل (جان کر انجان بننے والے) حدیث رسول اللہ کے دشمن ہیں ہم نے قصداً یہ مثال ایسے ہی جاہلوں کے جہل یا دشمنان حدیث کی دشمنی کو ظاہر کرنے کی غرض سے انتخاب کی ہے اور وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان کیا ہے ان جاہلوں سے پوچھنا چاہیے کہ تم قرآن کو تو مانتے ہو؟ اگر آپ نے نماز کے اوقات کی تحدید نہیں فرمائی اور الصلوٰۃ لمیقاتھا حدیث موضوع ہے تو آیت کریمہ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا کا اعلان العیاذ باللہ جھوٹ اور خلاف واقعہ ہوگا اپنی مزید ناواقفیت کا ثبوت اس طرح فراہم کرتے ہیں کہ : (۱) اگر آپ نے اوقات کی تحدید فرمائی ہوتی تو ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے درمیان اوقات نماز میں شدید اختلاف کیوں ہوتا (۲) نیز جمع بین الصلوٰتین بغیر کسی عذر کے آپ کیوں فرماتے "جزو ثانی کا جواب تو ہم نے پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ کتاب میں دیا ہی (باقی صلا پر)

۱۔ آپ وضو میں ہمیشہ تین تین مرتبہ اعضا کو دھویا کرتے تھے باجماع امت یہی مسنون بھی ہے۔ مگر ایک مرتبہ اتفاق سے پانی تھوڑا تھا تو آپ نے کسی عضو کو دو مرتبہ دھویا کسی کو تین مرتبہ کسی کو ایک مرتبہ تاکہ امت کو معلوم ہو جائے کہ ضرورت یا مجبوری کے وقت اگر ایک ایک یا دو دو مرتبہ بھی اعضا کو دھو لیا جائے تب بھی وضو ہو جاتا ہے۔

۲۔ اسی طرح آپ معمولاً ہر نماز مستحب اور افضل وقت میں پڑھا کرتے تھے اور اسی کی ترغیب دیتے تھے چنانچہ افضل الاعمال کے سوال کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے الصلوٰۃ لمیقاتہا — نماز کو اس کے (معروف) وقت پر پڑھنا افضل اعمال میں سے ہے — چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الصلوٰۃ لوقتہا الا بجمع وعرفات

(سنن نسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کو اس کے (معروف) وقت میں پڑھا کرتے تھے بجز مزدلفہ اور عرفات کے (کہ عرفات میں عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھتے اور مغرب کو عشا کے وقت میں اس لئے کہ یہی حج کی سنت ہے)

وفی روایۃ ابی داؤد۔ ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ الا لوقتہا الا بجمع۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی نماز کو اس کے وقت کے علاوہ پڑھا ہو بجز مزدلفہ کے۔

مگر اس کے باوجود مذکورہ بالا سائل کو ہر نماز کا اول اور آخر وقت بتلانے یعنے وقت کی تحدید (حد بندی) کرنے کی غرض سے ایک دن ہر نماز کو بالکل اول وقت میں پڑھا اور دوسرے دن ہر نماز کو اس کے بالکل آخر وقت میں پڑھا تاکہ ہر نماز کے اوقات کی تحدید (حد بندی) فرما سکیں کہ فلاں

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۸ سے آگے) جزء اول کا جواب یہ ہے کہ ہر نماز کے اوّل وقت اور آخر وقت کے بارے میں شدید اختلافات تو کیا مطلق اختلاف نہیں حتی کہ فقہاء حنفیہ بھی ظہر وعصر اور مغرب وعشا کے اوّل وقت اور آخر وقت کے بارے میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ ہے ائمہ کا اختلاف افضل وقت کے بارے میں ہے۔ اس اختلاف کی بھنک ان کے کانوں میں پڑ گئی بس پھر کیا تھا؟ انہوں نے تحقیق کئے بغیر اس کو عدم تحدید کی دلیل اور حدیث کے موضوع ہونے کی سند بنا ڈالا یہی ہے مستشرقانہ طرز استدلال۔ العیاذ باللہ

Marfat.com

نماز کا وقت یہاں سے یہاں تک ہے اور فلاں نماز کا یہاں سے یہاں تک درحقیقت آپ کا یہ عمل "ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا (بیشک نماز ایمان والوں پر ایک موقت فرض ہے) کی عملی تفسیر اور تشریح ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ظہر اور عصر کی نماز کو اس طرح ملا کر پڑھا کہ ظہر کو اس کے بالکل آخر وقت میں پڑھا اور عصر کو اس کے بالکل اول وقت میں پڑھا اسی طرح مغرب اور عشا کی نمازوں کو ملا کر پڑھا — فقہ کی اصطلاح میں اس کو جمع صوری یا جمع فعلی کہتے ہیں یعنے دیکھنے میں اور فعل کے اعتبار سے دونوں نمازوں کو جمع کیا ہے، وقت کے اعتبار سے نہیں اس لئے کہ ہر وقت کے اعتبار سے تو ہر نماز اُس کے وقت میں پڑھی ہے — تاکہ اُمت کو معلوم ہو جائے کہ کسی ضرورت کے وقت اگر ظہر و عصر اور مغرب و عشا کی نمازوں کو اس طرح ملا کر پڑھ لیا جائے تو یہ بھی جائز ہے اور ان الصلوٰۃ الآیۃ کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ ہر نماز اس کے وقت میں پڑھی گئی ہے ہاں پسندیدہ اور مطلوب وہی صورت ہے جو آپ کا دائمی اور مستمر عمل ہے کہ ہر دو نمازوں کے درمیان "مقررہ" فصل ہونا چاہیئے چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:

صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ ثمانیا جمیعا و سبعا جمیعا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۶)	میں نے (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ میں آٹھ رکعتیں (ظہر و عصر) ایک ساتھ پڑھیں اور سات رکعتیں (مغرب و عشا) ایک ساتھ

حضرت ابن عباس رضہ کے مشہور و معروف شاگرد سعید بن جُبیر تابعی (راوی حدیث) ابن عباس سے دریافت کرتے ہیں لم فعل ذلک — آپ نے ایسا کیوں کیا — حضرت ابن عباس نے جواب دیا: اراد ان لا یحرج احدا من امتہ — آپ نے اپنی امت کو تنگی سے بچانا چاہا (کہ اگر کسی وقت کوئی شدید ضرورت پیش آجائے تو اس طرح دو نمازوں کو ملا کر پڑھ لیں) — اسی حدیث کے ایک راوی عمرو بن دینار اپنے شیخ جابر بن یزید (راوی حدیث ابن عباس رض) سے دریافت کرتے ہیں۔

یا ابا الشعثاء اظنہ اخر الظھر	اے ابوالشعثاء (جابر بن یزید) میرا گمان ہے کہ آپ نے

Marfat.com

و عجل العصر و اخر المغرب و عجل العشاء (صحیح مسلم ص ۲۴۷ ج ۱)

ظہر میں تاخیر کی ہوگی (آخر وقت میں پڑھی ہوگی) اور عصر میں تعجیل کی ہوگی (اوّل وقت میں پڑھی ہوگی اسی طرح) مغرب میں تاخیر کی ہوگی (آخر وقت میں پڑھی ہوگی) اور عشا میں تعجیل (اوّل وقت میں پڑھی ہوگی)

تو اس پر ابوالشعثاء (جابر بن یزید) نے جواب دیا: وانا اظن ذلک — میرا گمان بھی یہی ہے — یہ صرف ان استاد و شاگرد کا گمان ہی نہیں ہے بلکہ حضرت انسؓ وغیرہ صحابہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر میں جمع بین الصلوتین کی (دو نمازوں کو جمع کرنے کی) یہی صورت بیان کرتے ہیں اور یہی مصلحت کہ اُمت کو تنگی سے بچانا مطلوب ہے مراجعت کیجیے صحیح مسلم باب الجمع بین الصلوتین فی السفر - (۲۴۷ ج ۱)

اسی بیان جواز کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تعلیم مدینہ میں دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھکر دکھلایا۔ یاد رکھئے یُسر (آسانی) اور دفع حرج (تنگی کو دور کرنا) شریعت محمدیہ — علی صاحبہا الف الف سلام و تحیہ — کا اہم ترین اصولِ تشریع ہے جس کا اعلان قرآن حکیم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

وما جعل علیکم فی الدین من حرج — اس دین میں (اللہ نے) مطلق کوئی تنگی نہیں رکھی

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اعمال و افعال کی اس تشریعی حیثیت کا پوری طرح احساس تھا اور خاص طور پر آپ اس کا خیال فرماتے تھے کہ آپ کے عمل سے اُمت پر کوئی ایسی چیز فرض نہ ہو جائے جو تنگی کا موجب ہو اور اُمت اس پر عمل نہ کر سکنے کی وجہ سے معصیت میں مبتلا ہو چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی ایک شب میں بغیر اطلاع عشا، کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں تشریف لے آئے اور جو لوگ مسجد میں موجود تھے اور قیام لیالی رمضان کے تحت تنہا نوافل پڑھ رہے تھے ان کے ساتھ باجماعت نماز (تراویح) پڑھیں۔ اگلے روز لوگوں کو پتہ چلا تو دوسری شب میں نمازیوں کی تعداد خاصی بڑھ گئی اور تیسری شب تو پوری مسجد نمازیوں سے بھر گئی۔ یہ صورت حال دیکھکر چوتھی شب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بالکل تشریف نہ لائے صحابہ نے بہت کچھ کھنکارا، دروازہ پر آہٹ کی مگر آپ ساری رات نبوت کدہ سے باہر تشریف نہ

Marfat.com

لائے اور صبح کی نماز کے بعد حاضرین کو حقیقت حال سے آگاہ فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فلما قضی صلوٰتہ اقبل علی الناس فتشھّد ثم قال امابعد فانہ لم یخف علی مکانکم ولکن خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا۔
(صحیح بخاری ص ۲۶۹ ج ۱)

جب آپ نماز فجر سے فارغ ہوئے تو حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے خطبہ مسنونہ پڑھا اس کے بعد فرمایا: میں تم لوگوں کی موجودگی (اور اضطراب و انتظار) سے بے خبر نہ تھا لیکن مجھے خطرہ ہوا کہ مبادا (میری مواظبت و مداومت سے) یہ تراویح تم پر فرض ہو جائیں اور تم ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ (اور گنہگار ہو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ذوق و شوق عبادت سے خوب اچھی طرح واقف تھے، مگر آپ جانتے تھے کہ آنے والی نسلوں میں عبادت کا یہ ذوق و شوق نہ رہیگا تو اگر تراویح فرض ہوگئیں تو امت مصیبت میں پڑ جائے گی اس لئے تین رات تو آپ نے مسجد میں آکر باجماعت تراویح پڑھائیں تاکہ باجماعت تراویح کی مشروعیت کی اساس تو قائم ہو جائے مگر پابندی نہ کی اور چوتھے دن نہ آئے تاکہ واجب نہ ہوں — اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عمل پر مواظبت و مداومت فرمانا — بدون الترک مرۃ (بغیر کبھی ترک کئے) — اس کے فرض (واجب) ہونے کی دلیل ہے اور کبھی عمل کرنا اور کبھی چھوڑ دینا اس کے مسنون ہونے کی دلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب اس وجوب کا اندیشہ نہ رہا — اس لئے کہ یہ تشریعی مرتبہ و مقام صرف آپ کی ذات معصوم کے ساتھ مخصوص تھا — تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "سہ روزہ عمل" کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس پسندیدہ سنت کو نافذ فرمایا اور اُمت نے بالاجماع اس کو قبول کیا اور آجتک باجماعت تراویح تمام دُنیا میں پڑھی جا رہی ہیں۔

— اسی احساس ذمہ داری اور احتیاط کوشی کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ آپ کے کسی فعل و عمل سے صحابہ احکام شرعیہ کے سمجھنے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

بینما کان رسول اللہ صلی اللہ

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے

Marfat.com

علیہ وسلم یصلی باصحابہ اذ خلع نعلیہ فوضعھما عن یسارہ فلما رأی القوم القوا نعالھم، فلما قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰتہ قال: ما حملکم علی القاء نعالکم؟ قالوا: رأیناک القیت نعلیک فالقینا نعالنا» فقال رسول اللہ علیہ وسلم: ان جبرئیل اتانی فاخبرنی ان فیھما قذرا (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۹۵)

اثنا میں اپنی نعلین (چپلیں) اُتار دیں اور بائیں جانب رکھ دیں تو مقتدیوں نے بھی آپ کے اس عمل کو دیکھ کر جوتیاں اُتار دیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم نے نماز میں جوتیاں کیوں اُتار دیں؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم نے دیکھا کہ آپ نے اثناءِ نماز میں ہی جوتیاں اُتار دیں تو ہم نے بھی اُتار دیں آپ نے فرمایا: مجھے تو جبرئیل (علیہ السلام) نے آکر خبر دی کہ آپ کی جوتیوں میں گندگی لگی ہوئی ہے (اس لئے میں نے اُتار دیں تم نے کیوں اُتاریں)

دیکھئے اس واقعہ میں صحابہ نے آپ کے عمل کو حکم شرعی اور حجت شرعیہ سمجھکر فوراً جوتیاں اُتار دیں اور یہ سمجھا کہ جوتیاں پہنکر نماز پڑھنا ممنوع ہوگیا حالاں کہ واقعہ یہ نہ تھا اس لئے فوراً آپ نے اس غلط فہمی کو دور کیا اور بتلادیا کہ میں نے تو اس لئے جوتیاں اُتاری تھیں کہ میری جوتیوں میں نجاست لگی ہوئی تھی اور مجھے خبر نہ تھی جونہی جبرئیلؑ نے مجھے بتلایا میں نے اُتار دیں۔ اب حکم شرعی منقح ہوگیا کہ جیسے نماز میں نماز کی جگہ اور نمازی کے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے اسی طرح اگر جوتیاں پہنی ہوئی ہوں تو ان کا بھی پاک ہونا ضروری ہے اگر جوتیاں پاک ہوں تو ان کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر آپ اس غلط فہمی کو دور نہ فرماتے تو صحابہ یہی سمجھتے کہ جوتیاں پہن کر نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

نیز اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے افعال واحوال کی کس قدر نگرانی فرماتے ہیں کہ نماز باجماعت لاعلمی میں فاسد ہو رہی تھی فوراً جبرئیل کو بھیجکر سب کی نماز کو فاسد ہونے سے بچالیا سبحان اللہ

جو شخص آپ کے عمل کو حجت شرعیہ باور کرنے میں تردد کرے اس پر ناراضگی کا اظہار

اسی طرح ذیل کے واقعہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی فرمایا اور جو شخص آپ کے عمل کو

حکم شرعی اور حجت شرعیہ نہ باور کرے اس پر ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ ساتھ ہی اس سلسلہ میں ایک اہم اصول کا بھی اعلان فرما دیا۔

عن عطاء بن يسار ان رجلا قبّل امرأته وهو صائم فوجد من ذلك وجداً عظيماً فارسل امرأته تسأل له عن ذلك فدخلت على ام سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلك لها فاخبرتها ام سلمة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقبل وهو صائم فاخبرت بذلك زوجها فزاده شرًّا وقال: لسنا مثل رسول الله صلى الله عليه وسلم يحل الله عزوجل لرسوله ما شاء ثم رجعت المرأة الى ام سلمة فوجدت رسول الله صلى الله عليه وسلم عندها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بال هذه المرأة فاخبرته ام سلمة فقال الا اخبرتيها انى افعل ذلك" فقالت ام سلمة قد اخبرتها فذهبت الى زوجها فاخبرته فزاده شرا وقال يحل الله لرسوله ما شاء فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال انى لاتقاكم الله عزوجل وا علمكم بحدوده

(رواه الطحاوی فی باب القبلة للصائم)

عطاء بن سائب روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے روزہ میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا تو وہ اس پر بڑا غمگین اور فکر مند ہوا اور اپنی بیوی کو مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا وہ حضرت اُم سلمہ زوجہ مطہرہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئی اور واقعہ بیان کیا حضرت اُم سلمہ نے اس کو بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزہ میں بوسہ لے لیا کرتے ہیں (اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا) اس نے جا کر اپنے شوہر کو بتلایا، اس پر اُس کا غم واندوہ اور بھی بڑھ گیا اور اس نے کہا۔ ہم رسول اللہ کی مانند نہیں ہیں اللہ عزوجل اپنے رسول کے لئے جو چاہیے حلال کر دے۔" پھر وہ عورت حضرت اُم سلمہ کے پاس آئی اس مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود وہاں موجود تھے آپ نے دریافت فرمایا: یہ عورت کیوں آئی ہے؟ اُم سلمہ نے واقعہ بیان کیا حضور نے فرمایا: تم نے اسکو بتلایا کیوں نہیں دیا کہ میں بھی ایسا کر لیا کرتا ہوں، اُم سلمہ نے عرض کیا: میں نے اسکو بتلایا تھا اور اُس نے جا کر اپنے شوہر کو بتلایا بھی مگر اس پر اُس کا غم اندوہ اور بھی بڑھ گیا اور کہا: ہم رسول اللہ کی مانند نہیں ہیں اللہ اپنے رسول کیلئے جو چاہیے حلال کر دے" تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا اور فرمایا: میں تم میں سب سے زیادہ اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرنے والا ہوں، اور سب سے زیادہ اللہ کی حدود (حرام وحلال) کو جاننے والا ہوں

Marfat.com

یعنے احکام الٰہیہ خصوصاً حرام و حلال کے احکام کی پابندی میں، میں اُمت سے زیادہ مامور و مسئول ہوں اور احکام الٰہیہ کو تم سب سے زیادہ جانتا بوجھتا ہوں اور اسکی نافرمانی سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں۔ میرے کسی فعل و عمل کو میرے ساتھ اس وقت تک مخصوص نہیں سمجھا جا سکتا جبتک کہ کتاب و سنت کی کسی نص صریح سے خصوصیت ثابت نہ ہو۔ اسی پر اُمت کا اجماع ہے مثلاً بغیر مہر کے کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لینا بنص قران خالصة لك من دون المومنين کے تحت آپ کے ساتھ مخصوص تھا یا نیند کا ناقضِ وضو نہ ہونا (یعنے محض سونے سے وضو کا نہ ٹوٹنا) بنص حدیث ان عینیّ تنامان ولا ینام قلبی آپ کے ساتھ مخصوص تھا وقس علیٰ ھٰذا۔ محض احتمال خصوصیت، کسی حکم کے آپ کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ میں اس شخص نے سمجھ لیا تھا اسی لئے آپ اس پر اتنے غصہ ہوئے تاکہ امت بھی اچھی طرح سمجھ لے کہ رسول کا ہر فعل اُمت کے لیے حجت ہے جب تک کہ رسول کی خصوصیت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

تشریع عملی کی قوت

تشریع عملی کی تعمیلِ حکم کے اعتبار سے قوت تاثیر کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات زبان مبارک سے کسی امر کا حکم دینے کا اتنا اثر نہیں ہوتا تھا جتنا حضور علیہ الصلوٰة والسلام کو عمل کرتا ہوا دیکھنے کا اثر ہوتا تھا اس کا ثبوت ذیل کا واقعہ ہے۔

جب ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام حدیبیہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوئے تو کفار قریش نے حدود حرم میں داخل ہونے سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے صلح ہو گئی اور طے ہوا کہ آئندہ سال آپ مع اپنے رفقاء کے مکہ میں آکر "عمرہ" کریں گے تو حضور علیہ الصلوٰة والسلام نے "احصار" کی بنا پر صحابہ کو حلال ہونے اور عمرہ کا احرام توڑ دینے کا حکم دیا صحابہ یہ سمجھے کہ آپ نے ازراہ شفقت ہمیں حلال ہونے کا حکم دیا ہے اس لئے کوئی بھی اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ ہوا یہ صورت حال دیکھکر حضور علیہ الصلوٰة والسلام بہت جز بز اور برہم ہوئے اور اسی برہمی کی حالت میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں تشریف لائے۔ اب حضرت اُم سلمہ کی زبان سے واقعہ سنئے:

Marfat.com

فلما فرغ من قضية الكتاب قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحابه: قوموا فانحروا ثم احلقوا، قال: فوالله ما قام منهم رجل حتى قال ذلك ثلاث مرات فلما لم يقم منهم احد دخل على أم سلمة فذكر لها ما لقي من الناس، فقالت ام سلمة: يانبي الله أتحب ذالك؟ اخرج ثم لاتكلم احدا منهم كلمة حتى تنحر بُدنك وتدعو حالقك فيحلقك، فخرج فلم يكلم احدا منهم حتى فعل ذلك نحر بدنه ودعا حالقه فحلقه، فلما رأو ذلك قاموا فنحروا وجعل بعضهم يحلق بعضا حتى كاد بعضهم يقتل بعضا غما۔

(صحیح بخاری ص ۳۸۰ ج ۱)

جب آپ معاہدہ صلح کی تحریر کے قصہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا اٹھو جاؤ قربانی کے جانور ذبح کرو اسکے بعد سروں کے بال منڈا دو، خدا کی قسم ایک شخص بھی تو ان میں سے نہیں اُٹھا، آپ نے دوبارہ یہی فرمایا حتیٰ کہ تین مرتبہ حضور نے یہی حکم دیا جب ان میں سے کوئی شخص بھی نہ اُٹھا اور اس حکم پر عمل کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا، تو آپ (خفگی اور برہمی کی حالت میں) اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں تشریف لے گئے اور جو صورت حال پیش آئی تھی اس کا ذکر فرمایا تو اس پر اُم سلمہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی آپ چاہتے ہیں کہ ایسا ہو؟ (یعنے اگر اللہ کا حکم یہی ہے) تو باہر تشریف لے جائیے اور کسی سے کچھ نہ کہئے اور اپنی اونٹنیوں کو ذبح کر دیجئے اور حلاق کو بُلا کر سر کے بال اُتروا دیجئے" چنانچہ آپ باہر آئے اور ایسا ہی کیا اونٹنیوں کو ذبح کر دیا اور حلاق کو بُلا کر بال اُتروا دیئے جب لوگوں نے یہ دیکھا (تو ان کو یقین ہو گیا کہ اللہ کا حکم یہی ہے) پھر تو سب کے سب فوراً قربانی کے جانور ذبح کرنے اور ایک دوسرے کے سر کے بال مونڈنے پر اس طرح ٹوٹے کہ شدت ازدحام کی وجہ سے قریب تھا کہ ایک دوسرے کو مار ڈالیں

سبحان اللہ! اُمہات المومنین کی ذکاوت و فطرت شناسی اور اسرار و غوامض تشریع احکام کی معرفت و واقفیت! کتنا صائب مشورہ دیا ہے اور کیوں نہ ہوتا؟ ان کے گھروں میں قرآن نازل ہو رہا تھا اور احکام الٰہیہ کی تشریع و تشکیل ہو رہی تھی، اللہ تعالیٰ ابھی اُمہات المومنین

Marfat.com

کو ان کی ذمہ داری پر متنبہ فرماتے ہیں:

واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ (احزاب ع۴) (اے ازواج نبی) یاد رکھا کرو جو اللہ کی آیات اور شریعت کی باتیں تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں۔

یہی حکمت ہے تکثیر ازواج نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاولت رکھنے والے جانتے ہیں کہ امہات المومنین نے احکام شرعیہ میں اختلاف صحابہ کے مواقع پر کیسی کیسی اہم رہنمائیاں کی ہیں اور کس قدر وافر ذخیرہ احکام شرعیہ یعنے سُنّت وحدیث رسول اللہ کا، امت کو اُمہات المومنین کے ذریعہ پہونچا ہے۔ یہ ایک جملہ معترضہ ہے اس کی تفصیل کے لئے تو ایک مستقل مقالہ درکار ہے۔

سہو ونسیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور احادیث صحیحہ کے بنظر غائر مطالعہ ومزاولت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا واحد مقصد ہی تشریع وتعلیم احکام الٰہیہ تھا اگر یہ نکتہ پیش نظر نہ ہو تو آپ کی زندگی میں بعض ایسے حیرت انگیز واقعات نظر آتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے اور کیونکر پیش آگئے اور ان کی کیا تاویل وتوجیہہ ہوسکتی ہے چنانچہ :۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

سنقرئك فلا تنسیٰ الا ماشاء اللہ (الاعلیٰ ع۱) ہم تمہیں پڑھا دیں گے پھر تم کبھی نہیں بھولو گے بجز اُس کے جو اللہ چاہے

شیطان — جو ہر انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور انسان کا سب سے بڑا ازلی دشمن ہے۔ خصوصاً نماز میں کہ شروع کرتے ہی پیچھے پڑ جاتا ہے کہ کسی بھی طرح ہو سہو ونسیان میں گرفتار کر کے نمازی کی نماز خراب کر دے وہ آپ کا شیطان — آپ کا فرمانبردار بن چکا تھا۔

نیز والذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون (اور وہ لوگ جو پورے خشوع وخضوع اور حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں) کے آپ مظہر اتم تھے اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) آپ کا شعار تھا، آپ کی محبوب ترین چیز نماز تھی۔

مگر اس کے باوجود آپ نماز میں بھول گئے اور چار کے بجائے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا

اور ایک دو مرتبہ نہیں پانچ مرتبہ مختلف نمازوں میں مختلف صورتوں میں بھولے اور تو اور "غسل جنابت" کو بھول گئے اور اسی حالت میں نماز پڑھانے مسجد میں تشریف لے آئے مصلے پر کھڑے ہو گئے اقامت ہو گئی تب یاد آیا تو نمازیوں کو کھڑے رہنے کی ہدایت فرما کر اُلٹے پاؤں واپس گئے اور غسل کر کے آئے تب نماز پڑھائی (رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ ص ۱)

حیرت ہوتی ہے کہ یہ آپ کیسے اور کس راہ سے بھولے؟ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہی اس عُقدہ کی گرہ کشائی اور حیرت کا ازالہ کرتا ہے۔

لم انس ولکن اُنسّٰی لکی تستنوا بی (وفی روایۃ) انما اُنسی لتستنوا بی	میں بھولتا نہیں بلکہ مجھے بھلا دیا جاتا ہے تاکہ تم مجھ سے سنت (حکم شرعی) معلوم کرو ایک روایت میں ہے مجھے صرف اس لئے بھلا دیا جاتا ہے تاکہ تم مجھ سے سنت معلوم کرو۔

معلوم ہوا یہ نسیان الا ما شاء اللہ کے تحت داخل ہے اور اللہ پاک نے اس لئے بھلایا ہے تاکہ امت کو عملی طور پر بھی نماز میں سہو و نسیان کی مختلف صورتوں میں مختلف احکام کی تعلیم دی جا سکے نیز امام اگر غسل جنابت کو بھول جائے اور وضو کر کے نماز پڑھانے مصلے پر کھڑا ہو جائے تو اچانک یاد آ جانے پر کیا کرے اور مقتدیوں کو اس صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔

چنانچہ حدیث کی کتابوں کے ابواب الصلوٰۃ میں "سجود سہو" کے طویل الذیل ابواب حدیث کی ہر کتاب میں موجود ہیں۔

۲۔ اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیغمبرانہ خصوصیت تھی:

تنام عینی ولا ینام قلبی	میری آنکھیں تو سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

یعنے آپ کتنی ہی گہری نیند سوئیں مگر دل بیدار اور اس کا احساس وشعور برقرار رہتا ہے اسی لئے علماء اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ناقض وضو نہیں ہے مگر اس کے باوجود لیلۃ التعریس کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ حتیٰ کہ حضرت بلالؓ بھی جنہوں نے وقت پر بیدار کرنے کا ذمہ لیا تھا سب ایسے سوئے کہ سورج کی تیز و تند شعاعوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اس کے بعد صحابہ کو بیدار کیا اور پھر وقت مکروہ نکل جانے کے بعد سب نے وضو کر کے سنتیں اور نماز فرض باجماعت مع اذان و

اقامت ادا کی۔ معلوم ہوا یہ نوم (نیند) آپ پر صرف اس لئے مسلط کی گئی تھی کہ نماز باجماعت قضا کرنیکی عملی تعلیم دی جا سکے۔ صحابہ اس واقعہ میں بڑے گھبرائے کہ نہ ہم آخر شب میں پڑاؤ کرنے کی درخواست اور اصرار کرتے نہ آپ کی نماز قضا ہوتی، دیکھئے خدا کا کوئی عذاب ہم پر نازل نہ ہو، اس لئے آپ نے مطمئن فرمادیا ان ذالك وادفیه شیطان (اس وادی میں کوئی بڑا خبیث شیطان تھا) اور حضرت بلال کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے مجبوری و معذوری کا اظہار ان الفاظ میں کرادیا اخذ بنفسی الذی اخذ بنفسك (میری جان پر بھی اسی نے قبضہ کرلیا تھا جس نے آپ کی جان پر قبضہ کیا تھا) اسی طرح "نسیان" کے مذکورہ بالا واقعہ میں آپ نے مسلمانوں کے اطمینان وتطیب خاطر اور امت کی تعلیم کے لئے کہ اگر امام بھول جائے تو مقتدی اُسے یاد دلادیں فرمایا:

انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون — میں بھی تم ہی جیسا انسان ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں

فاذا نسیت فذکرونی — بھی بھولتا ہوں جب میں بھول جاؤں تو تم یاد دلایا کرو

دیکھئے ایک طرف نبی کے اعمال وافعال کی حفاظت وصیانت کا یہ عالم ہے کہ لاعلمی میں نعلین متقذرین (گندی جوتیوں) کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں تو فوراً جبرئیل امین کو بھیجکر اطلاع دیجاتی ہے اور سب کی نماز کو فساد سے بچایا جاتا ہے دوسری طرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام صحابہ کے ساتھ محو خواب راحت ہیں اور فجر کا وقت نکل جاتا ہے اور جبرئیل امین کو بھیجکر بیدار نہیں کرایا جاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہو نہیں رہا تھا بلکہ کرایا جارہا تھا

ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں،

صرف اس لئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عملی طور پر احکام الٰہیہ کی تعلیم دے سکیں۔ اس پر بھی امت کو احکام الٰہیہ کے سمجھنے میں جو شبہات پیدا ہوتے ان کو لسانی تعلیم سے دور کیا جاتا چنانچہ اسی لیلۃ التعریس کے واقعہ میں صحابہ یہ سمجھکر کہ فجر کی نماز ہم نے باجماعت پڑھ تو لی مگر فجر کے وقت میں تو نہ پڑھی، عرض کرتے ہیں:۔

افلا نقضیها لوقتها من الغد — کیا ہم اس نماز کو کل اس کے وقت پر نہ پڑھ لیں۔

آپ کس قدر دلنشین اور تسلی بخش جواب دیتے ہیں۔

نهاکم ربکم عن الربٰو ویقبله منکم؟ — تمہارے رب نے تم کو تو سود سے منع کیا ہے اور خود تم سے وہ سود لیگا؟

Marfat.com

یعنے ایک نماز کی ایک ہی قضا ہونی چاہیئے نہ کہ دو، رہا وقت تو وہ تو لوٹایا نہیں جا سکتا۔ اور آئندہ کے لئے عام ضابطہ بتلا دیا:۔

لا تفریط فی النوم انما التفریط	سونے کی حالت میں کوئی تقصیر نہیں، تقصیر تو صرف بیداری
فی الیقظۃ فاذا سہی احدکم	میں ہے پس تم میں سے جس شخص کی کوئی نماز سہو (یا سو جانے
عن صلوٰۃ فلیصلہا اذا ذکرہا	کی وجہ سے) رہ جائے تو جب یاد آجائے اسی وقت پڑھ لو
فان ذلک وقتہا ومن الغد	یہی اس کا وقت ہے۔ اور اگلے دن وقت پر نماز پڑھو،
للوقت ۔(سنن ابی داؤد ص ۶۳)	(اسے قضا نہ ہونے دو)

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیانِ جواز اور تعلیم اُمت کی ضرورت سے خلاف اولیٰ یا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی کام ہی کر سکتے ہیں جان بوجھکر چار کے بجائے دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیر سکتے، یاد ہوتے ہوئے جنابت (ناپاکی) کی حالت میں مصلے پر تو نہیں کھڑے ہو سکتے، بیداری میں جان بوجھکر نماز تو نہیں چھوڑ سکتے لہذا اللہ تعالیٰ نے سہو و نسیان اور نیند کو آپ پر مسلط کر کے ان حالات سے متعلق عملی تعلیم کا — جو سب سے زیادہ موثر تعلیم ہے — انتظام فرما دیا اسی لئے ایسے مواقع پر کبھی نکیر یا عتاب و تنبیہ نہیں فرمائی۔

بہر صورت یہ قطعی اور یقینی امر ہے اور قرآن کریم کی نصوص (صریح آیات) اس کی قطعی دلیل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل و عمل — باستثنا ان امور کے جو آپ کی ذات سے مخصوص، ہیں اور ان کی خصوصیت کی تصریح یا قطعی دلیل موجود ہے — حکم شرعی اور حجت شرعیہ (شرعی دلیل) ہے صرف اس لئے کہ آپ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے قرآن اس کا شاہد ہے۔ یہی معنی ہیں آپ کے معصوم الفعل ہونے کے۔

معصوم الرائے (الاجتہاد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے مذکورہ ذیل حکم

انا انزلنا الیک الکتاب	بیشک ہم نے تم پر برحق کتاب اُتاری ہے تاکہ اللہ نے
بالحق لتحکم بین الناس بما	تم کو جو بتلایا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان احکام
اراک اللہ (النساء ع ۱۵)	جاری کرو۔

کے تحت ایسے امور جن میں کوئی نص وحی متلو یا غیر متلو نہ ہوتی تھی۔ ان میں اپنی رائے اور اجتہاد سے حکم فرماتے تھے علما لکھتے ہیں کہ آپ اوّل نزول وحی کا انتظار کرتے اگر وحی نازل نہ ہوتی اور نہ نازل ہونے کی توقع باقی رہتی تو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے "اصول تشریع احکام" کے تحت (جن کا ذکر آئندہ آیات میں مستقل عنوان کے تحت آتا ہے) اپنی رائے اور اجتہاد سے حکم فرما دیتے۔ اس حکم پر اللہ تعالیٰ کا آپ کو برقرار رکھنا ہی اُس کے قطعی اور من عند اللہ ہونے کی دلیل ہو ایعنی اگر وہ حکم تشریعی حیثیت سے مناسب نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فوراً اس پر متنبہ فرما دیتے اس لئے کہ وحی متلو اور غیر متلو دونوں کا سلسلہ جاری تھا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ یہ اعلان بھی فرما چکے تھے۔

ومانیطق عن الھوٰی	اور وہ (نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا (جو وہ کہتا ہے) وہ تو
ان ھو الا وحی یوحیٰ (النجم ع ۱)	صرف وحی ہوتی ہے جو اس کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بھی یہ اعلان کرا دیا گیا تھا۔

قل ما یکون لی ان ابدلہ من	کہہ دو: میرے لئے ممکن نہیں کہ میں اسکو اپنی طرف سے بدل دوں
تلقاء نفسی ان اتبع الا ما	میں تو صرف اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس
یوحیٰ الی (یونس ع ۲)	وحی بھیجی جاتی ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اجتہادی حکم پر برقرار رکھنا اس کی قطعی دلیل ہے کہ وہ حکم حجتِ شرعیہ ہے اور من عند اللہ ہے اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس "رائے" اور "اجتہاد" کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں۔

روی عمرو بن دینار ان رجلا قال	عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر سے کہا:
لعمر: احکم بما اراک اللہ قال	جو اللہ نے آپ کو سمجھایا ہے اس (رائے) کے مطابق حکم کیجئے
مہ، انما ھذا للنبی صلی اللہ	تو انھوں نے فرمایا: چپ رہ (یہ اپنی رائے سے حکم کرنا) تو رسول
علیہ وسلم خاصۃ۔	اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور برسر منبر دوسرے لوگوں کو اس رائے اور اجتہاد کا دعویٰ کرنے اور اس لفظ کو استعمال کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد اور اُمت کے اجتہاد میں فرق واضح کرتے ہیں۔

Marfat.com

عن عمر رضی اللہ عنہ قال لا یقولن احدکم قضیت بما ارانی اللہ، فان اللہ لم یجعل ذالک الا لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ ہرگز نہ کہے: جو اللہ نے مجھے سمجھایا اس کے مطابق میں نے فیصلہ کیا ہے" اس لئے کہ اللہ نے یہ مرتبہ صرف اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے

وفی روایۃ البیہقی بسندہ عن عمر بن الخطاب انہ قال علی المنبر یا ایہا الناس ان الرأی انما کان من رسول اللہ مصیباً لان اللہ تعالیٰ کان یریہ وانما ہو منا الظن والتکلف

(مفتاح الجنۃ للسیوطی فی الاحتجاج بالسنۃ)

بیہقی کی روایت میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایکمرتبہ انھوں نے فرمایا اے لوگو! بیشک رائے تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یقینی اور صحیح ہوتی تھی اس لئے کہ اللہ پاک آپ کو (وحی خفی کے ذریعہ) بتلاتا تھا اور ہماری رائے تو محض ہمارا گمان (غالب) ہوتا ہے اور وہ بھی (کتاب وسنت میں) بڑے غور وفکر اور مشقت کے بعد۔

اسی طرح ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن ابن عباس قال: ایاکم والرأی، فان اللہ قال لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولم یقل بما رأیت۔

منذر بن ابی حاتم (بسندہ) حضرت ابن عباسؓ سے روایات کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: تم (شخصی) رائے سے احتراز کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبی کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ جو اللہ نے تمکو بتلایا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرو یہ نہیں فرمایا: جو تم مناسب سمجھو فیصلے کرو۔

شیخ ابو المنصور ماتریدی رحمہ اللہ بما اراک اللہ کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:

معنی الآیۃ. بما اراک اللہ بالنظر فی الاصول المنزلۃ وقال فیہ دلیل علی جواز الاجتہاد فی حقہ (تفسیر مظہری ص) (سورۃ النساء)

آیت بما اراک اللہ کے معنی یہ ہیں کہ "نازل شدہ اصول تشریع میں غور وفکر کرکے فیصلہ کرو" اور فرمایا: یہ آیت آپ کے اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے۔

شیخ ابو المنصور ماتریدیؒ کی اس تفسیر کی تائید حضرت قتادہؓ کے مذکورہ ذیل اثر سے ہوتی ہے

اخرج عبد بن حمید عن قتادۃ

عبد بن حمید، حضرت قتادہ سے ما اراک اللہ کی

لتحکم بین الناس بما اراك اللہ قال تفسیر بما سن لك (جو اصول اللہ نے تمہارے لئے
بما سن لك۔ مقرر فرمائے ہیں) سے نقل کرتے ہیں۔

اسی لئے شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ اس "رائے"، اور اجتہاد کو بھی "وحی"، کا مصداق قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ اصول سرخسی (ج ۲ ص ۶۰) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریع احکام کے چار طریقے بتلاتے ہیں اور وحی کی چار قسمیں بیان کرتے ہیں۔

(۱) وحی ظاہر جلی ! جو وحی متلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے (حضرت جبریل) کے ذریعہ آتی تھی (پورا قرآن اس کا مصداق ہے)

(۲) وحی ظاہر خفی ! وہ وحی غیر متلو جو بذریعہ فرشتہ کے یا بصورت القاء فی القلب آپ کے پاس آتی تھی

(۳) وحی باطنی ! پیش آمدہ مسائل و واقعات وجزئیات میں کافی غور وخوض کے بعد جو علم ویقین آپ کے قلب میں من جانب اللہ پیدا کر دیا جاتا تھا اور آپ بدون تذبذب وتردد حکم فرما دیتے تھے یہ علم ویقین ہی وحی الٰہی ہے۔

(۴) مایشبہ الوحی (یا وحی مآلاً) ! ہر سہ قسم کی وحی نہ ہونے کی صورت میں نزول وحی کا کافی انتظار کر چکنے کے بعد آپ نے جو احکام اپنی رائے (اجتہاد) سے یا صحابہ کے مشورہ سے نافذ کئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو برقرار رکھا (یعنے اس کے خلاف کوئی تنبیہ نہیں کی گئی)

اول تینوں قسموں کی وحی کے احکام قطعی ویقینی احکام الٰہیہ ہیں چوتھی قسم کی وحی کے احکام منجانب اللہ تقریر (برقرار رکھنے) کے بعد قطعی اور یقینی ہو جاتے ہیں بالفاظ دیگر پہلی تین قسم کی وحی کے احکام میں غلطی کا مطلق امکان نہیں چوتھی قسم کے احکام میں ابتداءً غلطی کا امکان ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے سکوت فرمانے اور برقرار رکھنے کے بعد وہ بھی قطعی ہو جاتے ہیں۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم

وشاورھم فی الامر فاذا اور اُن (صحابہ) سے (اجتہادی) امر میں مشورہ کیا

Marfat.com

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ۔ کیا کرو پس جب (کسی رائے پر) تمہارا دل ٹھک جائے تو بھروسہ اللہ پر کرو (اور حکم دیدو)

(آل عمران ع ۱۷، ع ۴)

کے تحت صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے پر بھی مامور تھے اور ظاہر ہے کہ مشورہ "غیر منصوص" اور "اجتہادی امور" میں ہی کیا جا سکتا ہے اس لئے آپ حسب ضرورت مذکورہ بالا قسم کے اجتہادی امور صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے بھی طے کیا کرتے تھے۔

جو علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمامتر احکام تشریعیہ ــــ اوامر ونواہی، قضا ومعاملات غرض جملہ تشریعی اقوال وافعال اور تقریر (بیان سکوتی) ــــ کو آیت کریمہ وما ینطق عن الھوٰی الآیۃ اور ان اتبع الا ما یوحی الی وغیرہ آیات کی بنا پر وحی الٰہی جلی یا خفی پر مبنی قرار دیتے ہیں اور رائے واجتہاد کے ذریعہ احکام نافذ کرنے کو ان نصوص کے خلاف سمجھتے ہیں وہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں مشورہ کے حکم کو "حربی امور" یا "دنیاوی معاملات" سے مخصوص قرار دیتے ہیں۔

حالانکہ آپ عنقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادی احکام کی مثالوں کے ذیل میں پڑھیں گے کہ آپ نے خالص "تعبدی" اور "حقوق اللہ" سے متعلق امور میں بھی صحابہ سے مشورہ کیا ہے اور اُن کے مشورہ اور اپنے اجتہاد سے احکام نافذ کئے ہیں (تفصیل کے لئے مراجعت کیجئے اصول سرخسی ج ۲ ص ۹۰ کی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اجتہادی احکام

ہم ذیل میں بطور "مشتے از خروارے" ہر دو قسم کے چند ایسے احکام بیان کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی صرف اپنی رائے سے اور کبھی صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد نافذ فرمائے۔

۱۔ خولہ بنت ثعلبہ کو اس کا شوہر اوس بن صامت غصہ میں " انت علی کظھر امی " (تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مانند ہے) کہہ بیٹھا۔ یہ اسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ تھا۔ خولہ روتی پیٹتی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور واقعہ بیان کیا اور اسی کے ساتھ اپنی بے کسی اور بے بسی کا شکوہ بھی کیا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جوانی میری ختم ہوگئی اب میں کہاں

جاؤں آپ نے فرمایا:

ما اراک الا قد حرمت علیہ — میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہو گئی

رؤف ورحیم پروردگار نے خولہ اور اس جیسی بے کس ولاچار عورتوں پر ترحم فرمایا اور ذیل کی آیات اسی وقت نازل فرما دیں۔

قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا وتشتکی الی اللہ واللہ یسمع تحاورکما ان اللہ سمیع بصیر (مجادلہ ع ۱) — بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی (اور جھینکتی تھی)۔ اور اللہ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا بیشک اللہ بہت سُننے اور بہت دیکھنے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم حرمت اجتہادی تھا اللہ تعالیٰ نے اس حرمت کو تو باقی رکھا چنانچہ اُمت اس پر متفق ہے کہ ظہار سے بیوی حرام ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے بھی آیت کریمہ:۔

وانھم لیقولون منکراً من القول وزوراً — اور بیشک وہ ایک جھوٹی اور بری بات زبان سے کہہ ڈالتے ہیں۔

سے حرمت کی تائید فرمادی مگر کفارۂ ظہار ایک مستقل حکم شرعی نازل فرما کر اس حرمت کو ختم کرنے کی راہ پیدا کر دی۔

۲۔ ایک انصاری صحابی ھلال بن اُمیتہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

البینۃ والاحدٌ فی ظھرک (ابو داؤد ص ۳۰۶) چار گواہ لاؤ ورنہ تمہیں حدّ قذف " لگائی جائے گی یعنی تم دونوں میں سے ایک کو حد ضرور لگے گی اگر تم نے (چار عینی) گواہ پیش کر دیئے تو تمہاری بیوی کو حد زنا لگے گی ورنہ تم کو حد قذف لگے گی (تہمت لگانے کی سزا اسّی کوڑے)

اس نے عرض کیا یا رسول اللہ شوہر اپنی بیوی کو اس حالت میں دیکھ کر چار گواہوں کو بلانے جائیگا یا تلوار لیکر دونوں کا کام تمام کرے گا؟ اور اتنے وہ گواہوں کو بلائے گا اتنے میں تو وہ اپنا کام بنا کر رفوچکر ہوگا؟ آپ نے فرمایا شریعت کا حکم یہی ہے یا چار گواہ لاؤ ورنہ تمہیں حد قذف لگے گی۔ اس نے بھی رؤف ورحیم پروردگار کی رأفت کا سہارا لیا اور عرض کیا۔

Marfat.com

والذی بعثک بالحق انی لصادق ولینزلن اللہ فی امری ما یبرئ ظہری من الحد (سنن ابی داؤد ص ۳۰۶)

قسم ہے اس پروردگار کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا میں بالکل سچا ہوں اور مجھے یقین ہے میرے معاملہ میں ضرور اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نازل فرمائیں گے جو مجھے حد قذف سے بچا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے از راہ رافت، ازدواجی رشتہ کی نزاکت اور شوہر کی بے بسی و بیچارگی کے پیش نظر مذکورہ ذیل آیات میں لعان کا ایک مستقل حکم شرعی نازل فرما دیا جو بیوی کے حق میں (اگر وہ جھوٹی ہو) بمنزلہ "حد زنا" ہے اور شوہر کے حق میں (اگر وہ جھوٹا ہو) بمنزلہ "حد قذف" ہے۔

والذین یرمون ازواجھم ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء الا انفسھم الآیۃ

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کا) الزام لگاتے ہیں اور اپنے سوا چار گواہ نہیں پیش کرتے تا آخر آیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ظاہر ہے اجتہادی تھا والذین یرمون المومنات المحصنات کے عموم میں شوہر بھی داخل تھا اگر حکم لعان نازل نہ ہوتا تو یقیناً اس پر حد قذف لگتی۔

۳۔ ایک خثعمیہ عورت نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ دریافت کیا کہ میرے باپ پر حج فرض ہو گیا ہے اور کبر سنی اور کمزوری کی وجہ سے وہ سفر کر نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

ارأیت لو کان علی ابیک دین فقضیتہ اکان یقبل منک

تو بتلا! اگر تیرے باپ پر کوئی قرض ہوتا اور تو اس کو ادا کرتی تو وہ قبول ہوتا یا نہیں۔

یہ حکم اجتہادی ہے آپ نے "دین اللہ" کو "دین العبد" پر قیاس فرمایا۔

۴۔ مدینہ طیبہ میں جب اطمینان و سکون کے ساتھ مسجد نبوی میں با جماعت نماز پنجگانہ ہونے لگی تو نمازیوں کو اوقات جماعت کی اطلاع دینے کا سوال پیدا ہوا سنن ابی داؤد کی روایت کے الفاظ ہیں

اھتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ کیف یجمع الناس لھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکر مند ہوئے کہ کس طرح لوگوں کو نمازوں کے لئے جمع کریں۔

تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا کسی نے کہا: کسی اونچی جگہ پر آگ جلا دی جایا کرے، آپ نے فرمایا: آگ تو مجوسیوں کا شعار ہے ان سے تشبہ ہوگا، کسی نے رائے دی

"گھنٹہ بجوا دیا جایا کرے" حضور نے فرمایا: یہ نصرانیوں کا شعار ہے "کسی نے کہا بوق (بھونپو) بجوا دیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ یہودیوں کا شعار ہے۔ غرض کافی غور وخوض کے باوجود کوئی مستقل اور اسلام کے شایان شان تجویز سمجھ میں نہ آئی اور اسی فکر میں غلطاں وپیچاں لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ عبداللہ بن زید بن عبد ربہ بھی اس مجلس شوریٰ میں شریک اور فکرمند تھے اُنھوں نے اسی رات آخر شب میں خواب دیکھا اور صبح ہوتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوکر پورا خواب اور ملک نازل من السماء کی بتلائی ہوئی اذان واقامت کے کلمات بیان کئے اس پر حضور نے فرمایا انہا لرؤیا حق (بیشک یہ بالکل سچا خواب ہے) اور فرمایا تم بلال کو یہ کلمات تلقین کردو وہ اذان دیا کریں گے اس لئے کہ ان کی آواز تم سے بہت زیادہ بلند ہے چنانچہ اسی وقت سے حضرت بلال نے اذان دینی شروع کردی اور آج تک وہی اذان واقامت تمام روئے زمین پر دائرہ سائرہے۔ حضرت عمر فاروق نے بھی بعینہٖ یہی خواب دیکھا تھا وہ اذان کی آواز سُنکر دوڑے ہوئے آئے اور اپنے خواب کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تذکرہ کیا اس پر آپ نے فرمایا "فللّٰہ الحمد" اور اصول سرخسیؒ کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا "اللہ اکبر، ھٰذا اثبت"۔

لہٰذا اذان ابتداً آپ کے اجتہاد سے مشروع ہوئی مشورہ کرنا اس کی دلیل ہے اور ظاہر ہے کہ اذان خالص تعبدی امر ہے اور حقوق اللہ میں سے ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ ع ۹ میں آیت کریمہ واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزوا (الآیۃ) اور سورہ جمعہ میں آیت کریمہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ الآیۃ نازل فرماکر اس اجتہادی حکم کی تصدیق وتوثیق فرمادی۔

(۵) اسی طرح اُساریٰ بدر سے فدیہ لینے کا فیصلہ اور حکم بھی (جس کی تفصیل گذر چکی ہے) اجتہادی تھا اور صحابہ کے مشورہ سے ہوا تھا صرف حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھ ایک دو صحابہ کی رائے تھی کہ ان سب کو قتل کیا جائے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے قریب تر رشتہ دار کو قتل کرے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور عام صحابہ کی رائے تھی کہ "زر فدیہ" لے لیا جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے بھی یہی تھی اسی پر فیصلہ ہوا اور آپ نے فدیہ لینے کا حکم دے دیا اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد سورہ محمد میں جنگی قیدیوں کے متعلق تفصیلی حکم بیان فرمایا۔ یہ بھی خالص تعبدی امر ہے اور حقوق اللہ میں سے ہے۔

Marfat.com

یہ تو صرف چند اجتہادی احکام بطور مثال ہم نے نقل کئے ہیں۔ حدیث کی متداول کتب عشرہ کے پڑھنے پڑھانے اور مزاولت رکھنے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ تشریعی زندگی خصوصاً مدنی زندگی کے تمام روز و شب سفر میں ہوں یا حضر میں، درون خانہ ہوں یا بیرون خانہ، تشریع احکام میں صرف ہوئے ہیں ہر وقت لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دین کے مسائل و احکام دریافت کرتے اور آپ بتلاتے تھے۔ حافظ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) نے تو اپنی مشہور کتاب اعلام الموقعین جلد چہارم کا آخری باب ہی۔

فصول یسیر قدرها عظیم من فتاویٰ امام المتقین رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم

رکھا ہے اور بڑی تقطیع کے ۵۰ صفحات پر ان مسائل اور فتاویٰ کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے جو آپ سے مختلف اوقات میں دریافت کئے گئے، جن کی تعداد ۶۶۶ تک پہونچتی ہے اور ان میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق احکام شرعیہ آپ نے بتلائے ہیں کچھ وحی جلی یا خفی کے ذریعہ اور کچھ اپنے اجتہاد سے۔ ملاحظہ فرمائیے اعلام الموقعین ج ۴ از ص ۲۶۶ تا ص ۴۱۴ جدید ایڈیشن مطبوعہ مصر

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ پر ایمان اور تشریع احکام پر تفصیلی اور عقیدت مندانہ نظر رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کے بیشتر احکام کی تشریع کا ماخذ وحی خفی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد اجتہادی بصیرت ہے اور نص بما اراک اللہ اس کی قطعی دلیل ہے۔

لہٰذا مذکورہ بالا آیات سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم القول بھی تھے اور معصوم العقل اور معصوم الرائے بھی تھے اسی کے ساتھ ساتھ ما نزل الیہم کی تشریح و تعبیر اور تشریع احکام پر مامور بھی تھے، جس کی تفصیل آیت نمبر (۵) کے ذیل میں آتی ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل حجت شرعیہ ہے اور آپ کے تمام تر احکامات خواہ اوامر ہوں یا نواہی، قولی ہوں یا فعلی، بیان سکوتی ہو یا لسانی سب احکام الٰہیہ ہیں اور من جانب اللہ ہیں، ان ہی کو بتلانے سکھلانے اور لسانی و عملی تعلیم دینے کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس ۲۳ سالہ تشریعی زندگی خصوصاً "مدنی" زندگی

کے تمام روز و شب سفر میں ہوں یا حضر میں، درونِ خانہ ہوں یا بیرونِ خانہ، مسجد نبوی کے منبر پہ ہوں یا میدانِ جنگ کے محاذ پر، سب تشریع احکام الٰہیہ میں صرف ہوئے ہیں۔

اسی "مجموعۂ اقوال و افعال اور امر و نواہی" کو جس کا شرعی نام سنت رسول ہے۔ مذکورۃ الصدر آیت کریمہ میں ما آتاکم الرسول اور ما نہاکم الرسول سے تعبیر فرمایا ہے اور واجب القبول اور مفروض الطاعت قرار دیا ہے اور صحیح مسلم کی مذکورۃ الصدر حدیث صحیح میں ولایمان بما جئت به کے عنوان سے صحت ایمان کا اس پر مدار رکھا ہے۔ اسی لئے باتفاق امت توحید و رسالت کے ساتھ ساتھ ماجاء به الرسول پر ایمان لانا فرض ہے نیز منکر سنت رسول کافر اور مباح الدم ہے اور تارک سنت رسول فاسق اور مستحق عذاب الیم ہے اور کتاب و سنت کی نصوص صریحہ میں تاویل و تحریف کرنے والا ملحد و زندیق اور آیت کریمہ ذیل کا مصداق ہے

ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا افمن یلقی فی النار خیر ام من یاتی آمنا یوم القیمہ اعملوا ماشئتم انه بما تعملون بصیر

(حم السجدہ رکوع ۴ جزو ۲۴)

بیشک جو لوگ کجراہی (اختیار) کرتے ہیں ہماری آیات میں وہ ہم پر مخفی نہیں ہیں، کیا وہ جو ڈالا جائے جہنم میں بہتر ہے یا وہ جو آئے قیامت کے دن امن (و سلامتی) کے ساتھ؟ کرلو جو چاہو بیشک وہ تمہارے اعمال کو (اچھی طرح) دیکھ رہا ہے۔

تنبیہ[1]: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمام تر احکامات خواہ اوامر ہوں یا نواہی، لسانی ہوں یا سکوتی اور آپ کے تمام تر تشریعی اعمال و افعال جن کو مذکورۃ الصدر آیت کریمہ میں ما آتاکم الرسول اور ما نہاکم الرسول سے تعبیر کیا گیا ہے یہی "مصادیق و مشمولات" سنت ہیں یہ اس قدر تفصیلی، وافر اور محیط ہیں کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے لئے اس میں احکام شرعیہ موجود نہ ہوں عبادات ہوں یا معاملات و احکام، اصولِ قضا و فصل خصومات ہوں یا حدود و قصاص اور جنایات و تعزیرات، اقتصادیات و معاشیات ہوں یا سیاسیات و عمرانیات ہوں۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے مقالہ "تصور سنت" ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ جولائی ۶۳ء شمارہ ۱ ج ۲ یہ پوری تنبیہ ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ مقالہ کے جوابات پر مبنی ہے واوین (" ") کے درمیان الفاظ اسی مقالہ کے الفاظ ہیں ۱۲

Marfat.com

فضائل اخلاق و اعمال ہوں یا تزکیۂ روحانی کی تعلیمات، غرض حیات انسانی کی "جملہ دقیق تفصیلات" کے لئے کتاب اللہ کے بعد "شرعی احکام و قوانین" کا ماخذ آپ کے یہی اقوال و افعال ہیں ان احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "وافر ذخیرہ" "کتب حدیث" کے اندر موجود اور ہر طرح کی رخنہ اندازی سے محفوظ ہے اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا جیسے قرآن عظیم۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ ہم "چیلنج" کرتے ہیں کہ منکرینِ سنتِ رسول بجز "حوادث و نوازل" اور ان "جزئیات" کے جو وقت کی پیداوار ہوتی ہیں اور کسی بھی انسانی زندگی کے شعبہ کو پیش کریں جس کے لئے کتاب و سنت میں قابل عمل اصول و احکام موجود نہ ہوں۔

اور اس قدر "واضح" اور "صریح" احکام و قوانین ہیں کہ ملحدین و زندیقین کے لئے بجز تحریف و تاویلِ کتاب و سنت اور "ادعاءِ وضعِ حدیث" کے اور کوئی راہ فرار نہیں۔ اسی میں وہ اپنا زور قلم صرف کر رہے ہیں اعاذنا اللہ عنہ

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے بائیس سال کی طویل مدت میں تدریجی طور پر کتاب و حکمت (سنت) نازل فرما کر نوعِ انسانی کو رہتی دنیا تک کے لئے ایک ایسا "جامع و منضبط" "مجموعۂ قوانین و احکام" اور ایسا "مفصل و مرتب" نظام حیات عطا فرمایا ہے کہ ایک "اوقاتِ نماز اور اس کی جزئیات" تو کیا کسی بھی حکم شرعی میں کسی بھی قسم کی لچک اور جھول جھال (لا تَعَیُّنی کی کیفیت) کا نام تک نہیں۔

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے ڈھائی ماہ قبل نویں و دسویں اور بارھویں ذوالحجہ سنہ ھ کو جمعہ کے دن ایک لاکھ چوبیس ہزار یا چالیس ہزار انسانوں کے محیر العقول اور عظیم ترین اجتماع میں جو تاریخ اسلام کا بے مثل و بے نظیر اور منفرد قسم کا اجتماع ہے ایک طرف اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (مائدہ ۶ ج ۱)	آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا۔

نازل فرما کر یہ بتلا دیا کہ دینِ الٰہی کی وہ عمارت جس کی خشتِ اوّل حضرت نوح علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں نے رکھی تھی، ارشاد ہے:

شرع لکم من الدین ما وصینا بہ	مقرر کیا تمہارے لئے وہی دین جس کا ہم نے حکم دیا
نوحا والذی اوحینا الیک وما	تھا نوح علیہ السلام کو اور جس کی وحی (بھیجی) تمہاری طرف اور
وصینا بہ ابراھیم وموسی وعیسی	جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیمؑ کو اور موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو
ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا	کہ قائم رکھو دین (توحید) کو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو

(سورۂ شوریٰ ۲۶ ج ۲۵)

آج اس کی تکمیل کر دی گئی۔

دوسری طرف خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوب اُمت سے اپنے آخری خطاب میں جو کانہا موعظۃ مودع (گویا آپ کا وہ خطبہ رخصت ہونے والے کی نصیحت تھی) کا مصداق تھا اس عمارت کی خشتِ آخریں ذیل کے کلماتِ طیبہ:

انی قد[1] ترکت فیکم ما ان اعتصمتم	بیشک میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر
بہ لن تضلوا ابدا امرین اثنین	تم نے اس کو پکڑے رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہو سکے کبھی بھی
کتاب اللہ وسنۃ نبیکم اسمعوا ما	(وہ) دو امر ہیں (ایک) کتاب اللہ (دوسرے) تمہارے
اقول لکم تعیشوا بہ (مفتاح الجنۃ	نبی کی سنت (اچھی طرح) سن لو جو میں تم سے کہہ رہا ہوں
للسیوطی الترغیب فی الاعتصام بالسنۃ)	اسی (کے سہارے) زندگی گذارنا۔

کے ذریعہ رکھکر خدا اور رسول دونوں نے دین کی تکمیل کا قیامت تک کے لئے اعلان فرما دیا۔

واضح ہو کہ یہ کسی ایک کتاب حدیث مثلاً صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی روایت نہیں جسے کوئی منکر حدیث "تحریک حدیث کے وجود میں آنے کے بعد کی پیداوار" کہہ کر رد کر سکے، یہ حجۃ الوداع کے سہ روزہ خطبات کا ایک ٹکڑا ہے جو حد تواتر کو پہنچ چکے ہیں اور ابن ہشام نے امام سیرت محمد بن اسحٰق

---

[1] حدیث کی قدیم ترین مدوّن کتاب موطا امام مالکؒ میں بھی یہ حدیث ص ۳۴۳ پر النہی عن القول فی القدر کے تحت ذیل کے الفاظ میں موجود ہے "مالکؒ انہ بلغہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ نبیہ" ڈاکٹر فضل الرحمٰن، سنت رسول اللہ کے مقابلہ پر سنت جاریہ کے موجد اور سنت کو ایک تعاملی اصطلاح قرار دینے والے محقق صرف موطا مالک کو حدیث کی مستند کتاب مانتے ہیں انہیں کی خاطر سے ہم نے یہ موطا کا حوالہ دیا ہے، اب ڈاکٹر صاحب فرمائیں:

ع چیست یاراں طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

Marfat.com

سے سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۲۷۵ و ۲۷۶ پر روایت کیا ہے اور ذیل کے کلمات طیبہ سے یہ خطبہ شروع ہوتا ہے۔

ایھا الناس! اسمعوا قولی فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا بھذا الموقف ... الی ان قال: قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا ابداً امراً بیناً کتاب اللہ وسنۃ نبیہ الی ان قال: "اللھم ھل بلغت" فذکر لی ان الناس قالوا "اللھم نعم" فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم اشھد	اے لوگو! سن لو میری بات اس لئے کہ مجھے نہیں معلوم، شاید میں تم سے اس سال کے بعد اس مقام پر نہ ملوں" یہاں تک کہ فرمایا: "میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم نے اس کو پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے (بالکل) وہ ایک واضح امر، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے" یہاں تک کہ فرمایا "اے اللہ کیا میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا؟ ابن اسحٰق نے مجھ سے بیان کیا کہ لوگوں نے (جواب میں) کہا: "اے اللہ ہاں وبیشک)" تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ تو بھی گواہ ہے"۔

بیشک ہم "روایت پرست" ہیں مگر وہ روایات کتاب اللہ کی "آیات بینات" اور سنت رسول کی روایات "نیرات" ہیں۔ یہی آیات و روایات "ہمارا وثیقہ ایمان و نجات ہیں والحمد للہ علی ذالک

ہاں ہم وہ "ہوا پرست" اور "اوہام پرست" یقیناً نہیں ہیں جن کی عقیدت و ایمان کی باگ ڈور "ہوائے نفس" اور "سفید فام مشککین (شک ڈالنے والوں) و مریبین" (شبہات پیدا کرنیوالوں) کے ہاتھوں میں ہے اور قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت کریمہ کا مصداق ہیں:

افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ فمن یھدیہ من بعد اللہ افلا تذکرون سورہ جاثیہ ع ۳۶ ۲۵	کیا پس دیکھا تو نے (اے مخاطب) اس شخص کو جس نے اپنی خواہش (نفس) کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اس کو سمجھ بوجھ کر گمراہ قرار دیدیا اور اس کے کان پر اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر (خواہشات کا) پردہ ڈالدیا اب اللہ کے (گمراہ قرار دینے کے) بعد اس کو کون ہدایت دے؟ کیا (اب بھی) تم عبرت نہیں پکڑتے؟

سُنّت رسول بھی منزّل من اللہ ہے

آیت کریمہ (۲) وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت کریمہ ذیل میں اپنے "فضل عظیم" اور "نعمت عظمیٰ" سے آگاہ فرماتے ہیں تاکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس فضل و نعمت کی قدر و منزلت اور منصب کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کا شکریہ ادا کریں اور اُمت بھی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیماً (سورۃ النساء، ع ۱۶ ج ۵)

اور اے نبی اللہ نے تم پر کتاب نازل فرمائی اور حکمت اور تم کو اُن علوم کی تعلیم دی جو تم بالکل نہیں جانتے تھے۔ (درحقیقت) تمہارے اُوپر اللہ جل شانہٗ کا بہت بڑا فضل ہے

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کتاب کی طرح حکمت بھی منزل من اللہ ہے اور نعمت خاصہ

تعلیم مالم یعلم ہے

اور ان ہی تینوں "منابع علمی" (علمی سرچشموں) کی اُمت کو تعلیم دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا ہے اور یہ نوع انسانی پر اللہ رب العالمین کا سب سے بڑا انعام و احسان ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

(۲) کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم اٰیتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم

(یہ تحویل قبلہ کا احسان ایسا ہی ہے) جیسے ہم نے تمہارے لئے ایک رسول بھیجا تم ہی میں سے جو ہماری آیات تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے۔ اور تم کو (رذائل سے)

Marfat.com

تکونوا تعلمون (البقرۃ ع ۱۷ ج ۲) — پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اُن علوم کی تعلیم دیتا ہے جن کو تم مطلق نہیں جانتے۔

پہلی آیت کریمہ میں قرآن حکیم نے خبر دی ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے کتاب و حکمت اپنے رسول پر نازل فرمائی ہیں اور مالم یعلم کی اسکو تعلیم دی ہے، دوسری آیت کریمہ میں قرآن عظیم شہادت دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کو اسی کتاب و حکمت اور مالم یعلم کی تعلیم دیتے ہیں ان دونوں آیتوں کو ملانے سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:

(الف) اللہ جل شانہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معلّم (علم عطا فرمانے والے) ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے مُعلّم (تعلیم دینے والے) ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ شانہٗ سے جملہ علوم و معارف حاصل کئے اور اُمت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

(ب) منابع علم (علم کے چشمے) تین ہیں۔

۱۔ الکتاب! اس سے مراد وہی کتاب (قرآن ہے) جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (سورۃ بقرہ ع ۱ ج ۱) — یہ (وہی موعود) کتاب ہے، اس میں مطلق شک و شبہ نہیں، یہ ہدایت ہے (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے

۲۔ الحکمت! کے مصداق میں علماء اُمت کے تین قول ہیں۔

(۱) بیشتر محدثین کے نزدیک حکمت کا مصداق حدیث رسول اللہ ہے۔

(۲) فقہاء اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک حکمت کا مصداق علم الشرائع یعنی "احکام فقہیہ شرعیہ" کا علم ہے۔

(۳) علماء "اسرار و حکم" کے نزدیک احکام شرعیہ کے علل و مصالح اور اسرار و حکم کا علم حکمت کا مصداق ہے۔

سُنّت کا لفظ ان تینوں مصداقوں پر حاوی اور جامع ہے اس لئے کہ علوم سنت میں احکام شرعیہ کا تفصیلی بیان بھی موجود ہے علیٰ ہذا علل و مصالح اور اسرار و حکم شرعیہ کا مکمل و محکم بیان بھی موجود ہے اور سنت رسول یعنی رسول اللہ کے اقوال و افعال اور بیان سکوتی جس کا دوسرا نام حدیث رسول اللہ ہی کا بیان یہی موجود ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ الحکمت کا مصداق "السنۃ" ہے اسی لئے تمام اُمت کتاب کے بعد

Marfat.com

دُوسرا ماخذ احکام شرعیہ سنت کو مانتی ہے۔

۳۔ مالم تکن تعلم کا مصداق علم "مغیبات" یعنی "اللہ سبحانہٗ کی ذات وصفات اور مبدأ ومعاد کا وہ ضروری اور تفصیلی علم ہے جو ایمانیات کے ذیل میں احادیث رسول اللہ میں بالتفصیل موجود ومحفوظ ہے چونکہ اس کا تعلق "اعمال واخلاق" کے بجائے اعتقادیات سے ہے اس لئے اس کو کتاب وحکمت (سنت) سے الگ وعلمك مالم تكن تعلم کے عنوان سے ذکر فرمایا اس لئے کہ "مغیبات" کا علم مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف "اصطفا" (برگزیدگی) و "ارتضا" (پسندیدگی) اور مزیت خاصہ (خصوصی فضیلت) کی دلیل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبه احدا	وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ پس اپنے (علوم) غیب پر کسی
الا من ارتضی من رسول فانه یسلك	کو مطلع نہیں کرتا بجز اس رسول کے جس کو برگزیدہ بنالے
من بین یدیه ومن خلفه رصدا	پھر (اس کی حفاظت کے لئے) اس کے آگے پیچھے پاسبان
(سورۃ جن ع ۲ ج ۳)	مقرر کردیتا ہے۔
وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب	اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ تم کو غیب پر مطلع کرے لیکن
ولکن اللہ یجتبی من رسله	اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے انتخاب کرلیتا ہے
من یشاء	(اور بقدر مصلحت وضرورت اسے مغیبات سے واقف
(سورۃ آل عمران ع ۱۷ ج ۴)	کردیتا ہے)

اسی مالم تکن تعلم کے تحت داخل ہیں وہ تمام عقائد اسلامیہ کی تفصیلی تعلیمات اور ان سے متعلق ہدایات جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں واضح اور قطعی طور پر بیان کی گئی ہیں اور اسی مالم تکن تعلم کے تحت داخل ہیں وہ تمام پیشن گوئیوں والی احادیث[لـه] جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لـه خدا رحم فرمائے ان متشککین اور مرتابین پر جو محض اپنے اوہام وقیاسات کی بنا پر تمام "کلامی" پیشین گوئی والی احادیث صحیحہ نیز احادیث فتن کی صحت سے انکار کرتے ہیں خصوصاً حضرت حذیفہ رضؓ جیسے صحابی کی حدیثیں جو صحابہ کرام میں اعلم الناس بالفتن کے نام سے مشہور ومعروف تھے اور تمام صحابہ احادیث فتن کے معلوم کرنے کے لئے ان ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر ونظر بابت ماہ دسمبر ۱۹۶۳ء مقالہ اہل السنۃ والجماعۃ قسط چہارم ص۱۱ اور اسکے ساتھ پڑھئے وہ عظمت وعقیدت حدیث اور ایمان بالحدیث کے بلند بانگ نعرے جو محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے بلند کرتے ہیں، ماہنامہ فکر ونظر بابت ماہ دسمبر ۱۹۶۳ء "شذرات" اور اس کے بعد نعنۃ اللہ علی الکاذبین پڑھیئے اور ان کے دجل وفریب اور نفاق سے ہوشیار رہیئے ۱۲۔

Marfat.com

نے پیغمبرانہ بصیرت کی بنا پر اپنی وفات کے بعد سے قیامت تک پیش آنے والے اہم واقعات و فتن کی خبریں اُمت کو دی ہیں اور اُس وقت کے متعلق احکامات و ہدایات اپنے فرض منصبی کے تحت بیان فرمائی ہیں خصوصاً وہ "اشراط ساعت" (علامات قیامت) جو مادہ پرست اور رُوح و رُوحانیت سے ناواقف اور عالم غیب سے جاہل لوگوں کی عقل و فہم سے بعید و برتر ہیں، حالانکہ عہد حاضر کے سائنسی اکتشافات و ترقیات بھی ان کی تائید و تصدیق کرتی چلی جا رہی ہیں۔

(ج) قرآن حکیم کے عرف میں العلم اور اس کے مشتقات کا مصداق یہی علوم شرعیہ سماویہ ہیں۔ جن کا واحد ماخذ اور ان کے حصول کا واحد ذریعہ کتاب و سنّت یعنی وحی الٰہی ہے۔

یہی وہ علم ہے جس کی زیادتی اور اضافہ کی دُعا کرتے رہنے کی ہدایت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اوتیت علم الاولین والآخرین (مجھے اگلوں اور پچھلوں سب کا علم دیا گیا ہے) مگر حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقل رب زدنی علما (طٰہٰ ع ۵) اور کہا کیجئے اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔

اور یہی وہ علم ہے جس کے حصول پر خوف و خشیت الٰہی کے حصول کا انحصار ہے یا یوں کہئے کہ جس کے حصول کی قطعی اور امتیازی علامت "خشیت الٰہی" ہے ارشاد ہوتا ہے:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر ع ۴) اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے ڈرنے والے تو ہی ہیں جو اہل علم ہیں۔

خوف اور خشیت الٰہی کے بغیر علم کا دعویٰ شیطانی خود فریبی ہے جس کا مشاہدہ عہد حاضر کے "مفکرین" کے گفتار و کردار میں بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

اور یہی وہ علم ہے جس پر انسان کے اہل علم ہونے نہ ہونے اور عالم کہلانے نہ کہلانے کا مدار ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (زمر ع ۱) کیا اہل علم اور غیر اہل علم برابر ہو سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں)

اور یہی وہ علم ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر اور صاحب تورات نبی نے ذیل کے الفاظ کے ساتھ حضرت خضر کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

Marfat.com

هل اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشدًا (کہف ع ۹) — کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ جو رشد و ہدایت کا علم تم کو دیا گیا ہے اس میں سے کچھ تم مجھے سکھا دو۔

اور یہی وہ علم ہے جسے انسان جتنا بھی حاصل کرے تھوڑا ہے ارشاد ہوتا ہے:

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (بنی اسرائیل ع ۱۰) — اور جو علم تم کو دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا سا ہے

وفوق کل ذی علم علیم — اور ہر عالم سے بڑھ کر عالم (موجود) ہے

یہ اور ان جیسی بے شمار آیات میں علم سے وہ علم یقیناً مراد نہیں جس کی موجد و مخترع عقل انسانی ہے خواہ نظری ہو خواہ عملی۔

غرض قرآن کریم میں بجز ایک مقام یعنی قول قارون انما اوتیته علی علم کے، اور جہاں بھی علم کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد علوم سماویہ اور علوم نبوت ہیں اور ان علوم کا حال یہ ہے کہ بلا واسطہ وحی الٰہی، انسان کی رسائی ان علوم تک اصلاً نہیں ہو سکتی۔ عقل کا کام انہی علوم سماویہ کو حسب استعداد و مقدرت کتاب و سنت سے اخذ کرنا اور انہی میں تدبر و تفکر کے ذریعہ عبرت و موعظت حاصل کرنا ہے یعنی کتاب و سنت میں وارد شدہ "علم ذات و صفات الٰہیہ" اور "مبدأ و معاد" میں غور و فکر کر کے زیادہ سے زیادہ معرفت الٰہیہ اور یقین و طمانیت کے مدارج طے کرنا اور علوم "شرائع واحکام" میں تدبر و تفکر کے ذریعہ اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کرنا، رذائل و شنائع سے اجتناب کرنا اور فضائل سے خود کو آراستہ کرنا جس کو اہل علم کی اصطلاح میں "تخلی عن الرذائل اور تحلی بالفضائل" (رذائل سے خود کو پاک کرنا اور فضائل سے آراستہ کرنا) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی کا دوسرا نام تقویٰ ہے جس پر عند اللہ شرف و مکرمت اور فضیلت و بزرگی کا مدار ہے ارشاد ہے:

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (الحجرات ع ۲) — بیشک تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

بہرحال قرآن حکیم کی اصطلاح میں العلم اور اس کے تمام مشتقات جو مطلوب ہیں اسی علم کے لئے استعمال کئے گئے ہیں جو عمل صالح اور معرفت الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو اور یہ علم اولاً و بالذات "علم روایت" ہے اور ثانیاً و بالعرض "علم درایت" ہے یعنی اول روایت کے ذریعہ اس علم کو حاصل

کیا جاتا ہے اور پھر "درایت" کے ذریعہ علی وجہ البصیرت اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ "عباد الرحمٰن" کے اوصاف خاصہ کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

واذا ذُکّروا بآیات ربھم لم یخرّوا علیھا صمًّا وعمیانا (فرقان ۶۲)

اور جب ان کے سامنے ان کے رب کی آیات ذکر کی جائیں تو ان پر اندھے بہرے بن کر نہیں گرتے۔

اس علم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہٗ سے حاصل کیا اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اس کے بعد صحابہ سے تابعین نے اور تابعین سے تبع تابعین نے علیٰ ہذا القیاس طبقتاً عن طبقتہ بطور تواتر و توارث قرآن و حدیث اور ان کے علوم اُمت کو پہونچتے پہونچتے ہم تک پہونچے ہیں اور یقیناً یہ علم "علم روایت"[۱] ہی ہے اور اسی کے لئے اکابر علماء اُمت شد رحال (دور دراز کے سفر) کرتے رہے ہیں کہ اس کے بغیر یہ علوم حاصل ہو ہی نہیں سکتے اور اسی علم کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین

ہر آنے والی نسل کے عادل اور ثقہ لوگ اس علم کے حامل بنیں گے، حد سے زیادہ غلو کرنے والوں کی تحریفوں سے، باطل پرستوں کی بہتان طرازیوں سے، اور جاہلوں کی تاویلوں سے، اس علم کو بچائیں گے۔

اور یہ تمامتر علم "روایت" ہی ہے

باقی رہے وہ علوم جن کی موجد و مخترع عقل انسانی ہے۔ قرآن حکیم اُن سے ایسے ہی تعرض نہیں کرتا جیسے اور تمام انسانی صنائع و حرف سے قرآن بحث نہیں کرتا۔ عوام کی اصطلاح اور عرف میں ان کو علوم کہہ دیا جاتا ہے ورنہ تو علم و فن کی اصطلاح میں بھی یہ "علوم" نہیں کہلاتے بلکہ ان کو "فنون وصنائع" کہا جاتا ہے۔

---

[۱] ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ ستمبر ۱۹۶۶ء ص ۱۴۹ "نظام تعلیم۔ قرآن حکیم کے اندر علم اور اس کے مشتقات کے بارے میں" فاضل مقالہ نگار کا تمام تر بیان محض انکے مفروضہ قیاسات و اوہام پر مبنی ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اسی لئے وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک آیت بھی نہیں پیش کر سکے ہیں در حقیقت یہ "روایت دشمنی" کا چھپا ہوا بغض و عناد ہے جو پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر ۱۲۔

الغرض مذکورۃ الصدر آیت کریمہ سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ

۱۔ کتاب کی طرح حکمت بھی منزل من اللہ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ) ہے۔

۲۔ حکمت کا جامع ترین مصداق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۳۔ علوم شرعیہ کے ماخذ تین ہیں کتاب، حکمت (سنت) اور مالم تکن تعلم ـ علم مغیبات ـ

۴۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکمت اور علم مغیبات دونوں پر مشتمل ہیں۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام تر تشریعی زندگی اُمت کو ان ہر سہ "منابع علمی" کی تعلیم دینے پر صرف فرما دی ہے۔

اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ احکام شرعیہ، علوم شرعیہ سے ہی ماخوذ ہو سکتے ہیں اس لئے جس طرح کتاب اللہ کے بعد دوسرا ماخذ علم، سنت رسول اللہ ہے اسی طرح قرآن حکیم کے بعد دوسرا مصدر تشریع (احکام شرعیہ کا ماخذ) سنت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور بیان سکوتی ہے اسی سنت کا دوسرا نام "حدیث" ہے۔

تنبیہ (۱) احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ و مزاولت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی متلو (آیات قرآن) لیکر آتے تھے اسی طرح بکثرت وحی غیر متلو (احکام سنت) بھی لیکر آتے تھے لہذا جس طرح حکمت (سنت) کا بنص قرآن منزل من اللہ ہونا ثابت ہے اسی طرح احادیث صحیحہ سے بھی سنت کا منزل من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے ہم بطور مثال مختلف النوع احکام سے متعلق صرف تین حدیثیں یہاں نقل کرتے ہیں:

(۱) عن ابن عباس انه سمع عمر يقول سمعت النبي صلى الله عليه وسلم بوادي العقيق يقول اتاني الليلة آت من ربي فقال صل في هذا الوادي المبارك وقل عمرة في حجة (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶)	ابن عباس حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے وادی عقیق میں سُنا کہ آج رات میرے پاس میرے رب کی جانب سے ایک آنے والا (فرستادہ) آیا (اور یہ پیغام پہونچایا) کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور حج کے ساتھ عمرہ کا بھی احرام باندھو
(۲) عن ابي ذر قال قال النبي صلى الله	(۲) حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم قال لی جبرئیل من مات من امتک لا یشرک باللہ شیئا دخل الجنۃ اولم یدخل النار قال وان زنی وان سرق قال وان

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۴)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے جبرئیل (علیہ السلام) نے کہا کہ تمہاری اُمت کا جو شخص اس حالت پر مرا کہ اللہ کے ساتھ اس نے کسی کو شریک نہیں کیا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا یا کہا جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ میں نے کہا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو؟ کہا اگرچہ (اس نے چوری یا زنا کیا ہو)

(۳) عن ابن عباس قال اخبرتنی میمونۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان جبرئیل علیہ السلام کان وعدنی ان یلقانی اللیلۃ فلم یلقنی ثم وقع فی نفسہ جرو کلب تحت بساط لنا فامر بہ فاخرج ثم اخذ بیدہ ماء فنضح بہ مکانہ فلما لقیہ جبرئیل علیہ السلام قال انا لا ندخل بیتا فیہ کلب ولا صورۃ الخ

(۳) ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت جبرئیل نے آج رات ملاقات کے لئے آنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ نہیں آئے (معلوم نہیں کیا بات ہے) پھر اچانک آپ کو کتے کے پلے کا خیال آیا (جو رات) ہمارے تخت کے نیچے رہ گیا تھا آپ نے فوراً اس کو نکلوا دیا۔ پھر خود دست مبارک سے اس جگہ کو پانی سے دھویا۔ تو جب جبرئیل آپ سے آکر ملے تو انہوں نے بتلایا کہ ہم ہر ایسے گھر میں نہیں داخل ہوتے جس میں کتا یا تصویر موجود ہو۔

دیکھئے پہلی حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عمرہ کو حج کے ساتھ جمع کرنے (قران) کا حکم پہونچایا آپ نے خود بھی اس پر عمل کیا اور جن صحابہ نے حج کا احرام باندھا تھا اور ہدی (قربانی کا جانور) ان کے ساتھ نہ تھا ان سے بھی فسخ حج الی العمرہ[1] کرایا۔ دوسری حدیث میں ارتکاب معاصی کے باوجود توحید کے ابتدائً یا آلاً جہنم سے نجات کا ذریعہ ہونے کا حکم الٰہی پہونچایا چنانچہ آپ نے مختلف عنوانات سے اس کا اعلان فرمادیا اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ تیسری حدیث میں کتّوں اور تصویروں کی گھر میں موجودگی کی مضرت و ممانعت کا حکم پہونچایا۔ چنانچہ آپ نے خود بھی اس پر عمل فرمایا اور اُمت کو بھی ہر دو چیزوں سے منع فرمادیا

[1] یہ حاشیہ آخر کتاب میں دیکھئے ۱۲

فرشتہ کی وساطت کے بغیر نزول وحی کی بھی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے:۔

عن یعلی بن امیة انه قال لعمر: ارنی النبی صلی الله علیه وسلم حین یوحیٰ الیه" قال فبینما النبی صلی الله علیه وسلم بالجعرانة ومعه نفر من اصحابه جاء رجل فقال "یا رسول کیف ترٰی فی رجل احرم بعمرة وهو متضمخ بطیب" فسکت النبی صلی الله علیه وسلم ساعة فجاءه الوحی فاشار عمر الی یعلی فجاء یعلی وعلی رسول الله صلی الله علیه وسلم ثوب قد اظل به فادخل راسه فاذا رسول الله صلی الله علیه وسلم محمر الوجه وهو یغط ثم سُرّی عنه فقال این الذی سال عن العمرة فاتی بالرجل فقال: اغسل الطیب الذی بک ثلاث مرات وانزع عنک الجبة واصنع فی عمرتک کما تصنع فی حجک

(صحیح بخاری ج ۲۰۸)

یعلی بن اُمیّہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر سے کہا کہ تم کبھی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت دکھلاؤ جب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں مقیم تھے کچھ صحابہ بھی آپ کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص عمرہ کا احرام باندھ رہا ہے اور حالت یہ ہے کہ وہ خوشبو میں سرتاپا آلودہ ہے آپ نے یہ سنکر ذرا دیر کے لئے سکوت فرمایا اور آپ کے پاس وحی آنی شروع ہوئی تو حضرت عمر نے یعلی کو اشارہ سے بلایا (کہ دیکھ لو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر ایک کپڑا (چادر) پڑا ہوا تھا، یعلی نے اندر جھانک کر دیکھا تو آپ کا چہرۂ انور (شدت نزول وحی سے) سُرخ تھا اور زور زور تنفس کی آواز (خرخر) آرہی تھی، اس کے بعد وہ کیفیت ختم ہوئی، تو حضور نے فرمایا جس نے عمرہ کا مسئلہ دریافت کیا تھا وہ کہاں ہے اسے بلاؤ، چنانچہ وہ شخص حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے فرمایا خوشبو جو تمہارے جسم اور کپڑوں پر لگی ہے اسے تین مرتبہ دھو ڈالو اور جبہ کو اُتار پھینکو اور اس کے بعد جو مناسک، حج ہیں (ادا) کرتے ہو عمرہ میں بھی (ادا) کرو۔

اسی لئے جلیل القدر تابعی حضرت حسّان بن عطیہ عوفی فرماتے ہیں:۔

کان جبرئیل علیه السلام ینزل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم

جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سنت (وحی غیر متلو) اسی طرح لے کر آیا کرتے تھے جیسے قرآن

بالسنة كما ينزل عليه بالقرآن يعلمه ــــ (کی آیات) لیکر آتے تھے اور آپ کو سکھلاتے اور بتلایا
ایاھا رواہ البیھقی فی المدخل وابن ــــ کرتے تھے۔
عبد البر فی جامع بیان العلم)

علاوہ ازیں لیلۃ الاسراء میں پانچ نمازیں فرض ہونے کے بعد اگلے دن ہی حضرت جبرئیل اوقات نماز کی تعلیم کے لئے دو دن پانچوں وقت آئے پہلے دن اول وقت میں نماز پڑھوائی دوسرے دن آخر وقت میں اور اس کے بعد فرمایا الوقت فیما بین ھذین الوقتین (ان دونوں دنوں کے وقت کے درمیان ہر نماز کا وقت ہے)

اسی طرح استقبال بیت اللہ کی بھی عملاً تعلیم دی چنانچہ اسی امامت جبرئیل کی روایات کے بعض طرق میں آتا ہے امّنی جبرئیل عند باب البیت (جبرئیل نے بیت اللہ کے دروازے کے پاس امامت کی)

اسی حدیث کے بعض طرق میں وضو کا طریقہ بتلانے کا بھی ذکر آیا ہے (ملاحظہ کیجئے فتح الباری ج باب الوضوء) غرض وضو اور نماز کی مکمل عملی تعلیم کے لئے حضرت جبرئیل کا آنا احادیث صحیحہ سے ثابت اور امت کے نزدیک معروف و مسلم ہے

اسی طرح اذان و اقامت کی تعلیم کے لئے آسمان سے فرشتہ نازل ہوا اور عبد اللہ بن عبد ربہ صحابی کو بین النوم والیقظۃ (نیند اور بیداری کے درمیان) اذان و اقامت سکھلائی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا: انھا الرویا حق (بیشک یہ برحق خواب ہے) اور اسی وقت اذان و اقامت کا حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری فرمادیا۔

اسی طرح دین کے اساسی اور جوہری عقائد کی تعلیم کے لئے ایک دن تمام صحابہ کے سامنے حضرت جبرئیل ایک نو وارد شخص کی شکل و صورت اور لباس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مذکورۂ ذیل سوالات کئے۔

(۱) اخبرنی ما الایمان؟ (۲) ما الاسلام؟ (۳) ما الاحسان؟ (۴) متی الساعۃ؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے سامنے بوحی من اللہ ان سوالات کے جوابات دئے ملاحظہ فرمایئے۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

Marfat.com

ثم قال جاء جبرئیل یعلمکم دینکم۔ | پھر اُن کے جانے کے بعد حضور نے بتلایا کہ یہ جبرئیل تھے جو تمہیں (اصول) دین کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے

بہر حال احادیث صحیحہ کے استقصاء اور تتبع سے قطعی طور پر ثابت ہے اور اُمت اس کو متفقہ طور پر تسلیم کرتی ہے کہ جس طرح تیئس ۲۳ سال کی مدت میں قرآن کریم کی آیات وقتاً فوقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہیں اسی طرح علاوہ قرآن کی آیات کے بکثرت احکام شرعیہ بھی آپ پر منجانب اللہ فرشتہ کے واسطہ سے بھی اور بلا واسطہ بھی وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جس طرح اس تیئس سالہ مدت میں پورا قرآن نازل ہوا ہے اسی طرح دین کی بھی تکمیل ہوگئی اور ایک مکمل آسمانی شریعت نازل ہوگئی۔ یہی حکمت کا مصداق ہے۔

تنبیہ (۲) واضح ہو کہ بعض مفسّرین نے حکمت کی تفسیر ما فیہ من الاحکام (جو قرآن میں احکام ہیں) سے کی ہے اس صورت میں کتاب (قرآن) اور حکمت کا مصداق ایک ہو جائے گا اور حکمت کا کتاب پر عطف تفسیری بغرض تاکید ہوگا حکمت کی یہ تفسیر مذکورۂ عنوان ہر دو آیات میں اور اسی قسم کی اُن آیات میں جہاں کتاب و حکمت کے نازل فرمانے یا ان کی تعلیم دینے کا ذکر ہے، خاص کر وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے کتاب و حکمت کے نازل فرمانے یا تعلیم دینے کو فضل و امتنان کے طور پر بیان فرمایا ہے کسی طرح درست نہیں ہو سکتی اس لیے کہ جب کتاب و حکمت ایک ہی چیز ہیں اور فرق محض لفظوں کا ہے تو یہ تو ایک ہی احسان ہوا نہ کہ دو؟ اور نہ بادیِ آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو احسان فرمائے ہیں ایک کتاب نازل فرمائی ہے اور ایک حکمت۔ اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمت کو صرف کتاب ہی کی تعلیم نہیں دیتے تھے بلکہ حکمت کی بھی تعلیم دیتے تھے علاوہ ازیں تعلیم کتاب کے معنی ما فی الکتاب کی تعلیم کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں؟ خاص کر جبکہ تلاوت آیات کا مستقل تذکرہ آچکا پھر حکمت کی تعلیم کا کوئی مصداق باقی نہیں رہتا یہ اخلاء اللفظ عن المعنی (لفظ کو معنی سے خالی کر دینے یعنی کلام کو بے معنی بنا دینے) کے مرادف ہے اور کسی بھی متکلم کی ایسی تعبیر و تشریح کہ اس کا کلام بے معنی رہ جائے صحیح نہیں چہ جائیکہ اُس عالم الغیب والشہادۃ رب العالمین کے کلام کی ایسی تفسیر و تشریح کی جائے جس کا علم اور قدرت تمام کائنات کو محیط ہے۔ نہ شرعاً درست ہے نہ عقلاً۔

عربیت کے قواعد کے اعتبار سے بھی عطف کی اصل وضع مغایرت کے لیے ہے یعنی ایک چیز کے

بعد دوسری چیز کو حرف عطف واو (اور) وغیرہ کے بعد ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دوسری چیز پہلی چیز سے الگ اور جدا ہے۔ عطف تفسیری صرف اس جگہ درست ہوتا ہے جہاں از روئے لغت دونوں لفظوں کے معنی ایک ہوں یا کوئی اور قطعی قرینہ اس امر کا موجود ہو کہ دوسری چیز بعینہٖ پہلی چیز ہے، صرف لفظوں کا فرق ہے۔ بلغرض تاکید دو لفظ ذکر کر دیئے ہیں۔ یہاں ایسا قرینہ تو کیا ہوتا اس کے برعکس اس امر کے قرائن بلکہ تصریحات موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں نازل فرمائی ہیں ایک کتاب دوسرے حکمت اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دو چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں ایک کتاب کی اور دوسری حکمت کی

قرآن کریم کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت کا لفظ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے جن میں سے آٹھ آیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما (النساء آیت ۱۱۳)

۲۔ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم آیاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم (البقرۃ آیت ۱۲۹)

۳۔ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون (البقرۃ آیت ۱۵۱)

۴۔ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ الخ (آل عمران آیت ۱۶۴)

۵۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ الخ (جمعہ آیت ۲)

۶۔ واذکرن مایتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفا خبیرا (احزاب آیت ۳۴)

۷۔ یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا وما یذکر الا اولوا الالباب (بقرۃ آیت ۲۶۹)

۸۔ ولقد اٰتینا لقمان الحکمۃ ان اشکر للہ ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان اللہ

غنی حمید (لقمان آیت ۱۲)

ان میں سے ایک آیت مندرجہ عنوان میں کتاب کے ساتھ حکمت کے منزل من اللہ ہونے کی تصریح ہے اور چار آیات میں کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم دینے کی تصریح ہے ایک آیت میں "آیات اللہ" اور حکمت کے ایک ساتھ "متلو ہونے (پڑھے جانے) کی تصریح ہے۔ باقی دو آیتوں میں صرف حکمت کا ذکر ہے۔ اوّل الذکر چھ آیات کی تفسیر میں اکابر مفسرین کا قول یہی ہے کہ حکمت کا مصداق سنت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۸۳ پر آیت نمبر (۲) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

الحکمۃ یعنی السنۃ قال الحسن و قتادۃ ومقاتل بن حیان وابو مالك وغیرھم وقیل الفھم فی الدین ولا منافاۃ	حکمت کے معنی سنت ہیں حسن بصری، قتادہ، مقاتل بن حیان اور ابو مالک وغیرہ کبار مفسرین نے یہی تفسیر کی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حکمت کے معنی دین کی سمجھ کے ہیں مگر ان دونوں قولوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

آیت نمبر (۳) کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:

ویعلمھم الکتاب وھو القرآن والحکمۃ وھی السنۃ (۱۹۶)	(رسول) ان کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں جو قرآن ہے اور حکمت کی جو سنت ہے۔

ابو حیان اندلسی تفسیر البحر المحیط ج ۱ ص ۳۹۳ پر فرماتے ہیں۔

والحکمۃ الشریعۃ وبیان الاحکام وقال قتادۃ: الحکمۃ السنۃ وبیان النبی الشرائع۔	حکمت کے معنی ہیں شریعت اور احکام الٰہیہ کا بیان، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حکمت کے معنی ہیں سنت اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احکام الٰہیہ کو بیان کرنا

متعدد قریب قریب ہم معنی اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ویجمع ھذہ الاقوال قولان احدھما القرآن والاخر السنۃ۔	ان تمام اقوال کا حاصل اور مآل دو قول ہیں ایک یہ کہ حکمت کا مصداق ہو قرآن دوسرے یہ کہ حکمت کا مصداق ہو سنت

ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد آیت کریمہ کی خود تفسیر کرتے ہیں۔

وفی قولہ والحکمۃ ای السنۃ تبیّن ما فی الکتاب من المجمل وتوضیح ما	اور اللہ تعالیٰ کے قول ویعلمھم الحکمۃ کے معنی یہ ہیں کہ سنت قرآن میں جو مجمل احکام ہیں ان کی تفصیل بیان

ابھم من المشکل وتفصح عن مقادیر و عن اعداد مالم یتعرض الکتاب الیه وتثبت احکام مالم یتضمنه الکتاب

کرتی ہے جو مبہم ہیں ان کی وضاحت کرتی ہے، اور جن مقادیر اور تعدادوں کو قرآن نے بیان نہیں کیا ہے ان کو بتلاتی ہے اور جن چیزوں کے احکام قرآن میں مذکور نہیں ان کو ثابت کرتی ہے۔

آیت نمبر (۷) کے ذیل میں بھی ابوحیان حکمت کے معنی کے متعلق (۲۹) اقوال بیان فرمانے کے بعد لکھتے ہیں :-

فهذه تسعة وعشرون مقالة لاهل العلم فی تفسیر الحکمة قال ابن عطیه وقد ذکر جملة من الاقوال کلها ماعدا قول السدی قریب بعضها من بعض لان الحکمة مصدر من الاتقان فی عمل او قول وکتاب الله حکمة وسنة نبیه حکمة وکل ماذکر فهو جزء من الحکمة التی هی الجنس

حکمت کی تفسیر میں اہل علم کے یہ کل (۲۹) اقوال ہیں ابن عطیہ حکمت کی تفسیر میں ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ سدی کے قول کے علاوہ باقی تمام اقوال قریب قریب ہم معنی ہیں اس لئے کہ (از روئے لغت) حکمت کے معنی محکم قول اور پختہ عمل کے ہیں لہذا کتاب اللہ بھی حکمت ہے رسول اللہ کی سنت بھی حکمت ہے اور ان کے علاوہ جو چیزیں (علما نے) بیان کیں وہ بھی حکمت ہیں یہ سب حکمت کے انواع و اصناف ہیں اور حکمت جنس ہے (اور ان سب پر حاوی اور محیط ہے)

ابوحیان کے ان عبارات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوا کہ :-

(الف) جو حکمت کتاب کے ساتھ مذکور ہے اس کے دو مصداق ہیں قرآن یا سنت مگر مختار ابن حیان کے نزدیک دوسرا مصداق ہے بہرحال یہ حکمت رسول کے ساتھ مخصوص ہے۔

(ب) جہاں تنہا حکمت آیا ہے وہاں حکمت جنس ہے اس کے معنی اتقان فی القول والعمل (قول و عمل میں پختگی) ہیں باقی تمام اقوال اسی جنس کے تحت داخل ہیں اور نبی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں علوم قرآن، علوم سنت، علوم فقہ و اصول فقہ، علوم اسرار و حکم سب اس حکمت کا مصداق ہیں محقق دوانی رحمہ اللہ بھی اخلاق جلالی میں حکمت کے معنی "راست گفتاری و درست کرداری" بیان کرتے ہیں۔

مگر حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی اس حکمت کو بھی علوم نبوت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور یوتی الحکمۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ای العلم النافع علی ما هو فی نفس الامر الموصل الی رضاء اللہ تعالےٰ والعمل بہ وذلک لایتصور الا بالوحی فھو للانبیاء اصالۃ ولغیرھم وراثۃ

(تفسیر مظہری ج ص ۳۸۸)

یعنی نفس الامر اور واقعہ کے مطابق، منفعت بخش علم جو رضاء الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو اور ایسا ہی عمل، اس علم و عمل کا نام حکمت ہے اور اس کا تیقن اور علم وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ علوم و اعمال اصل میں تو انبیاء کے علوم و اعمال ہیں اور اُن کے واسطے سے بطور وراثت علماء اُمت کو نصیب ہوتے ہیں۔

اس تفصیل و تنقیح کے بعد قطعی طور پر واضح ہو گیا کہ حکمت کا جامع ترین مصداق جو منزل من اللہ بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی تعلیم و تبیین میں اپنی تیئیس سالہ تشریعی زندگی صرف کی ہے وہ سنت یعنی علوم نبوت ہیں اور یہی سنت تشریع اسلامی کا دوسرا ماخذ ہے اور مذکورہ عنوان آیات میں یہی حکمت کے معنی ہیں اور کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ احکام و علوم شرعیہ کا دوسرا ماخذ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے

آیت نمبر (۳) فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے نزاعی معاملات و خصومات کے فیصلے کرنے پر من جانب اللہ مامور تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق۔ (مائدہ ع ۷)	اور ہم نے تم پر برحق کتاب نازل کی جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے ۔ اور ان کی محافظ و نگہبان ہے ۔ پس تم لوگوں کے درمیان ، جو اللہ نے نازل کیا ہے اُس کے مطابق حکم کیا کرو اور جو دین حق تمہارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی مت کرو۔

اس آیت کریمہ کے شان نزول کے ذیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک اثر میں بروایت محمد بن اسحق منقول ہے کہ :

علماء و رؤساء یہود کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ہماری قوم سے ہمارا کچھ نزاع ہے اگر اس میں آپ ہماری طرفداری فرمائیں اور ہمارے موافق فیصلہ کر دیں تو ہم آپ کا اتباع کر لیں گے اور ہمیں دیکھکر بقیہ یہودی بھی آپ کا اتباع کر لیں گے ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ناحق طرفداری کرنے سے صاف انکار فرما دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس تثبت و استقامت کی تصویب و تائید کے لئے نیز اہل کتاب کی توقع و طمع کی بیخکنی فرمانے

اور اُمت کو تعلیم دینے کی غرض سے مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں :

مھیمنا علیہ مھیمن کے لفظی معنی محافظ اور رقیب (نگراں) کے ہیں اس حفاظت و نگرانی کی تفسیر مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے ہوتی ہے :

یا اھل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب و یعفو عن کثیر (مائدہ ع ۳)

اے اہل کتاب بیشک ہمارا رسول تمہارے پاس آگیا ہے جو کتاب اللہ (تورات و انجیل) کی ان بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے (کھول کر) بیان کرتا ہے جنکو تم چھپاتے چلے آتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگذر کرتا ہے

گویا قرآن حکیم کتب سابقہ کے وقتی اور عارضی احکام کو چھوڑ کر باقی تمام اساسی تعلیمات اور اصولی احکام پر حاوی اور کامل و اکمل کتاب ہے نیز کتب سابقہ میں اہل کتاب نے جن تحریفات و تلبیسات اور اخفا و کتمان سے کتب سابقہ کو ناقابل اعتماد بنا دیا تھا ان کو بے نقاب کر کے اصل کتب و تعلیمات سماویہ کی حفاظت بھی کرتا ہے۔

مذکورہ عنوان آیت کریمہ کے لفظ ما انزل اللہ کی تفسیر ذیل کی آیات سے ہوتی ہے۔

(۱) ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (النساء ع ۸)

بیشک اللہ جل شانہٗ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم جن کی امانتیں ہوں وہ ان کو ادا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان حکم کرو (فیصلہ کرو) تو عدل و انصاف کے ساتھ حکم کیا کرو۔

(۲) ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا، اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ (مائدہ ع ۲)

کسی بھی قوم کی عداوت اور دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو۔ تم انصاف کرو بیشک عدل و انصاف ہی پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

اور ان کے علاوہ قرآن حکیم کی وہ تمام آیات جن میں اقامت عدل، نصاب شہادت، اداء شہادت اور فصل خصومات کے اصول بیان کئے ہیں جن کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث صحیحہ میں بیان فرمائی ہے اور اُن پر عمل کر کے بتلایا ہے وہ سب ما انزل اللہ کا مصداق ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کرنے کا حکم تھا مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں مزید توسیع فرمادی۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما۔ (النساء ع ۱۶)	بیشک ہم نے تمہارے پاس برحق کتاب اتاری ہے تاکہ تم اللہ کے بتلائے ہوئے طریق پر لوگوں کے درمیان حکم کرو اور تم خیانت کار لوگوں کے طرفدار ہرگز مت ہو

خائنین سے مراد وہ ضعیف الایمان مسلمان ہیں جنہوں نے محض خاندانی عصبیت کی بنا پر اصل مجرم (طعمہ بن ابیرق یا بشیر) کو بچانے اور ایک غیر مجرم شخص لبید (عاصم یا سمین یہودی) کو پھنسانے کی کوشش کی تھی اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو شدید سرزنش کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرماتے ہیں کہ آپ اپنی خداداد بصیرت سے کام لیکر مجرموں کو سزا دیجئے اور کسی کے کہنے سننے کی پرواہ نہ کیجئے۔

ما اراک اللہ کے ذیل میں کتاب وسنت کے منصوص احکام کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجتہادی فیصلے بھی (جنکے حجت قطعی ہونے کی تفصیلی بحث گذر چکی ہے) شامل ہیں۔

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے اور فصل خصومات سے متعلق آپ کے بتلائے ہوئے تمام اصول وضوابط خواہ وہ ما انزل اللہ کے تحت ہوں خواہ آپ نے اپنے اجتہاد سے کئے ہوں سب رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت اور سنت رسول کے تحت داخل ہیں۔

مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کے ان فیصلوں کے مقابلہ پر اپنے ذاتی اختیار (رائے) اور شخصی خواہش کو ترجیح دینا ایمان کے تقاضہ کے منافی ہے اور ان کی نافرمانی اور زبردست گمراہی کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (الاحزاب ع ۵)	اور نہ کسی مومن مرد کا یہ کام ہے نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر (معاملہ) کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنے معاملہ میں اپنے اختیار سے کام لیں اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ بیشک کھلا ہوا گمراہ ہوگیا۔

بلکہ ان فیصلوں کو دل و جان سے ماننے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے اور رسول اللہ کو اپنے نفوس و اموال پر حکمرانِ اعلیٰ تسلیم کرنے پر اُن کے ایمان کے معتبر ہونے نہ ہونے کا مدار رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ مذکورۂ عنوان آیت میں فرماتے ہیں (قوت کلام اور زورِ بیان کو نظر انداز نہ کیجئے)

فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (النساء ع ۹)

نہیں، قسم ہے تیرے پروردگار کی، وہ اس وقت تک مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں تجھ کو حاکم با اختیار نہ تسلیم کرلیں، پھر تیرے کئے ہوئے فیصلوں سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی (اور ناگواری بھی) نہ محسوس کریں، اور پورے پورے طور پر خود کو سپرد نہ کردیں

یہ اس لئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مومنین کے نفوس و اموال پر وہ ولایت تامہ اور اختیار اعلیٰ حاصل ہے جو خود اُن کو یا کسی دُوسرے حاکم اعلیٰ کو حاصل نہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم (الاحزاب ع ۱)

نبی کو مومنوں (کے جان و مال) پر خود ان کے نفسوں سے بڑھکر ولایت حاصل ہے

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) چار قول یا کہئے چار مصداق بیان فرماتے ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جس شخص پر قرض ہوتا اور وہ بغیر ادا کئے مرجاتا اور اداءِ قرض کے لئے "ترکہ" بھی نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھتے اور لوگوں سے فرما دیتے صلّوا علی اخیکم (تاکہ اس دباؤ سے اس کے متعلقین اور قرابت دار فوراً قرض ادا کردیں۔ اور ایسا ہی ہوتا کہ نمازِ جنازہ سے پہلے قرض ادا ہو جاتا) لیکن جب مسلسل فتوحات اور اموالِ غنیمت کی فراوانی سے آپ خود اس قسم کے قرضے ادا کرنے پر قادر ہو گئے تو آپ نے اعلان فرما دیا:

"عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ما من مومن إلا وانا اولیٰ به فی الدنیا والاخرة اقرأوا ان شئتم النبی اولی بالمومنین من انفسهم" فایما مومن مات وترك مالا فلیرثه عصبته من کانوا وفی روایة فلورثته ومن ترك دینا

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر مومن کا سب سے زیادہ حقدار ولی ہوں دُنیا میں بھی آخرت میں بھی، تم (ثبوت) چاہو تو آیت النبی اولی بالمومنین من انفسهم پڑھ لو لہٰذا جو بھی مومن مرجائے اور مال چھوڑے تو اس کے عصبات (ورثا) اس کے وارث بنیں جو بھی ہوں دوسری روایت میں ہے: وہ مال اس کے وارثوں کا ہے۔ اور جس مومن نے کوئی قرضہ چھوڑا ہو یا بے سہارا بال بچے (اور قرض کے ادا کرنے یا بچوں کی کفالت کیلئے مال نہ چھوڑا ہو) تو وہ قرض خواہ

او ضیاعا فلیأتنی فانا مولاہٗ (صحیح بخاری ص ۵۰۱)
یا بال بچے) میرے پاس آئیں میں اُن کا ولی (کفیل) ہوں

یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر ہے اس سے زیادہ قطعی اور کوئی تفسیر نہیں ہو سکتی۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے نفوس پر خود ان سے زیادہ ولایت رکھتے ہیں اس لئے کہ ان کے نفوس انھیں ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں اور نبی ان کو ہلاکت سے بچاتا اور نجات کی طرف لے جاتا ہے" یہ حضرات صوفیاء کرام کی تفسیر ہے اور انہی کے ذوق کے مطابق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "حدیث معروف" کے الفاظ وانا آخذ بحجزکم وانتم تقحمون فیہ (اور میں تمہاری کمر پکڑے ہوئے ہوں اور تم جہنم میں گرے چلے جارہے ہو) سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مومنین کے نفوس پر ان سے زیادہ اولی اور حقدار ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کسی کام کا حکم دیں اور ان کا جی اس کام کو نہ چاہے یا کچھ اور چاہے تو آپ کا حکم مقدم اور واجب الاتباع ہوگا اس تفسیر اور مصداق کی تائید قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کریمہ وما کان لمومن ولا مومنۃ الآیۃ سے ہوتی ہے۔

(۴) رسول اللہ کے مومنین کے نفوس پر اولے واقدم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کے نفوس و اموال پر تنفیذ حکم کی وہ ولایت حاصل ہے جو خود اُن کو اپنے نفوس و اموال پر حاصل نہیں خواہ دینوی امور میں ہو خواہ امور اخروی میں۔

یہ تفسیر اور مصداق سابقہ ہر سہ احتمالات پر حاوی اور شامل ہے اور یہی وہ "ولایت خاصہ" ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی بھی حکمران اعلیٰ یا قاضی یا عام موالی کو حاصل نہیں اس کی تائید مذکورہ ذیل احادیث اور رسول اللہ علیہ وسلم کے جاری کردہ احکامات سے ہوتی ہے۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ سابق روایت کے تحت۔ ایسا مفلس مدیون جس نے مرنے کے بعد کوئی ترکہ نہ چھوڑا ہو جس سے قرض وصول کیا جاسکے اُس کا قرض خواہ اپنے دین کا مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی ولی یا مولی یا حکمران یا بیت المال سے نہیں کر سکتا ایسے مفلسوں کے قرضوں کے ادا کرنے والے صرف رحمۃ للعالمین ہی تھے جن کی شان ہے مامن مومن

الّا وانا اولیٰ بہ فی الدنیا والآخرۃ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۹)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو مذکور نامی ایک انصاری صحابی کی کل پونجی ایک غلام تھا اس کو بھی اس نے "مدبّر" بنا دیا یعنے یہ کہدیا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اس کو اور غلام کو بلایا اور حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ ایک انصاری عبداللہ بن النحام نے آٹھ سو درہم میں اسکو خرید لیا اور اسی وقت ادا کر دئیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آٹھ سو درہم ابو مذکور کو دیئے اور اس کے بعد فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص خود محتاج ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ پہلے اپنی ضرورت پوری کرے، کچھ بچ رہے تو اپنے بیوی بچوں کی ضرورتیں پوری کرے، پھر بھی کچھ بچ رہے تو اپنے قرابت داروں کو دے اور دوسرے مصارفِ خیر میں صرف کرے۔ (سنن ابی داؤد ص ۵۵۱)

یہ ردِّ تدبیر اور اس غلام کو جو آزاد کیا جا چکا ہے پھر غلام بنا کر فروخت کر دینے کی ولایت سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی بھی ولی، قاضی یا حاکم اعلیٰ کو حاصل نہیں۔

(۳) ایک اعرابی (دیہاتی) دو اونٹ فروخت کرنے کے لئے دیہات سے مدینہ آیا ایک مسلمان نے وہ اونٹ اس سے خرید لئے اور کہا میرے ساتھ مکان پر چل میں قیمت ادا کرتا ہوں اس کو گھر میں بٹھا کر دوسرے راستے (چور دروازے) سے اونٹ بازار میں لے جا کر بیچ کھائے اور خود روپوش ہو گیا اور جب یقین ہو گیا کہ اعرابی روپیٹ کر چلا گیا ہو گا تو باہر نکلا وہ اعرابی اس کی تلاش میں تھا فوراً پکڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا آپ نے دریافت کیا کہ "تو نے اس دیہاتی کے ساتھ یہ دھوکہ بازی کیوں کی؟ اب اس کے اونٹوں کی قیمت ادا کر" اس نے کہا "وہ تو میں کھا گیا"، آپ نے فرمایا "انت سُرَّق" (تو چوروں کا بھی باوا ہے) اور اعرابی سے فرمایا اذھب بہ یا اعرابی فبعہ حتی تستوفی حقک (اے اعرابی اسے بازار لیجا کر فروخت کر دے اور اپنا حق وصول کر لے) اعرابی اس کو لے کر بازار میں فروخت کرنے کے لیے آیا لوگوں نے بھاؤ تاؤ کرنے شروع کئے اعرابی نے خریداروں سے پوچھا: تم خرید کر اس کا کیا کرو گے"؟ انھوں نے کہا ہم اس کو خرید کر آزاد کریں گے" تو اعرابی نے کہا "اس کا تو میں تم سے زیادہ محتاج ہوں اور سرق سے کہا: "جا تجھکو میں نے آزاد کیا" اس واقعہ کے بعد سے ہی اس کا نام "سرق" پڑ گیا اور یہ واقعہ خود اس نے لوگوں سے بیان کیا ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۸۹)

Marfat.com

ایک آزاد انسان کو غلام بنا کر فروخت کرا دینے کی ولایت مسلمانوں کے نفوس پر وہ تصرف ہے جس کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ حکمران کو حاصل نہیں یہ ولایت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۴) ایک غلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی کہ "میرا مولیٰ (آقا) مجھے بہت زیادہ زود کوب کرتا ہے اور شدید ایذائیں پہونچاتا ہے"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اس آقا کو بلوایا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کے باوجود نہ آیا۔ آپ نے غلام سے فرمایا "جا تو آزاد ہے" غلام نے عرض کیا من لی حامیا ان اخذنی مولای؟ (مجھے میرے آقا کی دسترس سے بچانے کا کون ذمہ دار ہے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اللہ ورسولہ (اللہ اور اس کا رسول ذمہ دار ہے) سنن ابی داؤد

کسی بھی صورت میں کسی شخص کے غلام کو آزاد کر دینے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ یہ اُمت کے اموال میں تصرف کی وہ ولایت ہے جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی۔

مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات، نص قطعی ہیں اس امر پر کہ رسول اللہ کو مومنین کے نفوس واموال پر وہ ولایت تامہ، قوتِ تنفیذ اور اقتدار اعلیٰ حاصل ہے جس کا اعلان اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ :- النبی اولی بالمومنین من انفسھم میں فرمایا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور فیصلوں سے انکار کفر وارتداد کا مرادف اور قتل کا موجب ہے چنانچہ مذکورہ ذیل آیت کریمہ :

الم تر الی الذین یزعمون	(اے نبی) تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا دعویٰ
انھم آمنوا بما انزل الیک	تو یہ ہے کہ وہ اس دین پر ایمان لے آئے جو تم پر اُتارا
وما انزل من قبلک یریدون	گیا ہے اور اس پر بھی جو تم سے پہلے اُتارا گیا تھا اور
ان یتحاکموا الی الطاغوت	پھر چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمات لے جائیں سرکش
وقد اُمروا ان یکفروا بہ	شیطانوں کے پاس، حالانکہ ان کو نہ ماننے کا اُنھیں
(النساء ع ۹)	حکم دیا گیا ہے۔

Marfat.com

کے شانِ نزول کے ذیل میں عام مفسرین بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے کہ ایک مسلمان منافق اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا ہوا مسلمان منافق نے کہا: "چلو کعب بن اشرف (یہود کے سرغنہ شیطان) سے فیصلہ کرائیں"، یہودی نے کہا "نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو ان سے فیصلہ کرائیں گے" وہ مسلمان منافق (مجبوراً) آمادہ ہوگیا اور دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا حضور نے (فریقین کے بیانات سُنکر) یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا اس مسلمان منافق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو ماننے سے انکار کردیا اور کہا: چلو "حضرت عمر سے فیصلہ کرائیں"، حضرت عمر کی خدمت میں دونوں حاضر ہوئے اور پورا قصہ بیان کیا حضرت عمر نے اس مسلمان منافق سے پوچھا: "کیا یہ سچ کہتا ہے؟ واقعہ یہی ہے؟" منافق نے کہا "ہاں ٹھیک ہے"، تو حضرت عمر نے فرمایا تم ذرا ٹھیرو میں ابھی آکر فیصلہ کرتا ہوں"، اور گھر میں سے برہنہ تلوار لیکر باہر آئے اور منافق کی گردن اُڑادی اور فرمایا: "جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو قبول نہ کرے میں اس کا فیصلہ اسی طرح کیا کرتا ہوں"، روایات میں ہے کہ اُسی وقت حضرت جبرئیل آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ عمر نے حق اور باطل میں فرق کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی واقعہ پر طاغوت کے مقابلہ پر فاروق حضرت عمر کا نام رکھ دیا رضی اللہ عنہ۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قضایا اور فیصلے، فصل خصومات سے متعلق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے تمام اصول وضوابط اور آداب قضاء، اُمت کے لئے مفروض الطاعت اور سُنت رسول کا مصداق اور حجّت شرعیہ ہیں۔ چنانچہ محدثین رحمہم اللہ نے کتب حدیث میں ابواب القضا مستقل طور پر قائم کئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قضایا اور اصول وآدابِ قضا سے متعلق احادیث صحیحہ کا وافر ذخیرہ مدون ومحفوظ موجود ہے

واضح ہو کہ مذکورۃ الصدر آیات صرف فصل خصومات سے متعلق نہیں ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احکام، اوامر ہوں یا نواہی دل وجان سے ان کو قبول کرنا اور اپنی خواہش

Marfat.com

اور پسند کو اس کے مقابلہ پر ترک کر دینا عین تقاضائے ایمان ہے۔ چنانچہ امام بیہقی اور ابو حاتم بروایت ہشام بن جبیر روایت کرتے ہیں۔

کان طاؤس یصلے بعد العصر رکعتین فقال له ابن عباس: اترکھما فقال: ما ادعھما فقال ابن عباس: فانه قد نھی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عن صلاۃ بعد العصر فلا ادری اتعذب ام توجر لان اللّٰہ تعالیٰ قال وما کان لمومن ولا مؤمنة اذا قضے اللّٰہ ورسوله امرا ان یکون لھم الخیرۃ۔

طاؤس عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے ان سے کہا کہ: یہ نفلیں پڑھنی چھوڑ دو" طاؤس نے کہا: میں تو ان کو نہ چھوڑوں گا" ابن عباس نے کہا: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عصر کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ (مخالفت رسول کی بنا پر) تجھے عذاب دیا جائے گا یا اجر دیا جائے گا اور اس کے بعد آیۃ کریمہ وما کان لمومن ولا مومنۃ الآیۃ تلاوت فرمائی۔

لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اقوال و افعال اور جملہ تعلیمات نبوت بھی اس مذکورۂ عنوان آیت کریمہ کا مصداق اور احکام شرعیہ کا ماخذ ہیں اور انہی کے مجموعہ کا نام "سنّت" اور "حدیث" ہے

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے

اخلاق و اعمال

آیت نمبر (۴) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اخلاق و شمائل، عادات و خصائل، گفتار و کردار، غرض صورت و سیرت، ظاہر و باطن دونوں کے لحاظ سے انسانیت کا "عظیم ترین نمونہ" ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انک لعلی خلق عظیم (ن ع ۱) بیشک اے نبی تم عظیم تر اخلاق کے مالک ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب رسول اللہ کے اس "خلق عظیم" کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

کان خلقہ القرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی سراپا قرآن تھی، آپ کا ہر فعل و عمل قرآنِ عظیم کا عملی نمونہ ہے اور آپ کی مقدس زندگی قرآن کی سب سے زیادہ یقینی تفسیر ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم کا جو بیان اور جو حکم سمجھ میں نہ آئے آپ کی حیات طیبہ کے آئینے میں دیکھو سمجھ میں آجائے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ درحقیقت آپ کی مقدس زندگی کو سامنے رکھے بغیر قرآن عظیم کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں (دوست اور دشمن سب اس کے معترف ہیں) یہی حکمت ہے قرآن جیسی کامل و اکمل کتاب کے نازل کرنے کے ساتھ ساتھ ایک انسان کامل کو مبعوث کرنے اور رسول بنا کر بھیجنے کی۔

تاہم اس خلق عظیم کی کسی قدر تفصیل ذیل کی آیات میں بیان فرمائی ہے۔

(۱) لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین — بخدا تمہارے پاس تم ہی میں کا ایک رسول آگیا، تمہاری ہر مشقت اس پر شاق ہے، تمہاری ہدایت پر حریص ہے

Marfat.com

رؤف رحیم (التوبۃ ع ۱۶) ایمان لانے والوں پر بے حد مہربان اور رحم کرنیوالا ہے

(۲) فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو (یہ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے کہ تم ان کے حق میں نرم خو ہوا گر بد زبان، سنگدل ہوتے تو یہ ضرور تمہارے اُس پاس سے منتشر ہو جاتے۔)
کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا
من حولک (آل عمران ع ۴)

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی اُمت کے لئے لائق اقتداء اور حسین ترین نمونہ عمل ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر۔ (احزاب) بخدا تمہارے لئے رسول اللہ (کی مقدس ہستی میں) حسین ترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر سے ڈرتا ہے۔

لیکن اس اسوۂ حسنہ کے تحت صرف آپ کے شخصی اخلاق و خصائل اور مکارم و فضائل و شمائل ہی نہیں بلکہ جملہ اقوال و افعال، اوامر و نواہی اور احکام تشریعیہ سب داخل و شامل ہیں اور اس لحاظ سے "اسوۂ رسول" دوسرا عنوان ہے "ما اتی بہ الرسول" یعنی سنت رسول کا اور وہ اُمت کے لئے واجب الاتباع اور مفروض الطاعت ہے جیسا کہ مذکورہ ذیل صحابہ کرام کے آثار سے ظاہر و واضح ہے۔ اور اُن صحابہ سے زیادہ قرآن فہمی اور مراد و مصداق قرآن کی معرفت کا دعویٰ کون کر سکتا ہے جن کے سامنے قرآن نازل ہوا اور اُنھوں نے براہ راست موحیٰ الیہ (مرجع وحی و الہام یعنے رسول اللہ) سے قرآن کی مُراد و مدلول کو سمجھا اور اس پر عمل کیا۔

(۱) اخرج ابن ماجۃ وابن ابی حاتم عن حفص بن عاصم قال قلت لعبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رأیتک فی السفر لا تصلی قبل الصلوۃ ولا بعدھا فقال یا ابن اخی صحبت رسول اللہ علیہ وسلم کذا وکذا فلم ارہ یصلی قبل الصلوۃ

ابن ماجہ اور ابن ابی حاتم نے حفص بن عاصم سے روایت کیا ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا میں نے آپ کو سفر میں دیکھا کہ آپ نہ فرض نماز سے پہلے سنن پڑھتے ہیں نہ بعد میں؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: برادر زادے! میں فلاں فلاں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ فرض نماز سے

ولا بعدها ويقول الله تعالیٰ و لكم في رسول الله أسوة حسنة ۔

پہلے نماز پڑھتے دیکھا نہ بعد میں، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذاتِ مقدس بہترین نمونہ ہے (میں اسی اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتا ہوں)

(۲) اخرج عبد الرزاق في مصنفه عن قتادة قال همّ عمر بن الخطاب ان ينهى عن الحبرة فقال رجل أما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبسها قال عمر بلى، قال الرجل الم يقل الله تعالے لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة

(۲) محدث شہیر عبد الرزاق اپنی کتاب مصنف میں بروایت قتادہ نقل کرتے ہیں کہ عمر فاروق رضؓ نے ایک مرتبہ سُرخ دھاریدار چادروں کے پہننے سے منع کر دینے کا ارادہ کیا تو اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سُرخ دھاری دار یمنی چادر پہنے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ تو اس پر اس شخص نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (پھر آپ اس اسوہ حسنہ سے لوگوں کو کیسے منع فرما سکتے ہیں)

(۳) اخرج الشيخان وغيرهما عن ابن عباس قال اذا حرّم الرجل امرأته فهو يمين يكفرها قال لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة ۔

صحیحین میں روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرلے تو یہ (تحریم حلال) قسم ہے اس کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے اور پھر آپ نے آیت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پڑھی (کہ ایسی صورت میں کفارہ دینا اسوۂ رسول ہے)

ملاحظ فرمائیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں فرض نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں کے ترک کرنے میں اسوۂ رسول کی پیروی کو مضمر سمجھتے ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ سُرخ دھاریدار چادروں (یعنے سامان ترفّہ) کے استعمال کی ممانعت کا ارادہ ترک کر دینے میں اسوۂ رسول کا احترام واتباع کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی اسوۂ رسول کے اتباع میں تحریم

حلال کو یمین اور موجب کفارہ قرار دیتے ہیں۔

یہ تو بطور مثال تین صحابہ کرام کے آثار ہم نے نقل کیے ہیں ورنہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ بکثرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال واعمال کے اتباع کے ثبوت کے لئے مذکورۃ الصدر آیت کریمہ کو حجت شرعیہ کے طور پر پڑھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "اسوۂ رسول" کتاب اللہ کے بعد دوسرا مصدر تشریع (احکام شرعیہ کا ماخذ) ہے اور اسی کا اصطلاحی نام "سنت" ہے۔

جیسے کہ ہم ابتدا میں بتلا چکے ہیں کہ از روئے لغت اُسوۃ کے معنی ہی "ما یتاسیٰ بہ" (جس کا اتباع کیا جائے) ہیں۔ کلام اس میں ہے کہ یہ اتباع رسول واجب اور فرض ہے یا مستحب یا مندوب ہے؟ نیز یہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ جملہ اُمور میں ہے خواہ دینی اور شرعی اُمور ہوں خواہ دنیاوی اور طبعی وعادی اُمور یا یہ اتباع صرف اُمور دینیہ شرعیہ میں ہے؟ اس سلسلے میں امام قرطبی اپنی تفسیر کے ج (۱۴) ص (۱۵۶) پر علماء کے دو قول نقل فرماتے ہیں۔

واختلف فی ھذہ الأسوۃ بالرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ھل ھی علی الوجوب او علی الاستحباب علی قولین احدھما علی الایجاب حتی یقوم دلیل علی الاستحباب الثانی علی الاستحباب حتی یقوم دلیل الوجوب	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ حسنہ کی پیروی کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ پیروی واجب ہے یا مستحب؟ اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں (۱) ایک یہ کہ جب تک کوئی مستحب ہونے کی دلیل قائم نہ ہو یہ پیروی واجب ہے۔ (۲) دوسرا یہ کہ یہ پیروی مستحب ہے اِلّا یہ کہ وجوبِ اتباع کی کوئی دلیل قائم ہو جائے۔

اس کے بعد ان ہر دو قولوں میں تطبیق کرتے ہیں اور یہی بظاہر ان کے نزدیک مختار معلوم ہوتا ہے۔

ویحتمل ان یُحمل علی الایجاب فی امور الدین وعلی الاستحباب فی امور الدنیا	ہو سکتا ہے کہ اُمور دین میں اس اتباع کو واجب کہا جائے اور دنیوی اُمور میں مستحب

لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ج ۳ ص ۴۷۴ پر اس اقتداء واتباع

Marfat.com

کو بلا تفصیل جملہ اقوال و افعال نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے عام رکھتے ہیں اور اس آیت کریمہ کو اقتداء رسول کے باب میں اصل اصول قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں:

هذه الآية الكريمة اصل كبير في التأسي برسول الله صلى الله عليه وسلم في اقواله وافعاله واحواله

یہ آیت کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اقوال و افعال و احوال میں پیروی کرنے کے باب میں اصل اصول ہے

اسی طرح علامہ آلوسی بھی تعمیم کے ہی قائل معلوم ہوتے ہیں۔ تفسیر روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۶۷ پر لکھتے ہیں:

والآية وان سيقت للاقتداء به عليه السلام في امر الحرب من الثبات ونحوه فهي عامة في كل افعاله صلى الله عليه وسلم اذا لم يعلم انها من خصوصياته كنكاح ما فوق اربع نسوة ثم ذكر احاديث عديدة استدل فيها الصحابة بهذه الآية في شتى الاحكام الشرعيه

آیت کریمہ کا سیاق اگرچہ لڑائیوں میں ثابت قدمی وغیرہ امور حربی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے متعلق ہے۔ لیکن (قاعدہ کے مطابق) یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر افعال و اعمال میں اتباع کے لئے عام ہے جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے مثلاً چار سے زائد عورتیں بیک وقت نکاح میں رکھنا اس کے بعد علامہ آلوسی نے مختلف احکام شرعیہ میں صحابہ کے اس آیت کریمہ سے استدلال کرنے کے بارے میں چند احادیث نقل کی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسوہ حسنہ امور دینیہ شرعیہ میں تو جس درجہ کا وہ امر شرعی ہوگا اسی درجہ کا اس کا اتباع ہوگا اگر وہ امر شرعی فرض ہے تو اس کا اتباع بھی فرض ہوگا اور اگر مسنون و مستحب ہے تو اس کا اتباع بھی مسنون و مستحب ہوگا گویا جو حکم اوامر و نواہی شرعیہ میں اطاعت کا ہے وہی حکم افعال و اعمال شرعیہ میں اتباع کا ہے۔ باقی رہے امور طبعیہ و عادیہ اور امور دنیا تو ان میں اتباع رسول کا مدار حب رسول پر ہے جتنا زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور محبت ہوگی اتنا ہی وہ بلا تفصیل جملہ افعال و اعمال و اخلاق و عادات اور احوال رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے اتباع کا شیدائی اور حریص ہوگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذیل کا ایک کلمہ "حبیبی" اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے۔

عن ابن عباس ان عمر اکبّ علی الرکن فقال انی لأعلم انك حجر ولو لم ارَ حبیبی قبلك واستلمك ما استلمت ولا قبلت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

حضرت ابن عباسؓ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کعبہ کے "رکن" (حجر اسود) پر جھکے اور کہا مجھے یقین ہے کہ تو ایک پتھر ہے اگر میں نے اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تجھے بوسہ دیتے اور استلام کرتے نہ دیکھا ہوتا تو میں نہ استلام کرتا اور نہ بوسہ دیتا (اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے) بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ (اپنے محبوب کی پیروی میں تجھے بوسہ دیتا اور استلام کرتا ہوں)

چنانچہ حبّ رسول کے نشہ میں سرمست متعدد صحابہ کرام اُن افعال و اعمال میں بھی جو محض اتفاقی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوع میں آئے ہیں اُن کی بھی وہ یہ کہہ کر پیروی کیا کرتے تھے کہ "اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں سفر میں قیام فرمایا تھا اور اس درخت کے سایہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں موقعہ پر آرام فرمایا تھا اور اس جگہ یا اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں نماز پڑھی تھی"۔ ان صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا نام سر فہرست ہے درحقیقت یہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین صورت و سیرت، اعمال و اخلاق اور جملہ امور و احوال زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ پیروی کو نہ صرف عین تقاضا ایمان جانتے تھے بلکہ یہ اتباع ہی ان کے حبّ رسول اور شوق و ذوق اتباع رسول کا مظہر و آئینہ دار ہے یہی وہ ملکوتی صفات کے حامل "صحابۂ رسول" ہیں جن کے اس والہانہ عشق و محبت نے ہی سنت رسول اور اسوۂ رسول کو اپنی سراپا زندگی بنا کر اوراقِ اسفار و کتب کے بجائے اپنے اقوال، اعمال، اخلاق اور احوال، کہئے "اوراقِ حیات" پر لکھ کر محفوظ و منضبط کیا اور آنے والی نسلوں تک پہونچایا با لفاظ دیگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی قولاً فعلاً خلقاً عملاً نسخۂ "سنت رسول" اور نمونۂ اسوۂ رسول تھا اور اس طرح سنت و حدیث رسول، حیات رسول میں

ہی ان کی مقدس ہستیوں میں محفوظ و مدون ہو چکی تھی۔ لہٰذا دشمن رسول ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ "احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رسول اللہ کے عہد اور قرن اوّل میں محفوظ و مدون نہیں ہوئی تھیں۔ بلکہ پوری ایک صدی گذرنے کے بعد محفوظ و مدون کی گئی ہیں اس لئے اس کو قابل اعتماد وثیقہ نہیں کہا جاسکتا" (مشہور یہودی مستشرق گولڈ تسیہر) یا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ "مجموعہ سنن جو آنحضرت نے چھوڑا ہے وہ مقدار میں کچھ بہت زیادہ نہ تھا اور نہ ہی وہ کچھ ایسا تھا جسے بالکلیہ صریح اور واضح کہا جا سکے"۔ یا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسے تفصیلی اور منضبط قوانین کا مجموعہ نہیں چھوڑا تھا جو انسانی زندگی کے لئے جملہ دقیق تفصیلات یعنی انتظامی معاملات سے لیکر خالص مذہبی عبادات تک پر حاوی ہو" (ملاحظہ ہو مقالہ تصور سنت ماہنامہ فکر و نظر شمارہ ۱، ۲ جولائی و اگست ۱۹۶۳ء)

بہرحال "اسوہ رسول" اور "سنت رسول" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اقوال و افعال اور اخلاق و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے اور مذکورہ عنوان آیت اس کے واجب الاتباع اور ماخذ احکام شرعیہ ہونے کی حجت قطعیہ ہے۔

Marfat.com

بیان شارع

(صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان)

آیت نمبر (۵) وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم

اللہ تعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب فرما کر ان کی بعثت اور ان پر قرآن نازل فرمانے کی غرض و غایت سے آگاہ فرماتے ہیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذمہ داری اور فرض منصبی سے اور اُمت رسول اللہ کی عظمت و جلالت اور مقام رسالت سے واقف ہو جائے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل پیرا ہو۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم (سورۂ نحل)	اور ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے واضح کر دو وہ (دین الٰہی) جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ قرآن کی تعلیمات، عقائد، عبادات، معاملات، خصومات، جنایات، حدود و قصاص، سیر و غزوات و محاربات، نیز اعمال صالحہ، اخلاق فاضلہ، تدبیر منزل، تدبیر مملکت وغیرہ تمام کلامی، فقہی، اخلاقی، معاشی، عمرانی اور سیاسی موضوعات و ابواب پر مشتمل ہیں بعض موضوعات پر تفصیلاً ..... بعض پر اجمالاً بعض پر اشارتاً۔

اور یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ کسی امر مجمل کی تفصیل اور امر مبہم کی وضاحت یقیناً شرح و بسط کی بنا پر مقدار کے اعتبار سے اس امر مجمل اور مبہم سے بہت زیادہ ہوتی ہے خصوصاً جبکہ اس تبیین میں عمل کر کے دکھانا اور سکھانا بھی شامل ہو۔

مثال کے طور پر آپ قرآن کریم کی صرف ایک اہم ترین عبادت ـــــ جو الصلوٰۃ عماد الدین کے مطابق دین کا ایسا ستون ہے جس پر دین کی پوری عمارت قائم ہے ـــــ نماز کو لے لیجئے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبیین یعنی احادیث صحیحہ کو نظر انداز کر کے ہرگز نماز نہیں پڑھ سکتے اور اگر بالفرض نمازیوں کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے چلے آنے کی بنا پر آپ نماز صحیح طریق پر

پڑھ بھی لیں تو اس نقالی سے آپ نماز کے شرائط، ارکان، فرائض واجبات وسنن ومستحبات وآداب اور کراہت وحرمت، صحت وبطلان کی تشخیص وتعیین ہرگز نہیں کر سکتے۔

نماز سے متعلق قرآن کریم کی تمام تر آیات کو ایک طرف رکھئے اور کتب صحاح کی ابواب الصلوٰۃ کے تحت مذکورہ تمام تر احادیث کو دوسری طرف رکھئے اور پھر مقدار کا تناسب دیکھئے تو آپ صحیح طور پہ باور کر سکیں گے کہ قرآن جیسی کامل واکمل کتاب کی تبیین وتشریح اور تعبیر وتوضیح کے لئے نیز اس کو عملی صورت میں پیش کرنے کی غرض سے کس قدر "وافر وجامع ذخیرۂ سنت" یعنی "احادیث" کی ضرورت ہے۔

اسی لئے حافظ ابن عبدالبر مالکی مغربی اپنی سند سے جلیل القدر تابعی امام اوزاعی سے امام مکحول کا مقولہ نقل کرتے ہیں:

عن الاوزاعی عن مکحول قال القرآن احوج الی السنة من السنة الی الکتاب (جامع بیان العلم ص)

اوزاعی مکحول سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ سنت قرآن کی اتنی محتاج نہیں جتنا قرآن سنت کا محتاج ہے

اس لئے کہ سنت تو صرف اپنی حجیّت میں قرآن کی محتاج ہے اور قرآن کو تو ہر ہر حکم کی تفصیل اور عملی تشکیل میں سنت کی ضرورت ہے۔ اسی لئے حدیث کی حجیت کا بڑے سے بڑا منکر بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ممکن نہیں۔

اسی لئے قرآن کو نازل کرنے والے اللہ رب العالمین نے قرآن نازل کرنے سے پہلے ایک نبی معصوم کی روحانی تربیت وتزکیہ فرما کر نہ صرف حاملِ قرآن بننے کی اہلیت پیدا کی بلکہ علمی، عملی، اخلاقی غرض ہر پہلو سے اس کی حفاظت وصیانت بھی فرمائی تاکہ وہ قولاً وعملاً احکام الٰہیہ نوع انسانی کے سامنے پیش کر سکے، بتلا اور سکھلا سکے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان وتبیین بھی "اپنا" اور "از خود" نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ اللہ کا "بیان" ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرانه فاذا قرأناه

تم (نزول قرآن کے وقت) جلدی (سے یاد کر لینے) کی غرض سے اپنی زبان کو حرکت نہ دو (یعنی زبان سے یاد کرنے کی کوشش نہ کرو) بیشک ہمارے ذمہ ہے اسکو (تمہارے

Marfat.com

فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ

دل میں، جمع کر دینا (محفوظ کر دینا) اور پڑھا دینا (زبان پر جاری کر دینا) لہٰذا جب ہم (یعنی ہمارا فرستادہ فرشتہ) پڑھیں تو تم غور سے سنو! پھر اس کو بیان کر دینا (یعنی اس کا مدلول و مصداق اور مُراد بتانا) بھی ہمارے ذمہ ہے۔

دیکھئے اس آیتِ کریمہ میں بیانِ ما انزل اللہ کو کس صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے اس کو ملائیے لتبیّن للناس ما نزل الیہم کے ساتھ تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ بیان الرسول" "بیان اللہ" (رسول کا بیان اللہ کا بیان ہے) جیسا کہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی سے نتیجہ نکلتا ہے کہ "رمی الرسول" "رمی اللہ" اور ید اللہ فوق ایدیہم کا نتیجہ ہے "ید الرسول" ید اللہ" اسی لئے فرمایا:

ان الذین یبایعونک تحت الشجرۃ انما یبایعون اللہ

بیشک جو لوگ تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔

اسی لئے کتاب و سنت دونوں حجّت اور مصدرِ تشریع یعنی اسلامی قانون کا سرچشمہ اور ماخذ ہیں اور دونوں منجانب اللہ ہیں ان الحکم الا للہ (حکم صرف اللہ کا ہے) فرق اتنا ہے کہ کتاب وحی متلو ہے اور سنت وحی غیر متلو۔

نکتہ (۱) اس آیت کریمہ وانزلنا الیک الذکر میں الذکر کا اوّلین مصداق یقیناً قرآن حکیم ہے مگر اسمیں بھی شک نہیں کہ یہ قرآن کا اسم صفتی (وصفی) ہے، عَلم نہیں لہٰذا یہ حکم قرآن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کا دوسرا مصداق الحکمت (السنہ) بھی ہے اس لئے کہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ کے مطابق "حکمت" بھی منزل من اللہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ازواج مطہرات کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:۔

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایات اللہ و الحکمۃ (سورہ احزاب)

اور ذکر کرو اُن اللہ کی آیات اور حکمت کا جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جا رہی ہیں۔

اسی طرح ما نُزّل الیہم کا مصداق صرف کتاب و سنت ہی نہیں بلکہ وہ پورا دین اور کامل شریعت بھی اس کا مصداق ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آیات کریمہ ذیل کے تحت مکلف بنایا ہے

مکلف بنایا ہے۔

(۱) شرع لکم من الدین ما وصّی به نوحا والذی اوحینا الیك (شوریٰ)	تمہارے لئے وہی دین تجویز کیا ہے جس کی ہم نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس کی وحی ہم نے تیرے پاس بھیجی ہے
(۲) ثم جعلناك علیٰ شریعة من الامر	پھر ہم نے تم کو دین (الٰہی) کی ایک (مستقل) شریعت پر مامور کیا ہے۔

اور اس دین کے علاوہ اب کوئی دین اللہ کے ہاں مقبول نہیں۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الاخرة من الخاسرین (آل عمران)	اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی دین کو اختیار کریگا وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اُٹھانے والا ہے

یہی نکتہ ہے اس میں کہ اللہ تعالیٰ نے ما نزل الیهم فرمایا ما نزل الیك نہیں فرمایا تاکہ اُمت کو معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کے احکامات اور تعلیمات بیان فرماتے ہیں وہی ہے وہ دین جس کے ہم مکلف ہیں اور ما جاء به الرسول کے عنوان سے جس پر ایمان لانا فرض اور اس کا اتباع واجب و لازم ہے لیکن اسی کے ساتھ لتبیّن لهم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو (بصیغہ واحد مخاطب) خطاب فرما کر ما نُزّل الیهم کے معانی و مصادیق متعین کرنے اور دین کی تعبیر و تشریح کرنے کے "حق" کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص کر دیا اور اُس کی حجیت و مشروعیت کو تبیین رسول پر موقوف فرما دیا یعنی ما نزل الیهم وہ دین و شریعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور بتلایا و سکھلایا ہے اس کے خلاف دین کے متعلق کوئی بھی بیان کسی کا بھی ہو معتبر نہیں، نہ ہی اُمت کے کسی بھی فرد یا جماعت کو محض اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر و تعبیر اور بیان مراد کا حق ہے اور نہ ہی اپنی رائے سے تشریع (قانون سازی) کا حق ہے اسی لئے احادیث صحیحہ میں تفسیر بالرائے پر شدید ترین وعید وارد ہے

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار (رواه الترمذی)	حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن (کی تفسیر) میں محض اپنی رائے سے کوئی بات کہی اسے جہنم میں اپنا ٹھکانا بنا لینا چاہیئے۔

اور اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی ہستی جو علوم نبوت سے تمام اُمت میں سب سے زیادہ قریب تر اور صدّیقیت کے مرتبہ پر فائز ہیں وہ فرماتے ہیں۔

ایّ سماء تظلّنی وایّ ارض تقلنی اذا قلت فی کتاب اللہ برائی	کس آسمان کے نیچے میں سر چھپا سکوں گا اور کونسی زمین میرے بار وجود کو اُٹھائے گی (یعنی مجھے کہیں پناہ نہ مل سکے گی) جب میں قرآن (کی تفسیر) میں محض اپنی رائے سے کوئی بات کہوں گا۔

لہٰذا اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کے کوئی ایسے معنی اور مراد اور دین کی کوئی ایسی تعبیر و تشریح جو کتاب و سنت میں منصوص یا اللہ اور رسول کے بتلائے ہوئے اصول کے تحت کتاب و سنت سے مستنبط نہ ہو، ہرگز معتبر نہیں۔ نیز مصدر تشریع اسلامی صرف کتاب و سنت ہیں اور تدوین و ترتیب قانون اسلامی صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو "اعرف الناس بالکتاب والسنۃ" ہوں یعنی اسلامی قانون تو بنا بنایا کتاب و سنت میں موجود ہے اس لئے اسلام میں "قانون سازی" کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ضرورت صرف اُس قانون کو حالات و جزئیات پر منطبق اور رائج الوقت طریق پر مرتب کرنے کی ہے سو یہ "کام" وہی لوگ کر سکتے ہیں اور انہی کا کیا ہوا "کام" معتبر اور حجت ہو سکتا ہے جو کتاب و سنت اور اصول دین کے زیادہ سے زیادہ ماہر اور ان شرائط پر پورے اُترتے ہوں جو خدا اور اُس کے رسول نے ان "مدونین" قانونِ اسلامی[1] کے لئے مقرر فرمائی ہیں

نکتہ (۲) تبیین ما نزّل الیہم کے تین طریقے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبیین ما انزل اللہ کے فرض منصبی کو تین طریق پر انجام

---

[1] نادان ہیں وہ لوگ جو اسلامی قانون سازی یا حکومت کے قانون کو شریعت کے مطابق بنانے اور قوانین مملکت اسلامی کی تدوین کا کام یا اسلام کی تعبیر و تشریح قومی یا صوبائی اسمبلیوں کے یا ان ماہرین قانون کے سپرد کرتے ہیں جو کتاب و سنت کی زبان تک سے ناآشنا ہیں اسی طرح ملحد و زندیق بلکہ باطنیہ اور مستشرقین کے فرزندانِ معنوی ہیں وہ لوگ جو نصوص قرآن کو ابدی سمجھنے کی بجائے ان کی (خود ساختہ) "علل و غایات" کو ابدی قرار دے کر نصوص قرآن میں اُسی من مانی تحریف کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں جس کے ذریعہ یہود نے آسمانی کتاب کو مسخ کر ڈالا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مخذول و مغضوب ہوئے (ملاحظہ فرمائیے فکر و نظر بابت ماہ اکتوبر ص ۲۲۹ مقالہ قرآن کی ابدیت)

Marfat.com

دیا ہے۔

(۱) **تبیین عملی!** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تیئس سالہ تشریعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے حکم:

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک	اے رسول تمہارے رب کی جانب سے جو (دین) نازل
من ربک وان لم تفعل فما بلغت	کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو (اُمت کو پہنچادو) اگر تم نے
رسالتہ واللہ یعصمک من	(اس پر عمل) نہ کیا تو تم نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا
الناس (سورہ مائدہ ع ۱۰)	اور اللہ تم کو لوگوں (کی دراندازی) سے بچالے گا۔

اور فرمان خداوندی:

فاصدع بما تؤمر واعرض	جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان کرو
عن المشرکین (حجر ع ۶)	اور مشرکوں سے اعراض کرو۔

کے مطابق تدریجی طور پر اس کامل واکمل دین الٰہی کے اُن تمام حدود و احکام اور قوانین پر عمل کر کے دکھلادیا بتلادیا سکھلادیا اور اُمت سے عمل کرادیا جن کی تعلیم کے لئے کتاب کے نازل کرنے کے ساتھ ساتھ ایک عمل کر کے دکھلانے والے معصوم انسان (نبی) کی بعثت لابدی اور ضروری تھی جس کی طرف آیۂ کریمۂ ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ولو جعلنٰہ ملکا لجعلنٰہ	اگر بالفرض ہم کسی فرشتے کو رسول بناتے تو (پہلے) ہم اس
رجلا۔ (انعام ع ۱)	کو مرد بناتے۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ مثلاً جس شخص نے کبھی اپنی زندگی میں کسی کو نماز پڑھتے نہ دیکھا ہو آپ اس کو حدیث و فقہ کی تمام کتابوں کے "ابواب الصلوٰۃ" پڑھا دیجئے سمجھا دیجئے مگر عمل کر کے نہ دکھلائیے وہ کبھی صحیح نماز نہ پڑھ سکے گا جب تک کہ یا آپ خود اس کو نماز پڑھ کے نہ دکھلائیں یا وہ خود کسی کو نماز پڑھتے نہ دیکھے۔ اس کا واضح تجربہ فریضہ حج ادا کرتے وقت ہوتا ہے۔ بڑے بڑے عالم دین جن کی عمریں حدیث و فقہ میں "مناسک حج" (احکام حج) پڑھاتے گذری ہوتی ہیں جب وہ خود فریضہ حج ادا کرنے کے لئے جاتے ہیں تو ان کو بھی مُعلّم (سکھلانے والے) کی ضرورت لابدی ہوتی ہے پھر بھی پہلی مرتبہ کے حج میں ضرور کچھ نہ کچھ غلطیاں یا کوتاہیاں ہو جاتی ہیں الا ماشاء اللہ، اسی پر

Marfat.com

تمام احکام کو قیاس کیجئے۔

(۲) تبیین قولی! کسی حکم شرعی پر عمل کر کے دکھلا دینے سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہو سکتا کہ اگر کلاً یا جزاً ایسا نہیں کیا گیا تو اس کا کیا حکم ہے یعنی اس میں کونسا عمل رکن ہے کونسا فرض یا واجب ہے اور کونسا مسنون و مستحب ہے یا کونسا عمل مکروہ ہے اور کونسا حرام و مفسد ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ۲۵ ذی القعدہ سنہ ۱۰ھ کو ذوالحلیفہ سے "احرام" باندھ کر حج شروع کیا اور ۱۳ ذی الحجہ کو "طواف صدر" تک تمام مناسک حج و عمرہ عملی طور پر کر کے دکھلا دیئے مگر اس سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہو سکتا کہ وہ کونسا عمل ہے جس پر حج ہونے یا نہ ہونے کا مدار ہے اس لئے یہ اعلان کرانا ضروری ہوا۔

فامر منادیا، فنادی: الحج عرفۃ من جاء لیلۃ جمع قبل طلوع الفجر فقد ادرک الحج۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا تو اس نے اعلان کیا کہ حج عرفۃ (میں ٹھہرنے پر موقوف) ہے جو کوئی طلوع فجر سے پہلے مزدلفہ کی رات میں (عرفات میں ٹھہر کر) آگیا اس نے حج پا لیا۔

علیٰ ہذا القیاس قرآن کریم کے جملہ احکام کے متعلق خواہ عقائد ہوں خواہ عبادات و معاملات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وافی و شافی تفصیلات بیان فرما دی ہیں جو ذخیرۂ احادیث رسول اللہ میں موجود و محفوظ ہیں۔

ب! یہ وہ تبیین قولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شارع (شریعت لانے والا) ہونے کی حیثیت سے از خود بیان فرمائی ہے باقی قرآن حکیم کے معانی و مطالب سمجھنے میں جو اشکالات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پیش آئے ہیں اور انھوں نے خود آپ کی طرف رجوع کیا ہے اس کی بھی چند مثالیں بطور "گلے از گلزارے" ہم درج کرتے ہیں۔ ایک عقائد سے متعلق ہے دوسری عبادات سے تیسری احکام سے۔

(۱) عن عبد اللہ بن مسعود قال لما نزلت ھذہ الآیۃ الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم شق ذالک علی اصحاب

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت کریمہ الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقالوا: أیّنا لم یلبس ایمانہ بظلم؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انہ لیس بذالک الم تسمع الی قول لقمان لابنہ ان الشرک لظلم عظیم۔

بڑے گھبرائے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے ایمان لانے کے بعد کوئی ظلم نہ کیا ہو؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ (ظلم) مراد نہیں ہے، تم نے لقمان نے جو اپنے بیٹے سے کہا وہ نہیں سُنا؟ کہ بیشک شرک ظلم عظیم ہے (یہی ظلم (شرک) اس آیت کریمہ میں مراد ہے)

(۲) عن یعلی بن اُمیّۃ قال قلت لعمر ابن الخطاب لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا، فقد امن الناس، فقال عجبت منہ فسألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک فقال: صدقۃ تصدق اللہ بہا علیکم فاقبلوا صدقتہ

(۲) یعلی بن اُمیہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) "اگر تمکو کافروں سے فتنہ کا خوف ہو تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر (تخفیف) کرلو" تو اب تو لوگ (کفار سے) مامون ہوگئے ہیں (اب قصر نہ کرنا چاہیئے) تو حضرت عمر نے کہا کہ مجھے بھی اس پر تعجب ہوا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا یہ (سفر میں قصر) اللہ کا احسان ہے تم اللہ کے اس احسان کو قبول کرو۔

(۳) عن عبد اللہ بن عمر انہ طلق امرأتہ وھی حائض فذکر ذلک عمر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتغیّظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال مرہ لیراجعہا ثم لیمسکہا حتی تطہر ثم تحیض فتطہر ثم تحیض فتطہر ثم ان شاء طلقہا طاہرا قبل ان یمس فذالک الطلاق للعدۃ کما امر اللہ

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے بیٹھے تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ اس پر بڑے ناراض ہوئے اور پھر فرمایا اس (ابن عمرؓ) کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے پھر اسے اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے پھر (دوسرا) حیض آئے تو اس سے بھی پاک ہوجائے پھر اسی طرح تیسرا حیض آئے اور اس سے بھی پاک ہوجائے پھر اگر اس کا جی چاہے تو حالت پاکی (طُہر) میں ہاتھ لگانے سے پہلے اسکو طلاق

Marfat.com

تعالیٰ ذکرہ — دے، یہی ہے اللہ کے حکم کے مطابق عدت کا اعتبار سے طلاق۔

(ابو داؤد ص ۲۹۷)

نکتہ (۳) اللہ تعالیٰ شانہ کے اپنے کلام کے اور تمام مَا اُنزِلَ کے بیان کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ متکلم جس قدر وسیع العلم، کثیر المعلومات اور عظیم القدرت، وسیع التصرفات ہوتا ہے اسی قدر اس کا کلام زیادہ حاوی، محیط اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔ وجوہ کثیرہ (بہت سی صورتوں) محامل و مصادیق وافرہ (بہت سی محمل اور مصداق) پر مشتمل ہوتا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایسے متکلم کا کلام غایت درجہ بلیغ، مجمل، مبہم اور ذو وجوہ (بہت سے پہلوؤں والا) ہوتا ہے اس کے مضمرات و منویات (چھپے ہوئے معنی اور مراد) مصالح و حکم، علل و اغراض تک رسائی عام عقول انسانی کی دسترس سے باہر ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت اور لامتناہی علم تمام کائنات پر یکساں طور پر محیط ہے ماضی، حال اور مستقبل کی حدود و امتیازات اس کے علم و قدرت کے سامنے محو ہیں۔ موجود و معدوم، حاضر و غائب کا فرق ہیچ ہے، متغیرات و متجددات (بدلنے والے حالات اور نو بنو ظروف و حقائق) اس کے علم و قدرت کے سامنے حقائق ساکنہ و ثابتہ ہیں غرض وہ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اور آئندہ جو کچھ ہوگا، سب کو یکساں طور پر جانتا اور اس میں تصرف کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور اسی علم و قدرت کے تحت اس کی صفت خلق و تدبیر برابر کار فرما ہے کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَأْنٍ (ہر روز اس کی نئی شان ہے) اُس کی شان ہے اسی اجمال کی تفصیل آیت کریمہ ذیل ہے۔

(۱) وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (انعام ع ۷)	(۱) اور اسی کے پاس غیب (کے خزانوں) کی کنجیاں ہیں اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا جو کچھ بھی بحر و بر میں ہے وہ سب کو جانتا ہے جو درخت کا پتہ بھی گرتا ہے وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں (تہوں) میں جو بھی دانہ (بیج) ہے اور جو بھی خشک و تر ہے وہ سب روشن کتاب (علم الٰہی) میں موجود ہے۔
(۲) وما من دابۃ فی الارض ولا طائر	(۲) جو بھی زمین پر چلنے والا جانور ہے اور جو بھی اپنے

Marfat.com

يطير بجناحيه الا امم امثالكم ما فرطنا في الكتاب من شئ ۔
(انعام ع ۴)

بازوؤں سے اڑنے والا پرندہ ہے وہ سب تم جیسی (خدا کی) مخلوق ہیں ہم نے کتاب (علم الٰہی) میں کوئی چیز چھوڑی نہیں ۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ کا کلام (قرآن) غایت درجہ جامع، محیط، ہمہ گیر، کثیر الوجوہ، متکثر المعانی اور بلیغ و مجمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ ازلی و ابدی کلام اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ہی اپنے نبی معصوم پر نازل فرمایا ہے اور بندے جب تک اپنے پروردگار کے کلام کی مراد نہ سمجھیں اس کے حکم کی تعمیل اور امتثالِ امر ان کی قدرت و استطاعت سے باہر ہے، اس لئے اللہ جل شانہٗ نے اپنے کلام کی مراد کو بیان کرنا بھی اپنے ذمہ لیا۔ اور وحی و الہام کے ذریعہ اپنے نبی کو بقدر ضرورت اپنے کلام کی مراد، محامل و مصادیق اور اغراض و علل سے نہ صرف آگاہ فرمادیا بلکہ اپنے کلام اور جمیع ما انزل الیہ کی تبیین (بیان کرنے) پر اس کو مامور فرمادیا اور اعلان کردیا کہ ہمارے کلام کی مراد بیان کرنے اور دین کی تعبیر و تشریح کا حق صرف ہمارے اس نبی معصوم کو ہے اور اسی کا بیان حجت ہے۔ اسی لئے اُمت اس پر متفق ہے کہ قرآن کریم کی کوئی تفسیر و تاویل اور دین کی کوئی ایسی تعبیر و تشریح جو کتاب و سنّت اور ضروریات و متواترات دین کے خلاف ہو ہرگز معتبر و مقبول نہیں، احکام شرعیہ کی اغراض و غایات اور علل و مصالح وہی معتبر اور حجت ہیں جن کا بیان صراحتًا یا اشارتًا کتاب و سنت میں آچکا ہو۔ محض اپنی عقل و رائے سے قرآن کی مراد متعین کرنے اور علل و مصالحِ احکام تجویز کرنے کا حق اُمت کے کسی متنفس کو بھی حاصل نہیں — تاکہ زندیقین و ملحدین اور ارباب اہوا و اغراض کے لئے قرآن حکیم یا احکام شرعیہ میں کسی تاویل و تحریف اور تصرف و تبدیل کی گنجائش باقی نہ رہے اور اس تدبیر سے قرآن کریم کے معانی و مطالب بھی ملحدوں کی دست برد سے اسی طرح محفوظ ہو جائیں جس طرح الفاظ قرآن کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے محفوظ فرما دیا ہے۔

اس تمہید کے بعد صحابہ کے مذکورۃ الصدر ہر سہ سوالات اور ان کے جوابات پر غور فرمایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی بھی متنفس ہر سہ آیات کے مصادیق کو نہ اس قطعی طور پر متعین کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کا بیان حجت ہوسکتا ہے کہ پہلی آیت کریمہ میں ظلم سے "ظلم عظیم" یعنی شرک

Marfat.com

مراد ہے اور دوسری آیت کریمہ میں ان خفتم کی شرط کا تعلق قصر عدد (صلوٰۃ سفر) سے نہیں بلکہ قصر صفت (صلوٰۃ خوف) سے ہے یا یوں کہئے کہ نماز میں قصر (تخفیف) کے ابتداً دو سبب تھے۔ مشقت سفر اور خوف اعداء یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے خوف اعداء باقی نہ رہنے کے باوجود صرف مشقت سفر کی بنا پر حکم قصر صلوٰۃ باقی رہنے دیا۔ اور تیسری آیت طلقوھن لعدتھن میں وقت عدت حالت طہر ہے نہ کہ حالت حیض۔ یہ بیان مراد اور تعبیر و تشریح صرف صاحب وحی و الہام نبی کا کام ہے۔

نکتہ (۴) ما نزل الیھم کی تشریح میں حضرت مجاہد فرماتے ہیں:

ان المراد بھذا التبیین تفسیر المجمل وشرح ما اشکل اذھما المحتاجان للتبیین واما النص والظاھر فلا یحتاجان الیہ (روح المعانی)

اس تبیین سے مراد ہر مجمل امر کی تفصیل اور ہر مشکل لفظ کی شرح کرنا ہے۔ اس لئے کہ یہی دو چیزیں بیان کی محتاج ہیں باقی وہ آیات جو نص (صریح) اور ظاہر (واضح) ہیں ان میں کسی بیان کی ضرورت نہیں۔

حضرت مجاہد نے اگرچہ یہ دائرہ محدود کر دیا ہے تاہم مجملات کی تفسیر کا دائرہ بہت وسیع ہے، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، بیع، شراء، ربٰو وغیرہ سب عبادات و معاملات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے محتاج ہوں گے۔ چنانچہ اور حضرات مفسرین اس بیان کے دائرہ کو احکام تک محدود نہیں رکھتے وہ اس تبیین کے مصداق میں مزید توسیع کرتے ہیں:

وقیل المراد ایقافھم علی حسب استعداداتھم المتفاوتۃ علی ما خفی علیھم من اسرار القرآن وعلومہ التی لا تکاد تحصی ولا یختص ذلک بتبیین الحلال و الحرام واحوال القرون الخالیۃ والامم الماضیۃ ویستانس لہ بما اخرجہ الحاکم وصححہ عن حذیفۃ قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما اخبرنا فیہ بما یکون الی

بعض علماء نے کہا ہے کہ تبیین قرآن سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو ان کی مختلف استعداد و اہلیت کے مطابق قرآن کریم کے ان بے پایاں اسرار و علوم سے آگاہ فرمائیں جو صحابہ پر مخفی ہیں اور یہ بیان قرآن صرف حلال و حرام یا ازمنہ سابقہ اور اقوام ماضیہ کے حالات بیان کر دینے کے ساتھ مخصوص و منحصر نہیں ہے اس کی تائید حضرت حذیفہ کی حدیث سے ہوتی ہے جس کو حاکم نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مجمع میں تقریر کرنے کے لئے کھڑے

Marfat.com

يوم القيامة عقله منا من عقله ونسيه من نسيه وهذا الى معنى ماذكره غير واحد ان التبيين اعم من التصريح بالمقصود ومن الاشارة الى مايدل عليه ويدخل فيه القياس واشارة النص ودلالته ومايستنبط من العقائد والحقائق والاسرار الالٰهية (روح المعانی)

ہوئے تو (اس تقریر میں) آپ نے جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اس کی خبر دی ہم میں سے جسکو یاد رہا، یاد رہا اور جو بھول گیا بھول گیا، اس حدیث کا مآل وہی ہے جو اکثر و بیشتر مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ لفظ تبیین (بیان کرنا) مقصود کلام کی تصریح اور مدلولِ کلام کی طرف اشارہ دونوں کو شامل ہے اور (اس لحاظ سے) اس تبیین میں قیاس اور اشارۃ النص، دلالۃ النص دونوں داخل ہیں اسی طرح تمام عقائد، حقائق اور اسرار الٰہیہ بھی اس میں شامل ہیں

حضرت قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ اس سے بھی زیادہ تعمیم اور توسیعِ بیان شارع کے قائل ہیں فرماتے ہیں:-

والبيان قد يكون صريحا بالقول او الفعل او التقرير وقد يكون غير صريح كالامر بالقياس۔

(تفسیر مظہری سورۂ نحل)

اور (رسول اللہ کا یہ) بیان کبھی قولی یا فعلی یا بیان سکوتی کے طور پر صراحتًا ہوتا ہے۔ اور کبھی صریح نہیں ہوتا جیسا کہ غیر منصوص اُمور میں ــــ آپ کا قیاس کرنے کا حکم دینا (لہذا مجتہدین از روئے قیاس جو احکام بیان کرتے ہیں وہ بھی رسول کا ہی بیان ہے)

حقیقت یہ ہے کہ الذکر کا اوّلین مصداق تو قرآن کریم ہی ہے لیکن جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کتاب (قرآن) کی طرح حکمت (سنت) بھی منزل من اللہ ہے لہذا وہ بھی اس آیتِ کریمہ میں الذکر کے مصداق میں داخل و شامل ہے جس کا ثبوت ما نزل الیهم کا عموم ہے اگر ذکر سے صرف قرآن ہی مراد ہوتا تو لتبینه للناس فرماتے اس لحاظ سے شارع علیہ السلام کا ہر بیانِ تشریعی خواہ وہ وحی متلو جلی پر مبنی ہو خواہ وحی غیر متلو خفی پر اور خواہ وہ قرآن میں صراحتًا مذکور ہو خواہ اشارتًا خواہ قرآن سے مستنبط ہو خواہ قرآن میں مطلق مذکور نہ ہو بلکہ شارع علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ اصولِ تشریع کے تحت اپنے قیاس و اجتہاد سے نافذ کیا ہو نیز خواہ فعلی ہو یا قولی یا بیان سکوتی، سب "تبیین" کے اندر داخل و شامل اور حجت شرعیہ

ہیں۔ اسی بیان شارع کا دوسرا نام سنّت ہے اس لئے مذکورۃ الصدر آیت اور اسکی معاون آیات سے ثابت ہوا کہ کتاب کے بعد دوسرا مصدر تشریع (ماخذ احکام شرعیہ) سنت ہے۔ وَھٰذَا ما کنا بصدده (یہی ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں) وباللہ التوفیق۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

مذکورۃ الصدر آیت کریمہ اور ہمارے بیان سے کسی کوتاہ نظر قاری کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر قرآن کریم کی مراد متعین کرنے اور معانی و مصادیق بیان کرنے کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں تو قرآن کریم کی ان صدہا چھوٹی بڑی تفسیروں میں قرون اولیٰ سے لے کر آج تک قرآن کی تفسیر کیسے کی گئی اور ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ سے لیکر حضرت شیخ الہند اور حضرت تھانوی رحمہما اللہ تعالیٰ تک یہ تمام مفسرین قرآن ان تفاسیر میں قرآن حکیم کے معانی و مطالب بیان کرنے میں کیوں مصروف رہے اور تفسیر قرآن کریم بیان کرنے میں ان حضرات نے اپنی عمریں کیسے صرف کر دیں؟ اسی طرح اگر احکام دین کی تعبیر و تشریح اور احکام شرعیہ اور ان کی علل و اغراض کا بیان کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا تو روز اوّل سے ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے احکام شرعیہ فقہیہ اور ان کے دلائل و شواہد اور علل و اغراض بیان کرنے میں اپنی عمریں کیسے صرف کر دیں اور فقہ اسلامی کی یہ بے شمار کتابیں کیسے اور کیونکر وجود میں آگئیں اور اُمت تیرہ سو سال سے برابر ان قرآن عظیم کی تفسیروں کو اور فقہ و افتا و قضا کی کتابوں کو احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ کا ماخذ کس طرح اور کیوں مانتی چلی آرہی ہے؟

اس شبہ کے پیدا ہونے کا اصلی سبب تو علم تفسیر و اصول تفسیر اور علم فقہ و اصول فقہ سے ناواقفیت ہے اس لئے اس کا ازالہ حقیقی معنی میں تو ان علوم سے کامل واقفیت حاصل کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے ہمارا موضوع بحث اس وقت "سنت کا تشریعی مقام قرآن کی روشنی میں" بیان کرنا ہے اس لئے ہم تو اس شبہ کے ازالہ اور اس اعتراض کے جواب میں اپنے موضوع بحث کے اعتبار سے صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ

اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کی کسی بھی آیت کی اپنی رائے سے کوئی ایسی تفسیر یا تاویل جو کتاب و سنّت اور ضروریات و متواتراتِ دین کے خلاف ہو ہرگز صحیح، معتبر اور جائز نہیں بلکہ موجب

عذاب جہنم ہے بلکہ حدیث شریف میں تو اپنی عقل اور رائے سے قرآن کی تفسیر کرنے کی ممانعت یہاں تک وارد ہے کہ اگر اپنی رائے سے کسی نے قرآن کی صحیح تفسیر بھی کی تو وہ بھی خطا کار و غلط کار ہے چنانچہ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطأ (رواہ الترمذی وابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن میں "اپنی رائے" سے کوئی بات کہی اور صحیح کہی تب بھی اس نے غلطی کی۔

اور تمام مفسرین رحمہم اللہ نے روز اول سے اسی اصول کو سامنے رکھکر اور ان تمام شرائط کی پابندی کرتے ہوئے وہی قرآن کے معانی و مطالب بیان کئے ہیں جو حقیقی اور اصلی مفسر قرآن یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور و منقول ہیں:

رہا یہ کہ اتنی تفسیریں لکھنے کی کیوں ضرورت پیش آئی اور کیوں یہ نو بنو تفسیریں لکھی گئیں تو یہ تو وہی شخص جان سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے جسے علوم قرآن کا کما حقہ علم ہو قرآن عظیم درحقیقت بحر لا تنقضی عجائبہ (ایک ایسا (حقائق کا) سمندر ہے جس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے)

اسی طرح تمام ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے صرف اُن احکام فقہیہ میں اجتہاد سے کام لیکر مسائل فقہیہ استنباط کئے ہیں۔ جو کتاب وسنت میں منصوص نہیں، اور انھیں شرائط کی پابندی کے ساتھ، اور اسی دائرہ میں محدود رہ کر، اور انہی اصول کے تحت، قیاس و استنباط سے کام لیا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر فرمائے ہیں۔ اور اُن کے مطابق اجتہاد کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے بلکہ حکم دیا ہے۔

اس لئے ان تمام مفسرین کا معانی و مطالب قرآن حکیم کو بیان کرنا اور ان تمام ائمہ مجتہدین اور فقہاء کا مسائل فقہیہ بیان کرنا درحقیقت یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تبیین و تفسیر اور تعبیر و تشریح ہے اس لئے کہ ایک طرف خود شارع علیہ الصلوٰۃ فرماتے ہیں۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل — میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں

دوسری طرف اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ کی اُمت کے متعلق شہادت دیتے ہیں۔

وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا — اسی طرح ہم نے تم کو ایک (افراط و تفریط کے درمیان)

شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ معتدل اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں۔

رسول کا قول وفعل اُمت کے قول وفعل کے لئے معیار حجیت ہے اور صحیح وبرحق ہونے کی شہادت اور اُمت کا قول وفعل تمام نوع انسانی کے لئے معیار صحت وحجیت اور حق ہونے کی شہادت ہے بالفاظ دیگر تمام نوع انسانی کے لئے اس اُمت کا قول وفعل معیار حق ہے اور اس اُمت کے اقوال وافعال کے لئے معیار، رسول اللہ کے اقوال وافعال ہیں اسلئے اُمت کی وہی، تفسیر وتبیینِ قرآن اور تعبیر وتشریحِ دین حق، صحیح، معتبر اور حجت ہوگی. جس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تعلیمات نبوت سے ہوتی ہو اور اگر اس کے خلاف ہوگی تو باطل ومردود ہے۔

شریعت محمدیہ

آیت نمبر(٦) ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء الذین لا یعلمون

اللہ جل شانہٗ نے نوع انسانی کے ہوش سنبھالنے اور انسانیت کے سن بلوغ کو پہونچنے کے بعد اولاد آدم کو جس امر کا مامور و مکلف بنایا ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک "دین" اور دوسرے "شریعت" دین تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کی امتوں کا ایک ہی ہے۔ اسی دین کا نام ملت محمدیہ میں اسلام ہے اور اس کے ماننے والوں کا نام مسلمان ہے اب اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

(۱) ان الدین عند اللہ الاسلام۔ (آل عمران ع ۲) (۱) بیشک دین اللہ کے نزدیک "اسلام" ہے

(۲) ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرۃ من الخاسرین (آل عمران ع ۹)
(۲) جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا قصد کریگا ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خسارہ میں پڑنے والوں میں سے ہوگا۔

(۳) ملة ابیکم ابراهیم هو سماکم المسلمین من قبل وفی هذا (الحج ع ۱۰)
(۳) (یہ) تمہارے جد امجد ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت ہے انہی نے پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھدیا ہے اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا نام مسلمان) ہے

تمام انبیا و رسل صلوات اللہ علیہم اجمعین خود بھی اسی دین پر قائم رہے ہیں اور اپنی امتوں کو بھی اسی دین کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو خطاب کرکے فرماتے ہیں۔

لہ دین اور شریعت میں نسبت | انسان کو اپنے "رب" کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے ارشاد ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون
اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

معبود کی ذات و صفات کی صحیح معرفت کے بغیر حقیقی معنی میں عبادت نہیں ہوسکتی۔ دنیا کی جن قوموں نے غیر اللہ کی عبادت کی ہے اس کا ایک سبب معبود کی ذات و صفات سے جہل اور ناواقفیت بھی ہے اسی لئے قرآن حکیم کی تعلیمات کا بڑا حصہ اسی معرفت معبود حقیقی سے متعلق ہے اس لئے دین کے دو اہم ترین جزو ہیں ایک اعتقادیات یعنے اللہ کی ذات (باقی ص۱۵۲ پر)

Marfat.com

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (سورہ الشوریٰ ع ۲)

تمہارے لئے وہی دین تجویز کیا ہے جس کا ہم نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی وحی (حکم) ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے اور جس کا حکم دیا ابراہیم کو موسیٰ کو اور عیسیٰ کو کہ تم (سب) اِس دین کو قائم کرو اور اس میں افتراق مت پیدا کرو۔

لیکن شریعتیں، مختلف انبیاء و رسل اور اُن کی اُمتوں کی الگ الگ رہی ہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ہر رسول کو اس کی اُمت اور زمانے کے حسب حال ایک مخصوص اور مستقل شریعت عطا فرمائی ہے۔ اللہ جل شانہٗ تمام اُمم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:-

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا ولو شاء اللہ لجعلکم أمۃ واحدۃ۔ (مائدہ ع ۷)

ہم نے تم میں سے ہر ایک (اُمت) کے لئے ایک مخصوص شریعت اور مسلک تجویز کیا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب (اولادِ آدم) کو ایک ہی اُمت بنا دیتا۔

اسی سُنّت اللہ کے تحت اللہ تعالیٰ شانہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک "مخصوص"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۱ سے آگے) وصفات اور مبداء و معاد کا صحیح علم اور معرفت دوسرا اس کی مرضی کے مطابق اس کی عبادت وطاعت۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات وصفات تغیر وتبدل سے وراء الوراء ہیں اسی طرح مبداء و معاد کی تفصیلات تمام ازمنہ و ادوار اور اقوام و ملل میں غیر متبدل ہیں اس لئے معتقدات تمام عالم کی قوموں کیلئے ہر عصر اور ہر زمانہ میں ایک ہی ہو سکتے ہیں۔ ہاں دُنیا کی مختلف قوموں، ملکوں اور زمانوں کے اختلاف کی بناء پر عبادت وطاعت کے طریقے اور احکام ضرور مختلف ہونے چاہئیں اس لئے لفظ دین کے مذکورہ بالا استعمال میں "دین" سے مراد معتقدات ہیں اور "شریعت" سے مراد احکام عبادات وطاعات ہیں۔ یہ لفظ "دین" کا ایک استعمال ہے جبکہ وہ شریعت کے مقابل ہو۔ باقی "مجموعہ عقائد و عبادات" کو بھی "دین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ (المائدہ ع ۱)

آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنا انعام تم پر پورا کر دیا اور اسلام کو تمہارے لئے دین پسند فرمایا۔

یہ لفظ دین کا دوسرا اور عام استعمال ہے۔ ۱۲

مخصوص" اور مستقل "شریعت" عطا فرمانے کی خبر دیتے ہیں اور اسکی پیروی اور پابندی کا حکم دیتے ہیں ارشاد ہے:

ثم جعلناك على شريعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء الذين لا يعلمون (سورہ جاثیہ)	پھر (ان اُمتوں کے بعد اے نبی) ہم نے تم کو دینِ (الٰہی) کی ایک مخصوص (و مستقل) شریعت کا مامور بنایا ہے۔ تم اسی کی پیروی کرو اور اُن لوگوں کی خواہشات کی پروا نہ کرو جو علم سے کورے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تیئیس سالہ تشریعی زندگی میں اس شریعت کے احکام نافذ کرنے کا فرض جن اصولوں کے تحت انجام دیا اور جو تشریعی اختیارات اللہ جل شانہٗ نے آپ کو عطا فرمائے تھے انکی تفصیل بھی اللہ تعالیٰ نے آیۃ کریمہ ذیل میں بیان فرمائی ہے:

يامرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ويضع عنهم اصرهم والاغلال التي كانت عليهم۔ (سورۂ اعراف ع ۱۹)	اور (وہ نبی اُمی) ان کو معروف (ہر نیک اور بھلے کام) کا حکم دیتا ہے اور منکر (ہر بُرے اور ممنوع کام) سے روکتا ہے اور پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور خبیث (گندی اور ناپاک چیزوں) کو حرام کرتا ہے اور وہ بوجھ (سخت ترین احکام) اور بندھن (پابندیاں) ان سے رفع کرتا ہے جو ان پر عائد تھے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل "اصول" کے تحت رسول اللہ کے احکامات نافذ کرنے کی خبر دی ہے۔

(۱) **امر بالمعروف:۔** ہر شرعاً، عقلاً، اخلاقاً اور فطرۃً اچھے، بھلے اور مفید کام کا حکم دینا، خواہ از قبیل عبادات و معاملات ہو خواہ از قبیل اخلاق و عادات، خواہ شخصی اور انفرادی اُمور سے متعلق ہو خواہ عائلی اور اجتماعی امور سے، غرض تمام امور خیر اس امر بالمعروف میں داخل ہیں۔

(۲) **نہی عن المنکر:۔** ہر شرعاً، عقلاً، اخلاقاً اور فطرۃً بُرے، ناپسندیدہ اور ضرر رساں امر سے منع کرنا، خواہ از قبیل عبادات و معاملات ہو خواہ از قبیل رذائل و خسائس، خواہ شخصی اور انفرادی زندگی سے متعلق ہو خواہ خاندانی اور

Marfat.com

اجتماعی زندگی سے ۔ بغرض جملہ منکر (ممنوع) اور قبیح اعمال واخلاق اور امور شر و فساد نہی عن المنکر میں داخل ہیں۔

(۳) **تحلیل طیبات :۔** تمام عمدہ، مفید، ذوق سلیم اور فطرت صحیحہ کے اعتبار سے پسندیدہ اور لذیذ چیزوں کو حلال کرنا خواہ از قبیل ماکولات و مشروبات (خورد و نوش کی چیزیں) ہوں خواہ از قبیل ملبوسات (لباس) و زینت و آرائش ہوں خواہ منکوحات (بیویاں) اور فطری خواہشات کے مقتضیات، سب اس تحلیل طیبات میں شامل ہیں۔

(۴) **تحریم خبائث :۔** تمام گندی مضرت رساں اور ذوق سلیم کے اعتبار سے مکروہ و ناپسندیدہ اور فطرت سلیمہ کو تباہ کرنے والی چیزوں سے منع کرنا، خواہ وہ کھانے پینے کی چیزیں ہوں خواہ غیر فطری خواہشات کے مقتضیات ، خواہ انفرادی یا اجتماعی زندگی کو تباہ کرنے والی چیزیں ہوں سب اس تحریم خبائث میں داخل ہیں۔

(۵) **وضع اِصر :۔** ان تمام سخت ترین احکام اور شدید ترین پابندیوں کے بوجھ کو ہلکا کردینا جن میں پہلی اُمتیں اپنے تعنّت و سرکشی کی پاداش میں یا بتقاضاء ضرورت و مصلحت، گرفتار و مبتلا تھیں نیز احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کی راہ میں جو بھی دشواریاں، تنگیاں اور مجبوریاں حائل ہوسکتی ہیں، ان کو دور کرکے دین کو آسان اور ہر حالت میں قابل عمل بنا دینا، اس وضع اِصر کے ذیل میں آتا ہے

شریعت مطہرہ کے تمام تر احکامات خواہ کتاب (قرآن) سے ثابت ہوں خواہ سنت (حدیث) سے خواہ ان دونوں سے ماخوذ و مستنبط ہوں ان سب کا جائزہ لے کر دیکھ لیجئے کسی بھی حکم کو مندرجہ بالا "اساسی اصولِ تشریع" سے خارج نہ پائیں گے۔

یہی ہے وہ مخصوص و مستقل "شریعت" جس کی تشریع و تنفیذ اور عملی تشکیل کیلئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا ہے اور بسرعنوان آیت کریمہ میں جس کی خبر دی گئی ہے ان تمام احکام شرعیہ کا ماخذ صرف دو ہیں ایک کتاب اللہ دوسرے سنت رسول اللہ۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس موعود کتاب (قرآن) کو مندرجہ ذیل حکمت و مصلحت کے تحت بتدریج تیئس[۲۳] سال کی مدت دراز میں نازل فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وقال الذین کفروا لولا انزل علیہ القران جملۃ واحدۃ؟ کذٰلک، لنثبت بہ فؤادک ورتلنٰہ ترتیلا ولا یاتونک بمثل الا جئنٰک بالحق واحسن تفسیرا (الفرقان ۳۴)

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے انھوں نے کہا: اس نبی پر ایک ہی دفعہ پورا کا پورا قرآن کیوں نہیں نازل کر دیا گیا؟ کہد و ہاں ہم نے اسی طرح (اُتارا ہے) تاکہ (اے نبی) اس (وقتاً فوقتاً نزول) قرآن سے تمہارا دل مضبوط رکھیں (اور ہمت بندھاتے رہیں) اور (اسی لئے) ہم نے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے، اور جب بھی کوئی انوکھی بات وہ تمہارے پاس لائیں ہم فوراً حق اور وضاحت کے اعتبار سے بہترین (جواب) تمہارے پاس بھیجدیں۔

اسی حکمت و مصلحت کے تحت خدا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی آہستہ آہستہ اور تھوڑے تھوڑے احکام حسب منشاء الٰہی نافذ و جاری کئے ہیں تاکہ اُمت یکدم مختلف متنوع اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو محیط "مجموعہ احکام" کو دیکھ کر گھبرا نہ جائے اور ہمت نہ ہار بیٹھے بلکہ الاھم فالاھم (ضروری کے بعد ضروری) اور الاھون فالاھون (آسان کے بعد آسان) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے بتدریج اپنی تیئس سالہ تشریعی زندگی میں اس شریعت کے احکام نافذ بھی کئے اور ان پر عمل کر کے بھی دکھلا دیا اور اُن پر عمل بھی کرا دیا اُنھیں مجموعہ احکام شرعیہ کا، دوسرا نام سُنّت رسول ہے جس کے اتباع و پیروی کا نبی کو بھی اور اُس کی اُمت کو بھی مذکورہ عنوان آیتِ کریمہ میں حکم دیا گیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل کے سلسلہ میں چند نکتے اہل نظر اور ارباب بصیرت کی خاص توجہ کے مستحق ہیں۔

نکتہ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تیئس سالہ تشریعی زندگی اور بتدریج تشریع احکام اور وقتاً فوقتاً نزول آیاتِ احکام کے باہمی ربط و تعلق کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مذکورہ بالا اساسی اصول تشریع کے تحت اللہ کے حکم سے

رفتہ رفتہ احکامات جاری کرنے شروع کئے ہیں اور اللہ جل شانہٗ نگرانی فرماتے رہے ہیں

۱۔ جہاں آپ کے نافذ کردہ احکام میں اصلاح وترمیم یا تنسیخ وتبدیل کی ضرورت ہوئی ہے وہاں آیات احکام نازل فرمائی ہیں۔ مثلاً صوم رمضان اور احکام صوم۔

۲۔ جہاں مستقل تشریعی مصلحت کے خلاف آپ سے کوئی حکم نافذ ہوگیا ہے وہاں فوراً تنبیہ واصلاح فرمائی ہے مثلاً اسیران جنگ بدر کا معاملہ۔

۳۔ ورنہ عموماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاری کردہ احکام سے متعلق آیات نازل فرما کر احکام نبوی کی تصدیق وتوثیق فرمائی ہے۔

۴۔ اور جن احکام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس حکم پر اپنے پرائے سب چہ میگوئیاں یا اعتراضات کریں گے ایسے احکام کو اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری کیا ہے لیکن اللہ جل مجدہٗ نے ان کو صریحی طور پر اپنے حکم سے تعبیر کیا ہے کہ "ہم نے یہ حکم دیا" یا ہمارے حکم سے ایسا کیا گیا" مثلاً

(الف) تحویل قبلہ کا حکم نہایت ہنگامہ خیز اور ہیجان انگیز تھا۔ ایک طرف یہود آتش زیر پا تھے اور نہایت تیز وتند الفاظ میں طعن وتشنیع کر رہے تھے دوسری طرف مشرکین نے اس نسخ وتبدیل کو دلیل تکذیب اور سامان تمسخر واستہزا بنا رکھا تھا مسلمان بھی حیران تھے اس لئے اللہ جل شانہٗ نے جہاں تقریباً دو رکوع سورۃ بقرہ کے اس مسئلہ سے متعلق نازل فرمائے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے حکم استقبال بیت المقدس کو آیت کریمہ ذیل میں اپنا حکم قرار دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

وما جعلنا القبلۃ التی کنت	اور وہ قبلہ (بیت المقدس) جس پر تم اب تک قائم تھے ہم
علیہا الا لنعلم من یتبع	نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم ظاہر کردیں کہ کون
الرسول ممن ینقلب علی	رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں (اپنی سابقہ
عقبیہ۔ (البقرۃ ع ۱۷)	حالت کفر پر) لوٹتا ہے

(ب) اسی طرح یہود کے عظیم تر قبیلہ بنو نضیر کے محاصرہ کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے غازیان اسلام نے جن کی شان ہی اللہ تعالیٰ نے اَشِدّآءُ علی الکفار (کافروں کے حق میں نہایت سخت) بتلائی ہے یہودیوں کی شہ رگ پر ضرب کاری لگائی یعنی جنگی مصلحت کے تحت بیرون قلعہ کے نخلستان کے پھل دار درختوں کو کاٹنا شروع کیا تو یہودی چیخ اُٹھے اور جابجا علی الاعلان

کی (دشمن کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دینے کی) جنگی ضرورت پوری ہوگئی تو آپ نے غازیوں کو اس حرکت سے روک دیا تو فوراً اللہ تعالیٰ نے سورہ حشر میں آیت کریمہ ذیل نازل فرمادی:

ما قطعتم من لینۃ او	تم نے جو نرم و نازک (پھل دار) درخت کاٹ ڈالے یا جو انکو
ترکتموھا قائمۃ علی	پر کھڑے چھوڑ دیئے (اور نہیں کاٹے) پس (یہ دونوں کام)
اصولھا فباذن اللہ (الحشر ۱)	اللہ کے حکم سے (کئے) ہیں۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام احکام بھی بامر من اللہ (اللہ کے حکم سے) ہی جاری کیا کرتے تھے۔ مگر ان دونوں حکموں کو اپنی طرف منسوب کرنے کی وجہ (والعلم عند اللہ) اسی ہنگامہ کو فرو کرنا مقصود ہے کہ:

(۱) اول بیت المقدس کا استقبال کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور اس کے بعد بیت اللہ کا استقبال بھی خدا کے حکم سے ہے۔

(۲) اسی طرح پھلدار درختوں کو کاٹنا بھی اللہ کے حکم سے تھا۔ اور پھر چھوڑ دینا اور نہ کاٹنا بھی اللہ کے حکم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کی خواہش اور اختیار کا اس میں مطلق دخل نہیں۔

۵۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کئے گئے اور وہ سوالات خود محتاج تصحیح و اصلاح تھے یا ان کے جوابات میں محض مسئلہ کا بیان کر دینا ہی مناسب نہ تھا بلکہ کسی تشریع مستانف (نئے حکم شرعی) کی ضرورت تھی اللہ جل شانہ نے ان سوالات کا قرآن حکیم میں ذکر فرمایا اور خود ان کے جوابات ایسے حکیمانہ اسلوب پر دیئے ہیں کہ سوال کی اصلاح و تصحیح بھی ہوگئی اور جواب بھی غایت درجہ مؤثر اور روح پرور بن گیا ہے اور گوناگوں مصالح و حکم کی بھی رعایت ہوگئی ہے مثلاً

(۱) یسئلونک عن الاھلۃ (۲) یسئلونک ماذا ینفقون (۳) یسئلونک عن المحیض (۴) یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ (۵) یسئلونک عن الانفال (۶) یسئلونک عن الروح (۷) یسئلونک عن ذی القرنین وغیر ذالک۔

ان گوناگوں سوالات کے حکیمانہ جوابات اور ان کے فوائد و مصالح اور وجہ اختصاص کے لئے مراجعت کیجئے کتب تفسیر کی ورنہ کم از کم حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فوائد (موضح القرآن) اور شیخ الہند حضرت محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ اور فوائد کی جانب ۔ جن کی تکمیل حضرت مولینا شبیر احمد

Marfat.com

عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے ۔۔۔ رجوع فرمائیے۔

نکتہ (۲) قرآن حکیم کے بار بار بنظر غائر مطالعہ اور تدبر و تفکر سے یہ معلوم ہوتا ہے (والعلم عند اللہ) کہ عبادات و معاملات وغیرہ کے احکام سے متعلق آیات میں اللہ جل شانہٗ نے احکام شرعیہ کے صرف اصول و ارکان بیان فرمائے ہیں اور وہ بھی مجمل صورت میں۔ ان اصول کے تحت فروع و جزئیات نیز ان کی تفصیل اور عملی تشکیل کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا ہے مثلاً نماز کے صرف ارکان پنجگانہ تکبیر تحریمہ، قیام، قرأت، رکوع و سجود کا قرآن حکیم میں ذکر فرمایا ہے اور بس۔ نماز کے بقیہ فرائض، واجبات، سنن، مستحبات نیز مکروہات و مفسدات و نواقض اور اس کی عملی صورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً و فعلاً و تقریراً بیان فرمائی ہیں بالفاظ دیگر نماز سے متعلق احکام قرآن حکیم میں معدودہ چند ہیں لیکن احکام صلوٰۃ سے متعلق تعلیمات سنت یعنی احادیث کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہزاروں تک پہونچتی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم اور مستحقین زکوٰۃ کے انواع و اصناف کا ذکر تو قرآن کریم میں اجمالاً فرمایا ہے۔ باقی وہ اموال جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور یہ کہ کتنے مال میں سے کسی زکوٰۃ نکالی جائے اور کب نکالی جائے؟ اس کی تمامتر تفصیل و تحدید شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احادیث صحیحہ میں بیان فرمائی ہے علیٰ ہذا القیاس صوم و حج کے تمامتر احکام و متعلقات کا تفصیلی بیان صرف سنت و حدیث کے وافر ذخیرہ میں موجود و محفوظ ہے۔

مختصر یہ کہ صرف قرآن کی تعلیمات کو سامنے رکھکر اگر کوئی شخص ان عبادات چہارگانہ میں سے کسی ایک پر عمل کرنا یا صحت و فساد وغیرہ کے اعتبار سے ان کے احکامات معلوم کرنا چاہے تو ہرگز معلوم نہیں کر سکتا اور یہی مطلب ہے حضرت مکحول کے اس مشہور و معروف مقولہ کا جو اس سے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں۔ الکتاب احوج الی السنۃ من السنۃ الی الکتاب

اسی طرح معاملات کے سلسلہ میں قرآن حکیم نے مثلاً مالی تبادلوں اور معاوضات کے باب میں احل اللہ البیع وحرم الربوا (اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربوا کو حرام) ایک جامع ترین اصول بتلا دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوع کی تمام انواع و اصناف اور ہر ایک کی حلت و حرمت صحت و فساد اور اباحت و کراہت کا جداگانہ حکم تفصیل کیساتھ بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احل اللہ البیع کے ساتھ وحرم الربوا کو مقترن کر کے اس اصول کی طرف رہنمائی فرمائی کہ بیع و شرا اور مالی

تبادلوں کے باطل وفاسد ہونے کا سبب عموماً ربوا یا اس کا کوئی "شائبہ" ہوگا۔ اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (جن کا مزاج تمام صحابہ میں سب سے زیادہ تشریعی تھا اور علل احکام شرعیہ خوب سمجھتے تھے) فرمایا:

قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنا ولم یبین لنا وجوہ الربوا فدعوا الربوا والریبۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اُٹھ گئے اور ربوا کی صورتیں (اور جزئیات وتفصیلات) نہیں بیان فرمائیں لہٰذا تم ربوا کو بھی چھوڑ دو اور شائبہ ربوا کو بھی

درحقیقت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول کا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع ذیل ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحلال بیّن والحرام بیّن وبینہما مشتبہات لا یعلمہا کثیر من الناس فمن اتّقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات کراع یرعی حول الحمی یوشک ان یواقعہ الا وان لکل ملک حمی الا وان حمی اللہ محارمہ

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳)

حلال بھی بالکل واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان (بہت سے) مشتبہ امور (ومعاملات) ہیں جنکو بیشتر لوگ نہیں جانتے (اور فیصلہ نہیں کرسکتے کہ یہ حلال ہیں یا حرام) پس جو شخص ایسے شبہات (اور مشتبہ امور) سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچا لیا (دنیا وآخرت میں حرام خوری کی رسوائی اور سزا سے بچ گیا) اور جو شخص مشتبہ امور میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی مانند ہے جو محفوظ وممنوع چراگاہ کے آس پاس اپنی بکریاں چراتا ہے کسی نہ کسی دن اس چراگاہ میں بھی جا گھسے گا (اور ارتکاب جرم کر بیٹھے گا) آگاہ ہو جاؤ ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے (جس میں قدم رکھنے والا مجرم اور مستحق سزا ہوتا ہے) آگاہ ہو جاؤ اللہ کی حمی اس کے حرام کردہ امور ہیں (لہٰذا اگر دنیا وآخرت کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو مشتبہ امور سے بچو کہ ارتکاب حرام کا اندیشہ نہ رہے)

حقیقت یہ ہے کہ بیوع کی انواع واصناف اور پھر ان کی جزئیات اس قدر متنوع اور ایک دوسرے سے مشتبہ ہیں کہ نہ تو ان کا استقصاء ہر ایک کے بس کا کام ہے نہ شائبۂ ربو! (سود کی آمیزش) سے ان کے خالی ہونے نہ ہونے کے متعلق ایک یا چند اصول ہر شخص بنا سکتا ہے یہ تو فقہاء اُمت کا اُمت پر احسان عظیم ہے کہ انھوں نے کتاب و سُنت کی نصوص اور صحابہ کرام کے تعامل، اجماع اُمت اور قیاس وغیرہ اصول شرعیہ کو سامنے رکھ کر انتہائی تیقظ و تثبت کے ساتھ انواع بیوع (بیع کی اقسام) کی جزئیات و تفصیلات کا استقصاء (احاطہ اور چھان بین) کر کے ہر ایک کا حکم جداگانہ متعین کر دیا اور اُمت کی مکمل رہنمائی فرمائی اور حلال و حرام، صحیح و باطل، جائز و ناجائز میں فرق آسان کر دیا۔ اسی لئے محققین کی رائے ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ اور فقہ کے بغیر حدیث پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ ولنعم ما قالوا۔ اسی پر قیاس کیجئے بقیہ تمام انسانی زندگی سے متعلق شرعی احکام کو۔

نکتہ (۳) شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان تیئس سالہ احکام کا ایک اور پہلو سے جائزہ لیجئے

(الف) ان احکام شرعیہ میں آپ بکثرت ایسے احکام پائیں گے جن کو شارع علیہ السلام نے اللہ جل شانہ کے حکم سے نافذ اور جاری کیا ہے مگر قرآن حکیم میں ان احکام سے متعلق آیات کافی عرصہ کے بعد نازل ہوئی ہیں مثلاً طہارت سے متعلق تمام احکام یقیناً اسی وقت سے نافذ اور جاری ہیں جب سے کہ مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں آپ نے اور مسلمانوں نے نماز پڑھنی شروع کی ہے حالانکہ احکام طہارت سے متعلق آیات سورۂ مائدہ اور سورۂ نساء میں نازل ہوئی ہیں اور یہ دونوں مدنی سورتیں ہیں۔ اور ۵ یا ۶ھ میں مدینہ میں نازل ہوئیں ہیں بالفاظ دیگر تقریباً اٹھارہ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے احکام الٰہیہ پر عمل کرتے رہنے کے بعد وضو، غسل، نواقض طہارت، تیمم وغیرہ طہارت و نجاست کے احکام سے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں اور وہ بھی غالباً (والعلم عند اللہ) حکم تیمم کے بیان کرنے کی غرض سے کہ یہ ایک تشریع مستانف (نیا حکم شرعی) اور اس اُمت کی خصوصیات میں سے ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جعلت لی الارض مسجدا وطھورا (زمین میرے لئے نماز کی جگہ اور (پانی نہ ملنے کے وقت) طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی ہے)

اسی طرح ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے "صوم عاشوراء" اور "ایام بیض" (چاندنی راتوں) کے روزے آپ خود بھی رکھتے تھے اور اُمت بھی مگر احکام صوم سے متعلق آیات سورہ بقرہ میں نازل ہوئیں جو مدنی سورۃ ہے اور ۲ھ میں نازل ہوئی ہے اور یہ بھی صرف اسی لئے کہ خاص ماہ رمضان کو روزوں کیلئے وقت متعین کرنا نیز یہ کہ روزہ صبح صادق سے شروع ہو کر غروب شمس پر ختم ہو جاتا ہے اور شب میں اکل و شرب و جماع وغیرہ مفطرات صوم سے انتفاع جائز ہے۔ تشریع مستانف (نیا حکم شرعی) ہے اور اسی اُمت کی خصوصیت ہے ورنہ پہلی اُمتوں میں کوئی خاص مہینہ روزوں کے لئے متعین نہ تھا نیز شب کو سو جانے کے بعد سے ہی روزہ شروع ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ان آیات کے نزول سے قبل اُمت محمدیہ کا عمل بھی یہی تھا۔ رسول اللہ کا عمل بھی یہی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصل ما بین صیامنا وصیام اھل الکتاب اکلۃ السحر (مشکوٰۃ ص ۱۷۵)	ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق سحری کے چند لقمے ہیں۔

اسی طرح مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام میں قبلہ "بیت اللہ" تھا مدینہ میں آنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "بیت المقدس" کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور تقریباً ۱۷ ماہ تک بیت المقدس کی جانب نماز پڑھنے کے بعد تحویل قبلہ کا حکم ہوا تو استقبال قبلہ سے متعلق آیات ۲ھ میں نازل ہوئیں اور مکہ میں "بیت اللہ" کی جانب اور مدینہ میں آ کر ۱۷ ماہ تک (استقبال قبلہ کا حکم قرآن میں نازل ہونے سے پہلے) بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے نماز آپ ہی کے حکم سے پڑھی گئی۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام احکام آپ اللہ کے حکم سے ہی جاری کرتے ہیں بلکہ بعض احکام کے متعلق تو جبرئیل علیہ السلام کے آنے اور حکم الٰہی لانے کی تصریح احادیث میں ملتی ہے اسی لئے اللہ جل شانہٗ نے ان تمام احکام کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے مثلاً وَ ماجعلنا القبلۃ التی کنت علیھا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ۔ اسی طرح احکام طہارت سے متعلق آیات نازل فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے :۔

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج	اللہ تم کو کسی تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم

ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم (مائدہ ع ۲) کو پاک کر دے اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دے۔

حالانکہ بہت سے احکام طہارت ایسے ہیں جن کا صراحتًا قرآن حکیم میں ذکر نہیں ہے مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی وہ احکام نافذ کئے اس لئے مطلقًا تطہیر کو جس میں جملہ احکام طہارت شامل ہیں اپنا فعل اور اپنی نعمت کی تتمیم قرار دیا۔ اسی طرح احکام صوم سے متعلق آیات نازل فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

یرید اللہ بکم الیسر — اللہ تمہارے لئے سہولت پیدا کرنا چاہتا ہے تمہیں
ولا یرید بکم العسر (البقرہ ع ۲۳) — دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

حالانکہ صوم سے متعلق احکام بھی بیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ اور جاری کئے ہیں۔ وَقِس علیٰ ھٰذا۔

(ب) اور بے شمار احکام آپ ایسے پائیں گے جن کا قرآن حکیم میں مطلق ذکر نہیں اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوحی من اللہ (اللہ کی وحی سے) انہی اصول وا ختیارات تشریعی کے تحت نافذ و جاری کیا ہے جن کا ذکر مذکورۃ الصدر آیات میں آچکا ہے مثلاً

(۱) نماز پنجگانہ کے لئے کلمات اذان واقامت اور ان سے متعلق تفصیلی احکام آپ نے نافذ اور جاری فرمائے قرآن حکیم میں ان کا مطلق ذکر نہیں۔ صرف جمعہ کی اذان کا ضمنًا ذکر آیا ہے۔

(۲) پانچوں نمازوں کے لئے اوقات نماز مقرر و متعین فرمائے کہ فلاں نماز فلاں وقت سے فلاں وقت تک پڑھنا جائز ہے اور فلاں وقت مستحب و پسندیدہ ہے اور فلاں وقت مکروہ یا حرام ہے۔ غرض ہر نماز کیلئے الگ الگ وقت کی تحدید (حدبندی) فرمائی۔ اور جن اوقات میں نماز مکروہ یا حرام ہے ان کو الگ متعین فرمایا حالانکہ یہ تحدید و تعیین اور اس سے متعلق احکام قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ وَقس علی ھذا کثیرا من احکام الصلوٰۃ وَغیرھا من العبادات۔

(۳) اسی طرح جنگ خیبر کے موقعہ پر آپ نے حُمُر اھلیہ (پالتو گدھوں) کے اور درندوں کے گوشت کو حرام فرمایا۔ حالانکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرما علی — (اے نبی) کہدو: جو وحی (کے احکام) میرے پاس بھیجے
طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او — گئے ہیں ان میں کسی بھی کھانے والے پر کوئی چیز جو وہ کھائے

دما مسفوحا اولحم خنزیر فانہ رجس او فسقا اھل لغیر اللہ بہ (جزء ۸ ع ۵ .. انعام) — حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ میتہ (غیر مذبوح) ہو یا بہتا ہوا خون یا خنزیر کا گوشت یا کوئی ایسا جانور ہو جس کو خدا کی نافرمانی کر کے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

(۴) اسی طرح شادی شدہ زانی مرد و عورت کو آپ نے رجم (سنگسار) فرمانے کا حکم دیا حالانکہ قرآن میں اس سزا کا مطلق ذکر نہیں۔

(۵) اسی طرح آپ نے پھوپی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا حالانکہ قرآن حکیم میں صرف دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت کا ذکر ہے۔ یہ "گلے از گلزار ے" کے طور پر چند احکام ہم نے ذکر کئے ہیں ورنہ بیشتر احکام شرعیہ کا ماخذ "سنت" ہے۔

نکتہ (۴) کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ کو ماخذ احکام شرعیہ قرار دینے کی ایک حکمت یہ بھی ہے — جیسا کہ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں — کہ اللہ تعالیٰ کا "کلام" اس کے لامحدود علم اور لامتناہی قدرت تدبیر و تصرف پر مبنی ہونے کی وجہ سے غایت درجہ بلیغ، جامع، محیط، زماں و مکاں کی قیود اور احوال و ظروف کی حد بندیوں سے آزاد اور ہمہ گیر ہے اس لئے وہ معانی، مصادیق اور وجوہ متکثرہ کا حامل ہے اس کا لازمی نتیجہ ایجاز و اجمال اور ابہام ہے اس لئے کہ وضاحت و تفصیل کے بعد معانی و مصادیق زمانی و مکانی حدود کے اندر محدود اور احوال و ظروف کی قیود سے مقید ہو جاتے ہیں۔ اور وسعت معانی، جامعیت مصادیق اور احاطۂ وجوہ کا امکان باقی نہیں رہتا اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کے کلام کے حق میں نقص و عیب کے مرادف ہے۔

اس کے برعکس رسول اللہ کا کلام ظاہر ہے کہ ایک بشر کا کلام ہے جو ظروف و احوال کی قیود اور زماں و مکاں کی حدود سے آزاد نہیں ہو سکتا اس میں نہ وہ وسعت و جامعیت ہو سکتی ہے نہ وہ احاطہ و استقصاء اس کا لازمی نتیجہ وضاحت و تفصیل ہے خاص کر جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اور آپ کا فرض منصبی ہی امت کو احکام الٰہیہ کی تعلیم و تفہیم اور ما نزل الیھم کی تبیین و توضیح ہے اسی تعلیم و تبلیغ کی ضرورت سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات میں، مختلف حالات میں، مختلف اغراض شرعیہ کے تحت مختلف لوگوں کے سامنے ایک ہی مسئلہ اور حکم شرعی کو بیان فرمائیں گے تو لازمی طور پر آپ کے الفاظ و تعبیرات اور احوال و ظرف کی رعائتیں

Marfat.com

متنوع اور مختلف ہوں گی یہ اختلافِ الفاظ وتعبیرات اور اختلافِ احوال وظروف ہی درحقیقت اُمت کے لئے مختلف اور متنوع احکام وفروق شرعیہ (شرعی فرق) اور وجوہ فقہیہ (فقہی صورتوں) کا ماخذ ومنبع (سرچشمہ) ہیں اور یہی تکمیلِ وجوہ احکام شرعیہ کی تشکیل وتکمیل کا ذریعہ، اور پھر یہی حکمت ہے کتاب اللہ کے بعد سُنت رسول اللہ کو مصدرِ تشریع اور رسول اللہ کو شارع (صاحب شریعت) اور اُن کے ہر قول وفعل کو حجت شرعیہ قرار دینے کی، اس حقیقت کو آپ ذیل کی ایک مثال سے سمجھئے۔

نماز میں "قرأت" قرآن سے متعلق قرآن کریم میں صرف دو آیتیں وارد ہیں۔

(۱) فاقرأوا ما تیسر من القرآن (جو قرآن میں سے میسر ہو پڑھ لیا کرو)

(۲) واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سُنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو)

اگرچہ احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت کی بنا پر ہر دو آیات کا اوّلین مصداق "نماز میں قرأت قرآن" ہے تاہم ان آیات کا حکم، نماز اور خارج نماز دونوں کے لئے عام ہے چنانچہ نماز کے علاوہ بھی قرأت قرآن سے متعلق ہر دو حکم معمول بہ ہیں کہ جتنا آسانی سے میسر ہو روزانہ قرآن پڑھا کرو اور جب کوئی شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو تو اس کو خاموش رہ کر سننا چاہیئے — یہ متعین کرنا فقہا کا کام ہے کہ ہر دو حکم خارجِ صلوٰۃ میں وجوب کے لئے ہیں یا ندب (استحباب) کے لئے نیز یہ حکم دائمی ہیں یا عمر میں ایک مرتبہ ان پر عمل کر لینا کافی ہے — بہرحال ہر دو حکم خارج صلوٰۃ میں بھی معمول بہا ہیں نماز کے ساتھ مخصوص نہیں۔

نماز میں قرأت قرآن سے متعلق ہر دو حکم، ظاہر ہے کہ ان میں دوسرا مقتدی سے متعلق ہے اور پہلا منفرد اور امام سے۔ یہ تو قرآن کا بیان ہوا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی آیت کریمہ کے تحت نماز میں قرأت قرآن کی مقدار اور سورتوں کے تعین وعدم تعین سے متعلق مذکورۂ ذیل مختلف احادیث مروی ہیں:

(۱) لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب (اخرجہ البخاری عن عُبادۃ)

(۲) لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب فصاعدا (اخرجہ مسلم وابوداؤد عن عبادۃ بن الصامت)

(۳) اُمرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر (اخرجہ ابوداؤد وغیرہ عن ابی سعید الخدری)

Marfat.com

(۴) امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان انادی انہ لا صلوٰۃ الا بقرأۃ فاتحۃ الکتاب فما زاد (اخرجہ ابوداؤد وغیرہ عن ابی ھریرۃ)

(۵) من صلی صلوٰۃ لم یقرء فیھا بام القرآن فھی خداج (اخرجہ ابوداؤد ومسلم عن ابی ھریرۃ وعائشۃ)

(۶) ثم اقرأ ما تیسر معک من القرآن (اخرجہ ابوداؤد ومسلم عن ابی ھریرۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا قولی روایات سے معلوم ہوا کہ:

(۱) سورۃ فاتحہ ہر نماز اور ہر رکعت میں پڑھنا ضروری ہے

(۲) علاوہ سورہ فاتحہ کے باقی سورتوں میں سے کسی سورت کا تعین تو نہیں مگر کسی نہ کسی سورت یا بقدر سورت آیات کا ملانا بھی ضروری ہے یہ تو نماز میں قرأت قرآن کی کامل تر صورت ہے اور یہی فاقرأوا ما تیسر من القرآن کا مطلوب مصداق ہے۔

(۳) اگر فاتحہ نہیں پڑھی اور اس کے علاوہ کوئی بھی ایک یا چند سورتیں پڑھ لیں یا صرف سورۂ فاتحہ پڑھی اور اس کے علاوہ کچھ نہیں پڑھا تو نماز ناقص ہے ــــ اگر بھول کر ایسا کیا ہے تو سجدہ سہو واجب ہے اگر قصداً کیا ہے اور وقت باقی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اگر اعادہ نہ کیا یا وقت نہیں تھا تو فرض نماز تو ادا ہو جائے گی مگر نماز کو ناقص ادا کرنے کا گناہ ضرور ہوگا یعنے ترک صلوٰۃ کا مواخذہ تو نہ ہوگا اس لئے کہ قرآن کی نص کے مطابق ما تیسر من القرآن پر عمل ہو گیا مگر بنص حدیث نماز کو ناقص ادا کیا ہے اس کا مواخذہ ضرور ہوگا یہ سب فقہی تخریجات ہیں جن کا ماخذ قرآن و حدیث کی نصوص ہیں۔

(۴) اگر پوری سورۂ فاتحہ اور ما زاد (جو اس پر زائد ہو) پڑھنے پر قدرت نہیں تو جو بھی پڑھے گا نماز ادا ہو جائے گی اس لئے کہ وہی ما تیسر من القرآن کا مصداق ہے۔

(۵) اگر قدرت کے باوجود قرآن کریم بالکل نہیں پڑھا تو نماز باطل ہوگی۔ اس لئے کہ قرأت قرآن بنص قرآن نماز کا ایک رکن ہے قدرت کے باوجود وہ ادا نہیں ہوا۔

دوسری آیت کریمہ کی تفسیر و تبیین کے ذیل میں مذکورہ ذیل احادیث وارد ہیں۔

(۱) واذا قرأ فانصتوا (اخرجہ مسلم عن ابی موسی الاشعری رضی وابوداؤد والنسائی رح)

Marfat.com

(۲) فانتهى الناس عن القراءة خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما جهر فيه (اخرجه الترمذي والنسائي ومالك)

(۳) من ادرك ركعة من الصلوٰة فقد ادرك الصلوٰة رواه مالكؒ في موطاه

(۴) من كان له امام فقراءة الامام له قراءة (اخرجه محمدؒ في موطاه من حديث جابر والطحاوي في شرح معاني الآثار مرفوعا عن جابر)

۱- ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی کا فریضہ خود قرأت کرنے کے بجائے امام کی قرأت کو کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا ہے۔ خصوصاً جہری نمازوں میں۔

۲- اگر سِرّی نمازوں میں مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو چنداں مضائقہ نہیں اگرچہ امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے۔ غور فرمایئے کہ مذکورہ بالا تمام احکام شرعیہ کا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مختلف اور متنوع احادیث قولیہ ہیں۔ اسی طرح نماز میں قرآن سرّاً پڑھنا یا جہراً پڑھنا، نیز قرأت قرآن کے اعتبار سے صلوٰۃ سِرّیہ اور جہریہ میں فرق اور اس کے علاوہ قرأت قرآن سے متعلق تفصیلی احکام کا ماخذ بھی اسی طرح کی دیگر احادیث قولیہ و فعلیہ ہیں جو مختلف اوقات و حالات میں وارد ہوئی ہیں۔ ان احادیث کے بغیر محض قرآن حکیم کی دو آیتوں سے ان تمام احکام کی تشریع ممکن نہیں۔

یہ صرف نماز کے محض ایک رُکن سے متعلق احکام شرعیہ کا حال ہے اسی پر آپ قیاس کیجئے جملہ عبادات، معاملات، حدود و قصاص، دیات و جنایات وغیرہ ابواب سے متعلق احکام شرعیہ کو اور اس کے بعد یقین کیجئے کہ مذکورۂ عنوان آیت کریمہ میں جس شریعت کو آپ کے لئے تجویز کرنے کی خبر اور اور اس کے اتباع کرنے کا آپ کو اور اُمت کو حکم دیا گیا ہے اس کی تشکیل اور دین کی تکمیل سُنّت اور حدیث کے بغیر ممکن نہیں اسی لئے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی سُنّت اور حدیث کا اتنا وافر ذخیرہ موجود و محفوظ ہو چکا تھا کہ شریعت کے تمام احکام کی تشکیل اور دین کے ابواب کی تکمیل کے لئے کافی و وافی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی فقہ اسلامی کی تشکیل و تکمیل ہو چکی تھی بالفاظ دیگر ارتقاء فقہ اسلامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ تشریعی زندگی میں ہی پایۂ تکمیل اور منتہائے عروج کو پہونچ چکا تھا۔ حتیٰ کہ آنے والے زمانوں میں پیش آنیوالے غیر منصوص مسائل اور حوادث و نوازل کے احکامات کے استنباط و استخراج کے لئے

یہی خود شارع (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے قیاس و اجتہاد کے اصول تک متعین فرما دیئے تھے اس کے بعد ہی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آخری نازل شدہ آیت میں ــــ جو رسول کے تشریع احکام سے فارغ ہونے کے بعد وفات سے صرف ستر دن پہلے نازل ہوئی ہے ــــ دین اسلام کی تکمیل اور پسندیدگی کا ذیل کے الفاظ میں اعلان فرمایا ہے

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۔ (مائدہ ۱۴)

اس لئے کتاب وسنت سے ناواقف ہیں وہ لوگ جو مفروضہ "تاریخ ارتقاء فقہ اسلامی" کے راگ الاپتے ہیں اور دوسری تیسری صدی کو "فقہ اسلامی کے ارتقا کا عہد" اور "تشکیلی دور" قرار دیتے ہیں۔ کیا کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے بڑھ کر فقہ اسلامی کے ارتقاء اور تشکیل اسلام کا کوئی اور دور تسلیم کرسکتا ہے؟ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ فقہ اسلامی کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے اور اسلام کی تشکیل کرنے والے بقول منکرین حدیث دوسری اور تیسری صدی کے وہ مزعومہ ومفروضہ وضاعین حدیث ہوئے جنھوں نے اپنی آراء فقہیہ اور نظریات کلامیہ پر اسلام کا ٹھپہ لگانے کے لئے فقہی[1] اور کلامی حدیثیں گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلائیں نہ کہ خدا اور اس کا وہ معصوم

---

[1] دراصل منکر حدیث وسنت ہیں وہ ملحد جو فقہی اور کلامی احادیث کو "زمانہ مابعد" اور "دور ارتقاء فقہ اسلامی" یا "اسلام کے تشکیلی دور" کی پیداوار کہتے ہیں۔ درحقیقت تمام ذخیرۂ احادیث کو موضوع اور جعلی قرار دینے کے لئے ہی یہ "ارتقاء فقہ اسلامی" اور "اسلام کی تشکیلی دور" کا افسانہ گھڑا گیا ہے کہ اس کے بغیر تمام احادیث کو موضوع اور جعلی کہنے کی ان لوگوں میں جرأت نہیں ہے یا یہ کہنے کہ مسلمانوں میں رہ کر اور مسلمان کہلا کر اُمت مسلمہ کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے صاف اور صریح لفظوں میں تمام احادیث گھڑی ہوئی اور جعلی نہیں کہتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد یا قرن اول کو "اسلام کا عہد طفولیت" اور "ناپختگی کا دور کہنے" والے درحقیقت حدیث کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی حسب ذیل آیات کے بھی منکر ہیں۔

(۱) الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

(۲) ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون

اس لئے کہ اگر اسلام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں "کمال نضج" (کامل پختگی) کو نہیں پہونچا تھا اور عہد طفولیت میں ہی تھا تو اللہ تعالیٰ کا اس "ناپختہ" اور "نامکمل" دین کی تکمیل وتتمیم اور پسندیدگی کا اعلان کذب ہے العیاذ باللہ ۔

اسی طرح اگر اسلام کی تشکیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہیں ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس "غیر مشکل" اور "نامکمل شریعت" کے اتباع کا حکم اپنے نبی اور اس کی اُمت کو کیسے دیا نعوذ باللہ من زلات الھویٰ وضلالات النفس

درحقیقت یہ لوگ "فقہ اسلامی" کی حقیقت وماہیت اور "فقہاء اسلام" کے دینی کارناموں سے ہی ناآشنا ہیں ائمہ مجتہدین اور فقہاء اسلام نے جو دینی کام انجام دیئے وہ حسب ذیل ہیں (باقی صفحہ ۱۶۸ پر)

نبی جس کو ایک مستقل شریعت دینے کی خبر اور اس کی پیروی کا حکم آیت مذکورۃ الصدر میں دیا گیا ہے اور جس کی بعثت کا مقصد ہی تعلیم و تبلیغ دین تھا العیاذ باللہ جس کا یہ عقیدہ ہو وہ قطعاً کافر ہے۔ اور اسلام سے خارج۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷ سے آگے) (۱) کتاب و سنت میں منصوص احکام شرعیہ کی نوعیت کتاب و سنت کی روشنی میں متعین کرنا کہ کونسا حکم شرط ہے اور کونسا رکن اور کونسا حکم فرض ہے اور کونسا واجب یا سنت یا مستحب یا مباح ہے اور کونسا حرام ہے اور کونسا مکروہ تحریمی یا تنزیہی یا غیر اولیٰ ہے اسی طرح کسی امر "مامور بہ" کے ترک اور کسی امر "منہی عنہ" کے ارتکاب کا دنیوی اور اخروی حکم کیا ہے۔

(۲) نصوص کتاب و سنت سے جو مسائل و احکام مستنبط ہو سکتے ہیں (نکل سکتے ہیں) ان کی نشاندہی اور ابواب فقہیہ پر تدوین کرنا۔

(۳) جو احکام کتاب و سنت میں بالکل منصوص نہیں ان میں شریعت کے مقرر کردہ اصول اور طریق کار کے تحت غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرنا اور ان کے احکام متعین کرنا۔

(۴) حوادث و نوازل کے احکام یعنے جو جزئیات و واقعات زمانہ بعد میں پیش آئیں اُن پر کلیات و اصول شرعیہ کو حسب ہدایت شارع علیہ السلام منطبق کر کے جدید واقعات و جزئیات کے احکام بیان کرنا۔

ظاہر ہے کہ نہ اس کام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ضرورت تھی ـــ اس لئے کہ وحی کے نزول کا سلسلہ جاری تھا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود تھے ـــ اور نہ ہی اس کام کا تشکیل اور ارتقاء فقہ اسلامی سے کوئی تعلق۔ یہ تو وہ آثار و نتائج ہیں جو ایک شریعت مستقلہ اور دین کامل پر عمل کرتے وقت سامنے آتے ہیں چنانچہ اس کام کو سب سے پہلے فقہاء صحابہ و تابعین نے اپنے اپنے عہد میں انجام دیا اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین نے۔ چونکہ دوسری اور تیسری صدی میں مختلف اور متنوع گمراہ فرقے اور اُن کی اعتقادی اور عملی گمراہیاں منتہائے عروج پر پہونچ رہی تھیں اس لئے علمائے اسلام نے اُمت کو گمراہی سے اور دین کو ملحدوں اور زندیقوں کی تاویلوں اور تحریفوں اور کذب و افتراء سے بچانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق۔

يحمل هذا العلم من كل خلف
عدوله ينفون عنه تحريف الغالين
وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين

تقسیم کار کے اصول پر اپنے اپنے ذوق اور فطری صلاحیت کی مناسبت سے دین کے مختلف شعبے اپنے لئے انتخاب کر لئے اور اپنی زندگیاں ان میں صرف کر دیں کسی نے "تدوین احکام شرعیہ" کو اپنا مقصد زندگی بنایا، کسی نے "عقائد اسلامیہ" کو اور کسی نے "جمع و تدوین حدیث" کو۔ اسی بناء پر علماء اسلام فقہاء متکلمین اور محدثین کے گروہوں میں بٹ گئے اور علیحدہ علیحدہ علوم دینیہ مشکل ہو کر سامنے آگئے۔

ان نادانوں کے نزدیک چونکہ کسی علم و فن کی تشکیل اس علم پر مستقل تصانیف وجود میں آئے بغیر ہوتی ہی نہیں اس لئے انھوں نے اس دوسری تیسری صدی کو "اسلام کا تشکیلی عہد" اور "فقہ اسلامی کا دور ارتقاء" اور "احادیث کی پیداوار کا زمانہ" قرار دیدیا اور انہی دو صدیوں کے لوگوں کے سر "اسلام کی تشکیل" اور "ارتقاء فقہ اسلامی" کا سہرا باندھ دیا اور العیاذ باللہ نبی مبعوث و معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تشریع احکام الٰہیہ اور تکمیل و تبلیغ دین کے پیغمبرانہ منصب کی ادائیگی سے یہ کہہ کر قاصر و معذور بلکہ معزول قرار دیدیا (باقی صفحہ ۱۶۹ پر)

Marfat.com

نکتہ (۵) کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصدرِ تشریع، اور احکام شرعیہ کا ماخذ قرار دینے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم کی ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ قطعی الثبوت ہے اس کے کلام الٰہی ہونے میں ادنیٰ شک وشبہ کا بھی امکان نہیں قرآن حکیم بطور تحدّی (چیلنج) اعلان کرتا ہے

قل ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ (البقرہ ع ۳)	(اے نبی) کہدو: اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے ذرا سا بھی شک وشبہ ہو تو تم اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔

ہاں معنیٰ ومفہوم اور مصداق ومراد کے اعتبار سے بے شک دو قسم کی آیات ہیں (۱) اکثر وبیشتر آیات "محکم" ہیں (۲) اور کچھ آیات "متشابہ" ہیں۔ بنص قرآن حکیم "متشابہ" آیات کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اُمت صرف ان کے "من عند اللہ" ہونے پر ایمان لانے کی مامور ومکلف ہے اور بس، ارشاد ہے:۔

ھو الذی انزل علیك الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب واُخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون امنا بہ کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب (آل عمران ع ۱)	اللہ ہی نے (اے نبی) تجھ پر کتاب نازل کی جس کی کچھ آیات محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ آیات متشابہ ہیں جن لوگوں کے دلوں میں کجی (اور عناد) ہے وہ تو کتاب کی متشابہ آیات کے ہی پیچھے پڑتے ہیں (مسلمانوں میں) فتنہ انگیزی کی غرض سے اور ان کی مراد متعین کرنے کی غرض سے، حالانکہ ان کی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور پختہ علم (اور ایمان) والے مسلمان کہدیتے ہیں: ہم تو اس کتاب پر ایمان لے آئے (محکم اور متشابہ) سب ہمارے رب کی جانب سے ہے (اسی پر ہمارا ایمان ہے) اور نصیحت تو صرف خرد مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۸ سے آگے) کہ "قیاس کہتا ہے کہ آنحضرت جو وقت وفات تک اہل مکہ اور عرب کی اخلاقی اصلاح کی شدید جد وجہد میں مصروف اور اپنی "قومی ریاست" کی تنظیم میں مشغول رہے ان کو اتنا وقت ہی کہاں مل سکتا تھا کہ وہ زندگی کے جزئیات کے لئے قوانین مرتب کرتے" ملاحظہ ہو مقالہ تصور سنت ماہنامہ فکر ونظر بابت ماہ جولائی ۱۹۶۳ء صہ ۱۷، ۱۸، ۱۲

Marfat.com

باقی محکم آیات جو "امہات کتاب" (اصول شرائع واحکام الہیہ) ہیں اُن پر ایمان لانا بھی فرض ہے اور عمل کرنا بھی فرض ہے اور منکر کافر اور اسلام سے خارج ہے ارشاد ہوتا ہے۔

فانھم لا یکذبونک ولکن الظالمین بآیات اللہ یجحدون (انعام ع ۴) — پس بیشک (اے نبی) وہ تجھے جھوٹا نہیں کہتے بلکہ وہ ظالم تو اللہ کی آیات کا (از روئے عناد) انکار کرتے ہیں۔

"محکم" آیات میں سے جن آیات کے معانی واضح اور مصادیق متعین ہیں یعنی "نصوص صریحہ" وہ سب یقینی اور قطعی ہیں ـــ علماء اصول کی اصطلاح میں ان آیات کو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ (وہ آیات جن کا ثبوت بھی یقینی اور معنی ومراد بھی یقینی ہیں) کہا جاتا ہے ـــ ان آیات پر بغیر کسی اختلاف و تاویل کے ایمان لانا بھی فرض ہے اور عمل کرنا بھی فرض ہے اور منکر کافر اور عمل نہ کرنے والا فاسق (عاصی ونافرمان) ہے بدوں توبہ اگر مرجائے تو مستحق عذاب ہے۔

اس کے مقابلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر وبیشتر حدیثیں ـــ متواتر ومشہور احادیث (جن کی مقدار بہت تھوڑی ہے) کے علاوہ باقی تمام احادیث ـــ اخبار آحاد ہیں اور "خبر واحد" اگر معنی کے اعتبار سے "قطعی" بھی ہو تو ثبوت کے اعتبار سے بہرحال "ظنی" ہوتی ہے صاف اور سادہ الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ان "اخبار آحاد" میں سے ہر حدیث اس طرح قطعی اور یقینی نہیں جیسے قرآن کی آیات بلکہ "سند" اور راویوں کی "عدالت" اور "حفظ واتقان" کو دیکھتے ہوئے ظن غالب یہ ہے کہ وہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل ہیں مگر یقینی طور پر قرآن کی آیت کی طرح ان کو قطعی نہیں کہا جاسکتا۔

اس کو دوسرے پہلو سے یوں سمجھئے کہ قرآن کی آیات اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں اور خبر واحد بہرحال رسول اللہ کا قول یا فعل ہے ان دونوں میں فرق کرنا عقلاً وشرعاً ہر اعتبار سے ضروری ولابدی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نیک نیتی سے کسی "خاص" حدیث کو اس بنا پر نہ مانے کہ وہ ظنی ہے اس میں راوی سے غلطی یا خطا کا امکان ہے تو وہ کافر اور اسلام سے خارج نہیں ہوتا بالفاظ دیگر اس میں اختلاف کی گنجائش ہے، اس طرح کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کو صحیح مانتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور اس کا مخالف دوسری حدیث کو صحیح نہیں مانتا اور اُس پر عمل بھی نہیں کرتا یہ بھی

Marfat.com

حدیث کو ماننے والا مومن و مسلمان اور ناجی ہے دوسرا شخص اس کے برعکس نیک نیتی سے دوسری حدیث کو صحیح مانتا اور اس پر عمل کرتا ہے اور پہلی حدیث کو صحیح نہیں مانتا اور اس پر عمل بھی نہیں کرتا یہ بھی حدیث کو ماننے والا مومن و مسلمان اور ناجی ہے نہ پہلا شخص نافرمان و گنہگار ہے نہ دوسرا۔ پہلا شخص بھی حدیث پر عمل کر رہا ہے اور دوسرا بھی۔ نصوص قرآن اور نصوص حدیث میں یہ فرق قطعاً معقول و مسلم ہے۔

اس تحقیق کے بعد اب یہ سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے احکام شرعیہ کا ماخذ قرآن کریم کے بعد "حدیث" کو قرار دے کر احکام شرعیہ میں "نیک نیتی پر مبنی اختلاف" کی گنجائش پیدا کر دی ہے یہ اختلاف اُمت کے لئے بے انتہا آسانی اور سہولت کا موجب ہو گیا کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ احکام کی مختلف صورتوں میں سے جس صورت پر بھی کوئی شخص عمل کرے گا حق عبودیت پروردگار ادا ہو جائے گا اور وہ شخص مطیع و فرمانبردار کہلائے گا اور قیامت کے دن مواخذہ سے بچ جائے گا یہی ہے وہ اختلاف ہے جس کو "نبی رحمت" صلی اللہ علیہ وسلم نے "رحمت" قرار دیا ہے فرمایا ہے:

اختلاف امتی رحمة   میری اُمت کا اختلاف ایک رحمت ہے۔

یہ بحث ابھی تک خالص نظری ہے ہم ایک مذکورہ سابق مثال قارئین کو یاد دلا کر اس "رحمت الٰہی" کو عملی طور پر سمجھانا چاہتے ہیں اور وہ ہے مسئلہ قرأتِ قرآن فی الصلوٰۃ (نماز میں قرأت قرآن) مذکورہ سابق احادیث کے پیش نظر جو حضرات ائمہ حدیث صحیحین لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کی بنا پر سورۂ فاتحہ کو "فرض" اور باقی قرأت کو "مسنون" کہتے ہیں وہ بھی اپنی جگہ حق پر ہیں اور اپنے نقطۂ نظر سے صحیح کہتے ہیں اور جو ائمہ حدیث صحیح مسلم کی روایت لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب فصاعدا اور اس کے ہم معنی احادیث سنن کے پیش نظر سورہ فاتحہ اور ما زاد علی الفاتحۃ (فاتحہ پر زاید سورت یا آیات) دونوں کو "واجب" اور مطلق قرأت قرآن کو بلا تعیین "فرض" قرار دیتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں اور اپنے نقطہ نظر سے صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح جو حضرات حدیث فاتحہ کے پیش نظر امام و مقتدی دونوں کے لئے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری قرار دیتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں اور متبع سنت۔ اور جو حضرات آیت اذا قرئ فانصتوا اور حدیث من کان له امام فقراءة الامام له قراءة کی بنا پر مقتدی کو حدیث سورۂ فاتحہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور قرأت کے بجائے اس کا فریضہ استماع و انصات

Marfat.com

(سُننا اور خاموش رہنا) قرار دیتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں اور صحیح کہتے ہیں اور کرتے ہیں۔ اسی طرح جو حضرات حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بنا پر رکوع میں جاتے اور اُٹھتے" رفع یدین" کرتے ہیں وہ بھی سُنت کے مطابق کرتے ہیں اور جو حضرات حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بنا پر" رفع یدین" نہیں کرتے وہ بھی ٹھیک اور سُنت کے مطابق کرتے ہیں اسی پر تمام تر ائمہ مجتہدین کے تمام اختلافی مسائل کو قیاس فرمائیے بہر حال کتاب کے ساتھ سنت (حدیث) کو بھی ماخذ احکام شرعیہ قرار دیدنے کی وجہ سے "اَدِلّہ احکام شرع" دو قسم کے ہو گئے ایک" دلائل قطعیہ" دوسرے" دلائل ظنیہ" اور دلائل ظنیہ میں اختلاف کی یعنے ایک دلیل ظنی (خبر واحد) کو چھوڑ کر دوسری کو اختیار کرنے کی گنجائش پیدا ہو گئی یہ توسّع عملی حیثیت سے اُمت کے لئے غایت درجہ سہولت وآسانی کا موجب بن گیا۔ اس دین اسلام کے متعلق قرآن عظیم کا اعلان بھی یہی ہے کہ اس دین میں ذرا تنگی نہیں ہے لیس فی الدین من حرج اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی بھی یہی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

جئتکم بالحنیفیۃ السمحۃ — میں ایسی آسان اور روشن شریعت مستقیمہ لایا ہوں کہ اس

البیضاء لیلھا کنھارھا — کی رات بھی دن کی طرح (روشن) ہے۔

اسی حقیقت کی بنا پر امام مالکؒ کا وہ جواب مبنی ہے جو انھوں نے عباسی خلیفہ کو دیا تھا جب کہ اس نے یہ خواہش کی تھی کہ "میں چاہتا ہوں کہ آپ کی کتاب موطا کو تمام ممالک اسلامیہ میں سرکاری طور پر معمول قرار دیدوں کہ تمام ممالک اسلامیہ کے فقہا و مفتیین و قُضات اسی کے مطابق احکام جاری کریں اور فتوے دیں" تو امام مالکؒ نے فرمایا" ایسا نہ کرو اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے ہیں اور اُن کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ کی مختلف حدیثیں ان ملکوں میں پہونچ چکی ہیں اور وہاں کے قُضات ومفتیں ان پر عمل پیرا ہو چکے ہیں، فقہا ان سے احکام شرعیہ استنباط کر رہے ہیں ایسی صورت میں تمام ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کو کسی ایک نہج (فقہی مسلک) پر عمل کرنے پر مجبور کرنا تنگی اور حرج کا موجب ہو گا۔" چنانچہ عباسی خلیفہ نے اس ارادے کو ترک کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ کتاب کے ساتھ سُنت (حدیث) کا ماخذ احکام شرعیہ ہونا اُمت کے لئے گوناگوں رحمت کا باعث ہے واللہ اعلم

Marfat.com

اطاعتِ رسول

آیت نمبر (۷) یا ایها الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تومنون باللّٰہ والیوم الاٰخر ذالک خیر واحسن تاویلا۔

قرآن حکیم کی نصوص — صریح آیات — کی رُو سے قرآن کے ماننے والوں کے لئے "مرجع طاعت" یعنی مُطاعِ اصلی دوؔ ہیں ایک اللہ تعالیٰ شانہٗ دوسرے صاحب وحی والہام نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یا ایها الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تومنون باللّٰہ والیوم الاخر ذالک خیر واحسن تاویلا (نساء ع ۸)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اپنے ارباب اقتدار کی، پس اگر کسی چیز میں تمہارا آپس میں نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بہتر ہے اور یہی اچھا مرجع ہے۔

اس آیت کریمہ میں اطیعوا اللّٰہ والرسول نہیں فرمایا بلکہ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول فرمایا اور اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کو مستقل طور پر اور الگ بیان فرمایا بالفاظ دیگر "رسول" کو مستقل طور پر "مطاع" قرار دیا ہے اس کی دوؔ وجہ ہیں

اوّل یہ کہ ہر دو اطاعتوں کی نوعیت مختلف ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی حقیقت احکام الٰہیہ کی تصدیق و تعمیل اور امتثال امر الٰہی ہے اور رسول کی اطاعت کی حقیقت نہ صرف احکام نبویہ کی تعمیل ہے بلکہ افعال و اعمال اور اخلاق و شمائل نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علماً، عملاً اور اعتقاداً مکمل اتباع، اور اپنی ہستی اور زندگی کو بقدر طاقت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے سانچے میں ڈھال لینا اطاعت رسول ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ

بے شک رسول کی ہستی تمہارے لئے ایک حسین نمونہ ہے

اسی کا نام "اتباع سنت" ہے اور یہی محبت و رضاء الٰہی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے چنانچہ

Marfat.com

اللہ جل شانہٗ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے اعلان کراتے ہیں۔

قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم (آل عمران ع ۴)

(اے نبی تم) کہدو: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگےگا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

۲۔ دوم یہ کہ مصادر تشریع یعنے قوانین واحکام شریعت کے ماخذ جو منزل من اللہ ہیں دو ہیں ایک کتاب اور دوسرے سنت چنانچہ ارشاد ہے:۔

وانزل الیک الکتاب والحکمۃ۔ (النساء ع ۱۷)

اور اللہ نے کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) تم پر نازل فرمائی۔

اسی لئے شریعت اسلامیہ کے تمام احکام وقوانین باتفاق اُمت کتاب وسنت ہی سے ماخوذ و مستنبط ہیں لہذا اگر کسی امر غیر منصوص کے حکم کے استنباط واستخراج میں اُمت اور ولاۃ امور (ذی علم ارباب اقتدار) میں اختلاف ونزاع پیدا ہو جائے تو اس امر متنازع فیہ کا فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے کیا جائے گا صرف کتاب اللہ سے نہیں اس لئے کہ اصل مرجع طاعت اُمت کے لئے بھی اور اہل علم وُلاۃ امور کے لئے بھی وہ ہیں اللہ اور رسول اور جس طرح "رد الی اللہ" کے معنی ہیں "رجوع الی کتاب اللہ" اسی طرح "رد الی الرسول" کے معنی ہیں "رجوع الی سنت رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) چنانچہ درج ذیل آیت کریمہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے اعلان کراتے ہیں۔

قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فان اللہ لایحب الکافرین (آل عمران ع ۴)

(اے نبی) کہدو: اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پس اگر تم (اس سے منہ موڑو گے تو (یاد رکھو) اللہ منکروں کو دوست نہیں رکھتا

اس آیت کریمہ سے قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انکار یا اس سے انحراف موجب کفر ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا انکار یا اس سے انحراف موجب کفر ہے اسی طرح سورہ محمد میں خود مومنین کو خطاب فرما کر ارشاد ہے:۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم (محمد ع ۴)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

اس آیت کریمہ سے بھی صریح طور پر معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ شانہٗ کی اطاعت سے انکار وانحراف کفر وارتداد کا موجب ہے اسی طرح اطاعت رسول سے انکار وانحراف بھی کفر وارتداد کا موجب ہے۔

اسی لئے رسول کی اطاعت سے انحراف اور نافرمانی کرنے والے قیامت کے دن اس ترکِ طاعتِ رسول پر انتہائی یاس وحرمان کے عالم میں پشت کف دست کاٹتے ہوں گے اور کہیں گے۔

ویوم یعض الظالم علی ید یہ یقول	(الفرقان ۲۷)	جس دن ظلم کرنے والا اپنے ہاتھ کاٹتا اور کہتا ہوگا کہ کاشکہ
یالیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا		میں رسول کے ساتھ (اللہ کا) راستہ اختیار کرلیتا۔

صرف اس لئے کہ رسول کی اطاعت سے انحراف درحقیقت اللہ کی اطاعت سے انحراف ہے اس لئے کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے چنانچہ ارشاد ہے:

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

اور یہ اس لئے کہ:

وما ارسلنا من رسول	ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی
الا لیطاع باذن اللہ (النساء ع ۸)	جائے خدا کے حکم سے

اسی لئے رسول کی اطاعت واتباع پر اللہ کی محبت، خوشنودی اور مغفرت ذنوب موقوف و منحصر ہے بہرحال ان نصوص قطعیہ سے ثابت ہوا کہ رسول کی اطاعت پر نجات کا مدار وانحصار ہے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح اللہ کی اطاعت اور رد الی اللہ کے لئے کتاب اللہ کا وجود ضروری ہے اسی طرح رسول کی اطاعت اور رد الی الرسول کے لئے سُنّت رسول کا وجود ضروری ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ کو اپنی وفات سے چند ماہ پہلے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا:-

کیف تقضی اذا عرض لك قضاءٌ	"جب کوئی مسئلہ تمہارے سامنے آئے گا تو تم کس طرح
قال: اقضی بکتاب اللہ قال: فان	فیصلہ کروگے؟ کہا: میں خدا کی کتاب سے فیصلہ کرونگا
لم یکن فی کتاب اللہ؟ قال: فبسنة	(آپ نے) فرمایا: "اگر کتاب اللہ میں نہ ہوا؟ (معاذ نے)
رسول اللہ قال: فان لم یکن فی	کہا: تو سنت رسول اللہ سے (فیصلہ کروں گا) (آپ نے)

Marfat.com

سنة رسول الله؟ قال: اجتهد برائی ولا آلو، فضرب رسول الله صلی الله علیه وسلم علی صدره وقال: الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسول الله (رواه ابو داؤد والترمذی والدارمی وابن سعد فی الطبقات وابن عبد البر والبیهقی فی المدخل واحمد فی مسنده)

فرمایا: اگر سنت رسول اللہ میں نہ ہو؟ (معاذ نے) کہا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور مطلق کوتاہی نہ کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور تحسین) معاذ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: شکر ہے اس خدا کا جس نے اپنے رسول کے فرستادہ (حاکم) کو اس امر کی توفیق عطا فرمائی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے۔ (ابو داؤد، ترمذی اور دارمی نے اور ابن سعد نے طبقات میں اور ابن عبد البر نے اور بیہقی نے مدخل میں اور احمد نے مسند میں روایت کیا)

اس حدیث نے مذکورۂ عنوان آیت کریمہ کی وضاحت کردی کہ ردالی الرسول کے معنی رجوع الی سنت رسول اللہ ہیں، نیز یہ کہ جسطرح کتاب مدون ومرتب شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی موجود ومحفوظ اور ماخذ احکام شرعیہ تھی اسی طرح سنت رسول بھی آپکی زندگی میں ہی موجود محفوظ اور ماخذ احکام شرعیہ تھی نیز احکام شرعیہ کے یہ ہر دو ماخذ حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی غیر منصوص امور کے لئے مرجع اجتہاد و استنباط ہیں اور مجتہد کے لئے وسیلۂ قیاس ورائے — کہ وہ غیر منصوص امور کو منصوص پر قیاس کرکے احکام شرعیہ بیان کرے — یہی معنی ردالی کتاب اللہ اور ردالی سنة رسول اللہ کے ہیں۔ اسی لئے علماء اصول مذکورہ بالا آیت کریمہ اور حدیث معاذ کو قیاس کی حجیت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے۔ خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) اپنی کتاب کفایہ صفحہ ۴۸ پر روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مهما اوتیتم

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کتاب اللہ کا کوئی حکم

من کتاب اللہ فالعمل به لا عذر لاحد کم فی ترکه فان لم یکن فی کتاب اللہ فسنة منی ماضیة فان لم یکن سنة ماضیة فما قال اصحابی ان اصحابی بمنزلة النجوم فی السماء فایما اخذ تم به اهتدیتم واختلاف اصحابی لکم رحمة

تمہارے سامنے لایا جائے (تمہیں) اس پر عمل کرنا ہے اس کو ترک کرنے میں تم میں سے کسی شخص کا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو میری طرف سے نافذ شدہ کوئی سنّت (ہوگی اس پر عمل کرنا) اگر کوئی نافذ شدہ سُنت بھی نہ ہو تو جو میرے صحابیوں نے کہا ہو (اس پر عمل کرنا) بیشک میرے صحابی آسمان میں ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کا قول بھی تم اختیار کرلوگے ہدایت پاؤگے (یاد رکھو) میرے صحابیوں کا اختلاف تمہارے حق میں رحمت ہے۔

نوٹ:۔ ہم لفظ سنت کی اصطلاحی تعریف کے ذیل میں بیان کرچکے ہیں کہ سنت صحابہ درحقیقت سُنت رسول ہی ہے۔ پس مذکورۂ عنوان آیت کریمہ سنت کی حجیت اور اس کے ماخذ احکام شرعیہ ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ اسلئے کہ حتی دُنیا تک اطاعت رسول پر عمل کرنے کا اس کے بغیر امکان نہیں۔

Marfat.com

سنّت رسول ادیان و امم سابقہ میں

آیت نمبر(۸) لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھاجا

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے قرآن حکیم میں تذکیر بایام اللہ (بیان وقائع امم سابقہ) کے تحت انبیا ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام، ان کی اُمم اور اُن کی تعلیمات کا تذکرہ متعدد مقامات پر حسب موقع ومحل اجمالاً یا تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔ بنظر غائر اُس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو اس کی اُمت کے حسب حال ایک مستقل اور مخصوص شریعت (مجموعہ احکام) عطا فرمائی ہے۔ اُس رسول کی اور اُس کے متبع انبیا کی تمامتر دعوت وارشاد، اور عقائد واعمال و اخلاق سے متعلق اس کے تمام تر احکامات (اوامر ونواہی) اُسی شریعت پر مبنی ہوتے ہیں اور اسی کی اطاعت وپیروی کی وہ خود اور اس کے متبع انبیاء، اُمت کو دعوت دیتے ہیں۔

چنانچہ اصولی طور پر آیت کریمہ ذیل میں اللہ پاک اس کی تصریح فرماتے ہیں۔

لکل جعلنا منکم شرعۃ	ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مخصوص شریعت
و منھاجا (مائدۃ ع ۷)	اور کھلا ہوا راستہ تجویز کیا ہے۔

اسی لئے علماءِ اُمت نے رسول کی تعریف ہی یہ کی ہے: "وہ صاحب وحی والہام نبی جو مستقل شریعت لایا ہو"۔ اور بنص قرآن ہر رسول کے تمام تر احکامات (اوامر ونواہی) اور افعال واعمال و اخلاق خدا کے حکم سے، اور وحی الٰہی پر مبنی ہوتے ہیں چنانچہ سورۃ نساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا	بے شک ہم نے تمہارے پاس ایسے ہی وحی بھیجی ہے جیسے
الی نوح والنبیین من بعدہٖ	نوح کے اور اس کے بعد کے نبیوں کے پاس وحی بھیجی ہے

اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کی بعثت کے ذیل میں اول رسول کو خطاب فرمایا ہے، اس کے بعد اُمت کو، اور اسی بنا پر "عصمت انبیاء" اُمت کا مجمع علیہ عقیدہ ہے اور قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔

اب یہ دیکھنا یہ ہے کہ ان تمام اُمتوں میں "مصدر تشریع" اور "ماخذ احکام شرعیہ" کیا تھا؟ اس سلسلہ میں جب ہم قرآن عظیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو قرآن حکیم کے علاوہ صرف تین آسمانی کتابوں اور چند صحیفوں کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے (۱) عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب انجیل (۲) حضرت موسیٰ علیہ والسلام کی کتاب تورات (۳) حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور (۴) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفے۔ باقی حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ــــ جو سب سے پہلے صاحب شریعت رسول ہیں ــــ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام تک بجز ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفوں کے اور کسی بھی آسمانی کتاب کا تذکرہ نہیں ملتا۔ حالانکہ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح حضرت شعیب علیہم السلام سب صاحب "شریعت مستقلہ" رسول ہیں اور ان کی شریعتوں کے احکام جستہ جستہ قرآن عظیم میں مذکور بھی ہیں۔

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام انبیاء مرسلین کی بعثت کا مقصد اصولی طور پر "اطاعت رسول" بیان فرماتے ہیں۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ	اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے خدا کے حکم سے

یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت شعیب علیہ السلام تک تو مسلسل ایک ہی عنوان سے ہر رسول اپنی اُمت کو اپنی اطاعت و پیروی کی دعوت دیتا چلا آتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے سورۃ شعراء میں آیات ذیل:

کذبت قوم نوح المرسلین اذ قال لھم اخوھم نوح الا تتقون انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعون

"	عاد	"	"	هود	"	"	"	"
"	ثمود	"	"	صالح	"	"	"	"
"	قوم	"	"	لوط	"	"	"	"
کذب اصحاب الایکۃ		"	"	شعیب	"	"	"	"

سورہ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا سبب بھی عصیان رسول (رسول کی نافرمانی) کو ہی قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

فعصی فرعون الرسول فاخذناہ اخذاً وبیلاً (مزمل ع۱) — پس فرعون نے رسول (موسیٰ) کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو تباہ کن سختی سے پکڑ لیا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنی قوم کو یہی دعوت دیتے ہیں:

فاتقوا اللہ واطیعون — پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی اولاد و ذریت کو ذیل کے الفاظ میں ملت ابراہیمی کے اتباع کی وصیت فرماتے ہیں۔

ووصّٰی بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب (بقرہ ع ۱۶) — اور ابراہیم نے اپنی اولاد کو اس (ملت) کی وصیت کی اور یعقوب نے (اپنی اولاد کو)

ان تمام آیات و نصوص قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ ہر رسول اپنی اُمت کے لئے "مفروض الطاعت" ہے یعنے اس کے تمام تر احکامات (اوامر و نواہی) اور افعال و اعمال و اخلاق کا اتباع اور پیروی اُمت پر فرض ہے اور یہی اقوال و افعال اور اوامر و نواہی کا مجموعہ یعنے اس کی سنت ہی اس کی شریعت ہے لہذا ثابت ہوا کہ ہر نبی مرسل اگر صاحب کتاب ہو تو کتاب و سنت ہر دو ورنہ تنہا اُس کی سنت اس کی شریعت کے احکام کا "ماخذ" اور "مصدر تشریع" ہے۔

علاوہ ازیں قرآن حکیم کے مطالعہ اور تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ جل شانہٗ نے خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب و حکمت ۲ دو چیزیں عطا فرمائی ہیں اسی طرح انبیاء و رسل سابقین علیہم السلام کو بھی کتاب و حکمت ۲ دو چیزیں عطا فرمائی ہیں چنانچہ اللہ جل شانہٗ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ (آل عمران رکوع ۹) — اور جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کتاب و حکمت میں نے تم کو دی ہے (اس پر عمل کرنا اور) پھر جو کوئی پیغمبر تمہارے پاس اُس (کتاب و حکمت) کا مصدق (مطابق) آئے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی ضرور مدد کرنا۔

یہ تو اجمالاً جملہ انبیاء سابقین علیہم السلام کو کتاب و حکمت دینے کا ذکر ہے۔ سورۃ انعام میں تفصیل

کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک اٹھارہ ۱۸ انبیاء مُرسلین کا نام بنام تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

اولٰئك الذین اتینا ھم الکتاب و الحکم (انعام رکوع ۱۰)	یہ تمام انبیاء مرسلین وہ ہیں جنکو ہم نے کتاب و حکمت دی ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ ذیل میں "ابو الانبیاء" حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل میں مبعوث ہونے والے تمام انبیا کو کتاب و حکمت عطا فرمانے کا ذکر فرماتے ہیں۔

ولقد اتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمۃ واتیناھم ملکا کبیرا (نساء رکوع ۸)	اور بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا فرمائی اور ہم نے انکو ملک عظیم بھی دیا۔

اس آیت کریمہ کا مصداق تمام انبیاء بنی اسرائیل و بنی اسماعیل ہیں۔ حضرت اسحٰق سے لیکر حضرت عیسیٰ تک اور حضرت اسمٰعیل سے لیکر خاتم انبیا تک، علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے۔

ویعلمہ الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل۔ (آل عمران رکوع ۵)	اور اللہ اس (عیسیٰ) کو لکھنا اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دے گا۔

انہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی براءت کے ذیل میں ارشاد ہے۔

ما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی (آل عمران ع ۸)	کسی ایسے انسان کے لئے جسے اللہ کتاب، حکمت اور نبوت دے، ممکن نہیں کہ وہ (لوگوں سے) کہے تم میرے بندے بن جاؤ۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے

وقتل داؤد جالوت وآتاہ اللہ الحکمۃ وعلمہ مما یشاء (البقرۃ ع ۳۳)	اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے (اس پر) داؤد کو حکمت عطا فرمائی اور جو چاہا (اور مناسب سمجھا) سکھلایا۔

حضرت داؤد اور سلیمان ہر دو (علیہما السلام) کے متعلق ارشاد ہے۔

وکلا آتینا حکما	اور ان دونوں (داؤد و سلیمان) میں سے ہر ایک کو ہم نے

Marfat.com

وعلماً نے حکمت اور علم عطا فرمایا۔

(الانبیاء رکوع ۶)

واضح ہو کہ ان تمام انبیاء مرسلین علیہم السلام کے بارے میں حکمت اور حکم کا ذکر کتاب یا نبوت کے ساتھ اسی طرح آیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آیات میں حکمت کو کتاب کے ساتھ نازل کرنے یا تعلیم دینے کا ذکر آپ آیات سابقہ میں پڑھ چکے ہیں اس لئے "القرآن یفسر بعضه بعضا" (قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے) کے اصول کے تحت اس حکمت اور حکم کا مصداق بھی ان انبیاء مرسلین علیہم السلام کی سُنّت ہے۔

اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیت کریمہ۔

سنة من قد ارسلنا قبلك من رسلنا تم سے پہلے جو ہم نے رسول بھیجے ہیں ان کی سنت

میں لفظ "سنت" کے متعلق آپ لغوی تحقیق کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں کہ ابوالحسن لحیانی صاحب نوادر، مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس، اور سید مرتضیٰ زبیدی صاحب تاج العروس کی تحقیق کے مطابق اس سنت سے مراد "سنت انبیا" علیہم السلام ہے یعنے ان کے اوامر و نواہی اور اقوال و افعال مراد ہیں اور من ارسلنا کو یہ حضرات مَن قد ارسلنا قبلك کا بیان قرار دیتے ہیں اور یہی آیت کریمہ کے نظم سے ظاہر و متبادر ہے۔

اس صورت میں تمام انبیاء مرسلین علیہم السلام کا "صاحب سنت" ہونا بنص قرآن ثابت ہے خواہ صاحب کتاب ہوں یا نہ ہوں اور یہ کتاب و سنت یا تنہا "سنت رسول" ہی اُن کی شریعت کے احکام کا "ماخذ" ہوگی۔

لہٰذا ان تمام آیات و نصوص قرآن کے استقصاء اور تتبع سے ثابت ہوا کہ تمام ادیان و شرائع سماویہ میں کتاب و سنت ہر دو یا صرف سنت رسول "مصدر تشریع اور "ماخذ احکام شرعیہ" رہی ہے اور یہی سنت اللہ ہے۔ ولن تجد لسنة الله تبديلا۔

رسول اور سنّت رسول کی مخالفت اور نافرمانی

آیت نمبر (۹) فلیحذر الذین یخالفون عن امرہٖ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم

سابقہ آیات کریمہ جن میں اللہ جل شانہٗ نے اطاعت واتباع رسول کا امر فرمایا ہے اُن میں ایک طرف اطاعت رسول کو موجب رُشد وہدایت اور باعث رحمت ومغفرت قرار دیا ہے دوسری طرف رسول سے انحراف واعراض اور اس کی نافرمانی کو اعمال خیر کے بطلان کا سبب اور گمراہی اور کفر و ارتداد کا موجب قرار دیا ہے۔ اسی طرح آیات ذیل میں رسول کی مخالفت، نافرمانی اور عداوت ودشمنی پر شدید ترین وعیدوں کا بیان فرمایا ہے۔

اگرچہ از روئے لغت طاعت کی ضد معصیت، بالقصد والارادہ نافرمانی کو کہتے ہیں مگر قرآن کریم نے طاعت رسول کے بالمقابل جتنی بھی صورتیں ہوسکتی ہیں ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ سب کا احاطہ واستقصاء کیا ہے اور تمام قسم کی قولی اور فعلی، ارادی وغیر ارادی ہلکی سے ہلکی اور سخت سے سخت، خلاف ورزی کے نتائج بد اور عواقب کی بھی تصریح فرمائی ہے ہم ذیل میں قرآن کریم کے مختلف الفاظ اور اُن کے باہمی فرق کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مخالفت مخالفت موافقت کی ضد ہے اور جامع ترین لفظ ہے۔ رسول کی موافقت ومتابعت کو ترک کرنے کی تمام قولی اور فعلی صورتیں اس کے تحت داخل ہیں اسکی سزا سنئے ارشاد ہے:۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہٖ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔ (سورۃ نور ع ۹)	ضرور ڈرتے رہنا چاہیئے اُن لوگوں کو جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، اس سے کہ کوئی تباہی اُن پر آجائے یا وہ دردناک عذاب میں گرفتار ہوں۔

مخالفت کے مدارج مختلف ہیں اسی اعتبار سے اس کی سزائیں بھی جانی اور مالی دنیوی آفتیں اور مصیبتیں بھی ہوسکتی ہیں اور دردناک اُخروی عذاب بھی آیت کریمہ میں فتنۃ او عذاب الیم کی تردید

(یا یہ یا یہ) اسی کی طرف اشارہ ہے۔

عصیان ہر قسم کی قولی اور فعلی نافرمانی کو شامل ہے اسی اعتبار سے اس کی مختلف سزائیں ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فان عصوک فقل انی بریٓ مما تعملون (سورۃ الشعراء ع ۱۱)	پس اگر (اے رسول) وہ تمہاری نافرمانی کریں (اور تمہارا کہنا نہ مانیں) تو کہہ دو میں تمہارے اعمال سے بری ہوں

بظاہر یہ قولی اور لسانی نافرمانی ہے اسی لئے نبی کو ایسے لوگوں سے براءت اور بے تعلقی کے اعلان کر دینے کا حکم فرمایا ہے بالفاظ دیگر یہ نافرمانی کفر و ارتداد کے مرادف ہے

ذیل کی آیت کریمہ میں عملی نافرمانی کا حکم بیان فرماتے ہیں۔

تلک حدود اللہ ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنات تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا وذلک الفوز العظیم ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیہا ولہ عذاب مہین (سورہ نساء ع ۲)	یہ (احکام) اللہ کی (قائم کردہ) حدیں ہیں اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت (اور ان کے احکام کی پابندی) کریں گے اللہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (اور) وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی (اور احکام شرعیہ کی خلاف ورزی) کریگا اور اس کی (مقرر کردہ) حدود (احکام) سے تجاوز کرے گا اللہ اس کو (جہنم کی) آگ میں داخل کرے گا (اور) وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوگیا کہ "حدود اللہ" یعنے احکام الٰہیہ کی پابندی میں ہی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مضمر ہے اور حدود اللہ یعنے احکام شرعیہ سے تجاوز کرنے کا دوسرا نام معصیت رسول ہے گویا طاعت و معصیت کا مدار "حدود اللہ" اور احکام شرعیہ کی پابندی کرنے یا نہ کرنے پر

ہے۔ ذیل کی آیات کریمہ ہر قسم کی نافرمانی کے لئے عام ہیں۔

ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار	جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریں گے ان کے لئے
جھنم خالدین فیھا ابدا (سورہ جن ع ۲)	جہنم کی آگ ہے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔
ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل	جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی وہ ...
ضلالا مبینا (سورۃ احزاب ع ۵)	کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا۔

عورتوں سے بیعت لینے کے ذیل میں ارشاد ہے۔

ولا یعصینك فی معروف	اور وہ عورتیں (اس پر بیعت کریں کہ) کسی بھی بھلے کام میں
(سورۃ ممتحنہ ع ۲)	تمہاری نافرمانی نکریں گی۔

غرض دل سے، زبان سے، عمل سے، رسول کے کسی بھی حکم کو یعنے سنت رسول کو نہ ماننا خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی ہے اور دنیوی و اخروی خسران کا سبب ہے۔

اسی لئے قیامت کے دن یہ رسول کی نافرمانی کرنے اور کہا نہ ماننے والے تمنا کریں گے۔

یومئذ یود الذین کفروا وعصوا	اُس (قیامت کے دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کو اختیار)
الرسول لو تسوّی بھم الارض ،	کیا اور رسول کی نافرمانی کی وہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم
ولا یکتمون اللہ حدیثا	خاک میں ملا دیئے جاتے (اور رسول کی نافرمانی نہ کرتے)
(نساء ع ۶)	اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔

اور جن کی خاطر دنیا میں ان ظالموں نے "اتباع رسول" کو ترک کیا تھا ان کی رفاقت پر پشت کف دست کاٹیں گے:

ویوم یعض الظالم علی یدیہ یقول	جس دن (یہ) ظالم اپنے ہاتھ کاٹتے اور کہتے ہوں گے
یالیتنی اتخذت مع الرسول	کاش کہ میں رسول (کے اتباع) کا راستہ اختیار کرلیتا،
سبیلا یا ویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا	ہائے میری ہلاکت! کاش کہ میں فلاں شخص کو دوست
خلیلا (الفرقان ع ۳)	نہ بناتا۔

اہل کتاب خصوصاً "یہود" کا یہ طریقہ تھا کہ وہ رسول اللہ کی زبان مبارک سے آپ کے احکامات اور اوامر ونواہی کو سنتے اور زبان سے تو کچھ نہ کہتے یا اطاعت کا اقرار کرلیتے مگر دل میں اسی وقت ٹھان

لیتے کہ ہرگز عمل نہیں کریں گے۔ اللہ جل شانہ مسلمانوں کی نصیحت و تنبیہ کی غرض سے اُن کے اس طرز عمل کا اور اس کے بالمقابل اہل ایمان کی مخلصانہ "طاعت رسول" کا ذیل کی آیات میں تذکرہ فرماتے ہیں:

(۱) من الذين هادوا يحرفون الكلم عن مواضعه ويقولون سمعنا وعصينا (النساء ع ۷)	ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں کچھ ایسے لوگ ہیں جو بات کو اس کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں (یعنے بے محل استعمال کرتے ہیں یا معنی بدل دیتے ہیں) اور (زبان سے) کہتے ہیں ہم نے سُن لیا اور (دل میں کہتے ہیں) نہیں مانا

فرماتے ہیں اگر یہ یہودی دل وجان سے رسول کی بات سنتے اور اطاعت کرتے تو دُنیا اور آخرت دونوں میں اُن کے حق میں بہتر اور دُرست ہوتا:

(۲) ولو انهم قالوا سمعنا واطعنا لكان خيرا لهم واقوم	اور اگر وہ (زبان سے) کہتے ہم نے سُن لیا اور (دل میں کہتے) مان لیا تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور دُرست ہوتا

اسی طرح "منافقین" کے حکم رسول سے اعراض کی شناعت اور مومنین کی دل وجان سے اطاعت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

(۱) ويقولون آمنا بالله وبالرسول واطعنا ثم يتولى فريق منهم من بعد ذلك وما اولئك بالمؤمنين (النور ع ۶)	(۱) اور کہتے ہیں ہم تو ایمان لے آئے اللہ پر اور رسول پر اور ہم نے اطاعت کر لی پھر اس (عہد و پیماں) کے بعد بھی ان میں کا ایک گروہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ (درحقیقت) مومن ہیں ہی نہیں۔
(۲) واذا دعوا الى الله ورسوله ليحكم بينهم اذا فريق منهم معرضون وان يكن لهم الحق ياتوا اليه مذعنين (النور ع ۶)	(۲) اور جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف تاکہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کر دیں تو اچانک ان میں کا ایک گروہ منحرف ہو جاتا ہے اور اگر انکا اپنا کوئی حق (اور نفع) ہو تو (بڑے) فرمانبردار بنے چلے آتے ہیں۔

یہ تو نفاق اور منافق کا شعار ہے ایمان اور مومن کی شان یہ ہے:

انما كان قول المؤمنين اذا دعوا	مومنوں کا کہنا تو ــــ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی

Marfat.com

الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئک ھم المفلحون۔ (النور ع ۷)

طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیاں فیصلہ کریں، یہ ہو کہ وہ فوراً کہتے ہیں ہم نے (آپ کا فیصلہ) سُن لیا اور (دل وجان سے) مان لیا صرف یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

دنیوی اور اخروی فوز وفلاح کا مدار تو صرف دل وجان اور قول وعمل سے رسول اللہ کی اطاعت کرنے پر ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ دل میں خوف وخشیت الٰہی اور اتباع رسول میں کوتاہیوں سے بچتے اور ڈرتے رہنے کی لگن اور تڑپ بھی کارفرما رہنی چاہیئے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

ومن یطع اللہ ورسولہ ویخش اللہ ویتقہ فاؤلئک ھم الفائزون (النور ع ۷)

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت (بھی) کرتے ہیں اور (دل میں) اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور (اسکی نافرمانی سے) بچتے ہیں وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے

رسول کی اطاعت کے خلاف سازشیں کرنے والوں کا حال ذیل کی آیات میں بیان فرماتے ہیں:

الم تر الی الذین نھوا عن النجوی ثم یعودون لما نھوا عنہ ویتناجون بالاثم والعدوان ومعصیۃ الرسول۔ (مجادلۃ ع ۲)

اور تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشیوں سے منع کر دیا گیا پھر بھی وہی کانا پھوسی کرتے ہیں جس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا، اور یہ لوگ چپکے چپکے گناہ، ظلم وجور اور رسول کی نافرمانی کی سازشیں کرتے ہیں۔

اس نفاق کی سزا سنئے:

حسبھم جھنم یصلونھا فبئس المصیر (مجادلۃ ع ۲)

ان کے لئے جہنم بہت کافی ہے وہ اس میں (ضرور) داخل ہوں گے پس وہ (ان کا) بدترین ٹھکانا ہے۔

ذیل کی آیات میں مومنین کو اس تباہ کن رویہ کے اختیار کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا اذا تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیۃ الرسول وتناجوا بالبر والتقوی واتقوا اللہ الذی

اے ایمان والو! تم جب چپکے چپکے بات کرو تو گناہ ظلم وجور اور رسول کی نافرمانی کی سازشیں ہرگز نہ کرنا (ہاں) نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں چپکے چپکے کیا کرو (اس میں کچھ حرج نہیں) اور اس اللہ جل شانہ سے ضرور ڈرو جس کے پاس

Marfat.com

الیہ تحشرون (مجادلۃ ع ۳) تمہیں (مرنے کے بعد) جانا ہے۔

عصیان رسول سے متعلق یہ چند آیات بطور تذکیر ہم نے جمع کر دیں ورنہ قرآن عظیم کی تلاوت کیجئے قدم قدم پر آپ کو عصیان رسول کی ممانعت، تخویف اور اس کے تباہ کن دینوی و آخروی عواقب کا تذکرہ ملے گا اور یہ کچھ اسی اُمت کی تخصیص نہیں بلکہ جس طرح آپ پڑھ چکے ہیں کہ تمام انبیاء سابقین کی متفقہ دعوت "اطاعت رسول" ہے اسی طرح عذاب الٰہی اور قہر خداوندی میں گرفتار ہونے والی تمام اُمتوں کی ہلاکت کا واحد سبب "عصیان رسول" ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کی نافرمانی بعثت انبیاء کے اساسی مقصد "طاعت رسول" کے قطعاً منافی ہے چنانچہ آپ پڑھ چکے ہیں:

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ — اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بھی رسول کو مگر صرف اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے خدا کے اذن سے۔

عربی داں حضرات جانتے ہیں کہ کس قدر تاکید کے ساتھ اس آیت میں تمام انبیاء مرسلین کی بعثت کا مقصد منحصر کر دیا گیا ہے طاعت رسول میں؟ اردو داں حضرات بھی ترجمہ میں قوت کلام کو ضرور محسوس کریں گے۔

اور رسول کی نافرمانی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے احکام (اوامر و نواہی) اور اقوال و افعال کو یعنی "سنت رسول" کو نہ مانا جائے خواہ قولاً خواہ عملاً خواہ اعتقاداً اس لئے قرآن کریم کی ان آیات بینات کی روشنی میں سنت رسول کو قرآن کے بعد مطاع ثانی ماننا پڑے گا۔ وباللہ التوفیق۔

تولّی از روئے لغت تولّی کے معنی ہیں روگردانی اور انحراف، یہ عموماً عملی مخالفت ہوتی ہے۔ رسول اور سنت رسول سے اس روگردانی کی سزا سنئے ارشاد ہے۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولّی فما ارسلناك علیھم حفیظا۔ (نساء ع ۱۲) — جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے (رسول سے) روگردانی کی تو ہم نے تم کو ان کا پاسبان (اور ذمہ دار) بنا کر نہیں بھیجا۔

گویا رسول سے روگردانی اور انحراف درحقیقت اللہ جل شانہٗ سے بغاوت ہے آپ پر اس کی مسئولیت مطلق عائد نہیں ہوتی چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

"واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول — اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور

Marfat.com

واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین۔ (مائدہ ع ۱۲)

ہوشیار رہو (کسی کی نافرمانی نہ ہو جائے) پس اگر تم نے (رسول سے) روگردانی کی، تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف واضح طور پر (ہمارا) پیغام پہونچا دینا ہے۔

اس سے بھی زیادہ واضح اور صاف الفاظ میں ارشاد ہے۔

قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمّل وعلیکم ما حمّلتم وان تطیعوہ تہتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین (النور ع ۷)

(اے نبی) اعلان کردو: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر تم (اس سے) روگردانی کروگے تو (یاد رکھو) رسول کے ذمہ صرف وہ کام ہے جس کا اسے ذمہ دار بنایا گیا ہے (یعنے تبلیغ حق) اور تمہارے ذمہ وہ کام ہے جس کے تم ذمہ دار بنائے گئے ہو (یعنے ایمان لانا اور عمل کرنا) اور اگر تم اس کی اطاعت کروگے، تو تم ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول کے ذمہ میں تو واضح طور پر پیغام پہونچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔

یعنے رسول کی اطاعت کا فائدہ بھی تم کو پہونچے گا اُس سے انحراف اور روگردانی کا نقصان بھی تم کو پہونچے گا رسول نے خدا کا پیغام تم تک پہونچا کر اپنا فرض ادا کر دیا وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا۔

صُدود ازروئے لغت صدود کے معنی ہیں اعراض وانحراف، صدود کے لفظ میں یہ اعراض بشدت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

رسول سے اعراض اور اس کی اطاعت سے انحراف کو خاص طور پر منافقین کا شعار قرار دیا ہے ارشاد ہے۔

واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول رأیت المنافقین یصدون عنک صدودا (نساء ع ۹)

جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ، جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کو قبول کرو اور رسول کی اطاعت کرو تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے (دور دور بھاگیں گے اور) اعراض (ہی اعراض) کریں گے۔

Marfat.com

مُشاقّت شقاق سے ماخوذ ہے۔ شدید ترین عداوت اور کھُلی ہوئی دشمنی کو کہتے ہیں رسول سے ایسی عداوت و دشمنی کی سزا سنئے:

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولّہ ما تولّیٰ ونصلہ جھنم وساءت مصیرا (النساء ع ۱۷)

جو شخص ہدایت کے واضح اور عیاں ہوجانے کے بعد رسول سے عداوت اور دشمنی اختیار کرے گا اور مومنوں کی راہ (دین حق) کے علاوہ کسی بھی راستہ کی پیروی کریگا تو جو اُس نے اپنے لئے اختیار کیا ہم اسی (حالت) پر اس کو چھوڑ دیں گے اور (پھر) اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور جہنم بد ترین ٹھکانا ہے۔

ومن یشاقق اللہ ورسولہ فان اللہ شدید العقاب (انفال ع ۲)

جو اللہ اور اُس کے رسول سے دشمنی کرے گا پس (وہ یاد رکھے کہ) بے شک اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

مُحادّہ حدّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی انتہا اور کنارہ کے ہیں ایسی عداوت اور دشمنی جو حد و انتہا کو پہونچی ہوئی ہو اُسے محادّہ کہتے ہیں۔ خدا اور اُس کے رسول سے ایسی شدید عداوت اور دشمنی کی دنیوی اور اخروی سزا بھی ایسی ہی شدید ہے ارشاد ہے۔

ان الذین یحادون اللہ ورسولہ کبتوا کما کبت الذین من قبلھم وقد انزلنا آیات بینات وللکافرین عذاب مھین (مجادلۃ ع ۱)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کریں گے وہ اسی طرح ذلیل وخوار کر دیئے جائیں گے جیسے ان سے پہلے لوگ خاک میں ملا دیئے گئے۔ بیشک ہم نے واضح اور روشن آیات نازل کر دی ہیں، اور کافروں (اور منکروں) کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

اس رسوا کن عذاب کی تفصیل یہ ہے:

ان الذین یحادون اللہ ورسولہ اولٰئک فی الاذلّین کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی، ان اللہ قوی عزیز۔ (مجادلۃ ع ۳)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں وہی لوگ ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہیں، اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آکر رہیں گے بیشک اللہ بہت طاقتور اور (سب پر) غالب ہے

اس عداوت رسول کے انجام بد سے ذیل کے الفاظ میں آگاہ فرماتے ہیں۔

الم یعلموا انه من یحادد الله ورسوله فان له نار جهنم خالدا فیها ذلك الخزی العظیم (انفال ع ۸)	کیا ان کو معلوم نہیں ہوا کہ جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھے گا بیشک اس کی سزا جہنم کی آگ ہے اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا یہی سب سے بڑی رسوائی ہے۔

رسول اللہ کی ہر دعوت پر "لبیک" کہنا ہی دنیوی و اخروی سعادت کا سرمایہ ہے اور یہ سعادت صرف توفیق الٰہی پر موقوف ہے ارشاد ہے

یا ایها الذین آمنوا استجیبوا لله والرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموا ان الله یحول بین المرء وقلبه والیه تحشرون (انفال ع ۲)	اے ایمان والو جب اللہ اور رسول تم کو حیات آفریں کام (ایمان و عمل صالح) کی طرف بلائے تو تم اس کی بات مانو (اور اس کی دعوت پر لبیک کہو) اور یاد رکھو کہ بیشک اللہ انسان اور اسکے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (کہیں تمہاری غفلت اور لاپروائی کو دیکھ کر تمہیں اس توفیق سے محروم نہ کر دے) اور اُسی کے پاس تم کو جانا ہے

رسول اللہ کی مجلس سے اجازت لئے بغیر جانا بھی ایمان کے منافی ہے

انما المومنون الذین امنوا بالله ورسوله واذا کانوا معه علی امر جامع لم یذهبوا حتی یستاذنوه ان الذین یستاذنونك اولئك الذین یومنون بالله ورسوله (النور ع ۹)	اس کے سوا نہیں کہ مومن تو صرف وہی لوگ ہیں جو (دل و جان سے) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی اجتماعی امر (مشورہ وغیرہ) میں شریک ہوتے ہیں تو وہاں سے جاتے نہیں جب تک رسول سے اجازت نہ لیں، بیشک وہ لوگ جو (اے رسول) تم سے (جانے کی) اجازت مانگتے ہیں (تب جاتے ہیں) وُہی لوگ ہیں جو (درحقیقت) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

اور رسول اللہ سے اجازت لئے بغیر چپکے سے کھسک جانا منافقوں کا شعار ہے

Marfat.com

قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذاً (النور ع ۹) — بیشک اللہ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں۔

رسول اللہ کی مجلس میں حضور سے زیادہ بلند آواز سے بولنا اور تڑخ کر بات کرنا بھی بے ادبی اور گستاخی ہے اللہ جل شانہٗ اس گستاخی سے منع فرماتے ہیں اور اس کی مضرت اور انجام بد سے آگاہ کرتے ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا لہٗ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون۔ (حجرات ع ۱) — اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو (نبی سے بلند آواز سے بات نہ کرو) اور آپ سے ایسے تڑخ کر بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے تڑخ کر بات کرتے ہو کہیں تمہارے سارے اعمال (اس گستاخی کی وجہ سے) برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

رسول اللہ سے ملاقات کے لئے دروازے پر کھڑے ہو کر دیہاتیوں کی طرح ہانک لگانا اور پکارنا جہالت ہے اور ادب واحترام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قطعاً منافی ہے اور صبر وسکون کے ساتھ باہر تشریف لانے کا انتظار کرنا ایمان اور دانشمندی کا تقاضہ ہے۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لایعقلون ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم (حجرات ع ۱) — بیشک وہ لوگ جو (اے نبی) تم کو حجروں (زنانے مکان) کے پیچھے (باہر سے) پکارتے ہیں ان میں سے بیشتر لوگ بے عقل ہیں (نبی کے احترام کو نہیں جانتے) اگر وہ صبر (اور انتظار) کرتے یہاں تک تم (اپنے وقت پر) نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا

رسول اللہ کے کسی راز کو افشا کرنا اللہ اور رسول کے ساتھ بدترین خیانت ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا لاتخونوا اللہ والرسول، وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون (انفال ع ۳) — اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے کبھی خیانت نہ کرو اور آپس میں بھی اپنی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت نہ کرو۔

Marfat.com

جیسے رسول کے راز کو افشا کرنا خیانت ہے ایسے ہی اس کے احکام کو پس پشت ڈال دینا یا سُنت رسول کا کسی بھی عنوان سے انکار کرنا بھی خیانت ہے۔ اس کے بالمقابل اللہ کے احکام اور رسول کی سُنت پر عمل کرنا اداء امانت ہے ارشاد ہے:

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا (النساء ع ۸) — بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں، امانت والوں کو ادا کیا کرو۔

رسول کا دل دکھانا، کسی بھی نوع سے ایذاء پہونچانا سخت ترین تباہی کا موجب ہے ارشاد ہے

وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذلکم کان عند اللہ عظیما۔ (الاحزاب ع ۷) — تمہیں حق نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا پہونچاؤ اور نہ یہ کہ تم ان (کی وفات) کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو بیشک تمہاری یہ حرکت اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

رسول اللہ کے سامنے کسی بھی معاملہ کا فیصلہ کرنے میں گستاخانہ پیشقدمی اور جلد بازی کرنا سخت بے ادبی ہے اللہ جل شانہٗ اس سے منع فرماتے ہیں:

یا ایھا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہٗ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم (الحجرات ع ۱) — اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے (کسی بھی معاملہ میں) آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ (سب کچھ) سُنتا اور جانتا ہے۔

مذکورۂ بالا آیات سے جو ہم نے بطور "گلے از گلزارے" جمع کی ہیں قرآن عظیم پر ایمان رکھنے والے ہر مسلمان پر آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں اور روشن ہوجاتا ہے کہ تمامتر خدا پرستی و دینداری قولاً فعلاً اور اعتقاداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و متابعت، عقیدت و محبت، ادب و احترام اور آپ کے جملہ اخلاق و اعمال کے اتباعِ کامل میں منحصر ہے اور یہ اطاعت و متابعت آپکی حیات میں بھی اور وفات کے بعد بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احکام اور اعمال و اخلاق کی دل و جان سے پیروی پر موقوف ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور وفات کے بعد بھی اس سُنت رسول کا اتنا وافر اور واضح ذخیرہ موجود و محفوظ ہونا ضروری ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں — عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات وغیرہ — میں نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے

Marfat.com

قیامت تک کافی ووافی ہو ورنہ قرآن حکیم کا اُمت سے "اطاعت رسول" اور "اتباع اسوۂ رسول" کا مطالبہ اور اس پر دنیوی و آخروی فوز و فلاح کا وعدہ اور اس کی مخالفت و نافرمانی اور اس سے اعراض وانحراف پر یہ تمام تر شدید وعیدیں سب بے معنی اور تکلیف مالایطاق کا مصداق ہوں گی۔

لہذا قرآن کریم کی یہ تمام آیات "سنت رسول" کے تشریعی مرتبہ و مقام اور عظمت و اہمیت کو نیز سنت رسول کے اتنے وافر، واضح اور مکمل ذخیرہ کے موجود ہونے کو، اور قیامت تک اس کے بقا و تحفظ کو، جو نزول قرآن کے وقت سے ہی موجود و محفوظ ہو اور آئندہ آنے والی نسلوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کر سکے، اور اسوہ بن سکے، قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں اس لئے کہ قرآن عظیم کا مطالبہ اطاعت رسول "ابدی" ہے اور تمام موجودہ اور آنے والی نسل انسانی سے یکساں ہے۔

یہ حضرات جن کا کہنا ہے کہ:-

"مجموعۂ سنن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا وہ مقدار میں کچھ زیادہ نہ تھا اور نہ وہ کچھ ایسا تھا جسے بالکلیہ صریح اور واضح کہا جا سکے"[1]

حالانکہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ:-

قرآن مجید لفظاً اور معناً منزل من اللہ ہے وہ ابدی اور انسانی تخلیق سے ماوراء ہے۔[2]

اس اعتراف کے بعد وہ بتلائیں کہ قرآن حکیم ایک غیر واضح، مبہم اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے ناکافی، غیر متعین اور غیر مشکل چیز کی اطاعت و متابعت کا مطالبہ کیسے کرتا ہے اور اس کی مخالفت اور نافرمانی پر انسان کو اتنی شدید دنیوی اور آخروی سزاؤں کا مستحق کیسے قرار دیتا ہے؟

یاد رہے کہ قرآن کے نزول کے وقت جو سنت رسول موجود ہے اور جس اسوۂ رسول کے اتباع کا قرآن حکم دیتا ہے وہ اُس "سُنّت جاریہ" سے قطعاً مختلف ہے جس کو یہ حضرات زمانہ مابعد کی پیداوار مانتے ہیں، جس کی تخلیق پہلی اور دوسری صدی کے "فقہی اجتہاد" اور "رائے عامہ" کی فکری کاوش کی رہینِ منت ہے۔ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ یہ سنت نزول قرآن کے زمانہ کی چیز ہرگز نہیں نیز وہ انسانی تخلیق ہے اور قرآن کو لفظاً و معنیً آپ انسانی تخلیق سے ماوراء تسلیم کرتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ فرمائیے مقالہ سنت صفحہ ۱۲ ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ جولائی اگست ۱۹۶۳ء [2] ملاحظہ فرمائیے جواب سوالات صفحہ ۱۱۵ ماہنامہ "فکر و نظر" بابت ماہ فروری ۱۹۶۵ء۔

قرآن حکیم جس سُنت رسول کی دل و جان سے اطاعت اور مکمل اتباع کا حکم دیتا ہے اور جس کی مخالفت و نافرمانی اور اس سے اعراض و انحراف کو ایمان کے منافی اور یہود و منافقین کا شعار قرار دیتا ہے اور اس پر شدید ترین دنیوی اور اُخروی آفات و مصائب اور عذاب الیم، عذاب مہین کی خبر دیتا ہے وہ صرف وہ "سُنت رسول" ہے جس کی تخلیق و تشکیل وحی و الہام کے ذریعہ ایک معصوم القول، معصوم الفعل اور معصوم الرأی نبی کی مقدس و منزہ ذات مبارک سے ہوئی ہے۔ اور قرآن کریم کی طرح وہ بھی تخلیق انسانی سے ماوراء ہے یعنے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت" اور "اسوۂ رسول" وہی قرآن کریم کا مصداق ہے وہی اللہ جل شانہٗ کی کتاب کے بعد باذن اللہ مرجع طاعت ہے اسی کی اطاعت اور اتباع نوع انسانی سے مطلوب ہے

اس سُنّت رسول کا وجود، مدوّن ذخیرہ احادیث صحیحہ یعنے صحاح ستّہ سے زیادہ قابل اعتماد اور کہیں نہیں ہے جو حضرات یہ کہتے ہیں:

> یہ سُنت رسول اولاً اور بالذات سیر کی کتابوں میں ملتی ہے کیونکہ سیر اور تاریخ کی کتابیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی دعوت کو من حیث الکل پیش کرتی ہیں یہ فقہی اعتبار سے بہت زیادہ نہیں[۵۱]

وہ درحقیقت جان بوجھ کر "علوم حدیث" خاص کر "علم الاسانید والرجال" اور علم الجرح والتعدیل سے نیز ان حفاظ حدیث ائمہ جرح و تعدیل اور ماہرین علم اسماء الرجال کی خارق العادہ مساعی اور چھان بین سے، اپنی مخصوص اغراض و مقاصد کے تحت چشم پوشی کرنا چاہتے ہیں ورنہ تو "تاریخ وسیرت" اور "حدیث" کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ محدثین نے روایات کی تخریج میں صحت کا جو اہتمام والتزام فرمایا ہے کسی ایک بھی تاریخ و سیرت کی کتاب میں وہ صحت کا اہتمام موجود نہیں ہے۔ کیا شروط ائمہ خمسہ یا شروط صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی قسم کی شروط، مورخین و ارباب سیرت کے ہاں موجود ہیں[۵۲]؟ یہ کھلی ہوئی تلبیس ہے۔ اور کیوں ہے اس کی غمازی مذکورہ بالا فقرہ (پیراگراف) کا آخری

---

۵۱ جواب سوالات ص ۳۱۰ ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ فروری ۶۵ء ۵۲ ایک مورخ کا فرض ہوتا ہے کہ وہ واقعات کو ایسے مربوط و مسلسل طریق پر بیان کرے کہ متعلقہ ملک، حکومت یا قوم کی تاریخ اس طرح واضح ہو جائے کہ کوئی خلاء باقی نہ رہ جائے اسی طرح ایک سیرت نگار کا فرض ہوتا ہے کہ وہ متعلقہ شخص کی پوری زندگی کو ایسے مربوط اور مکمل طریق پر بیان کرے کہ اس کی زندگی کا کوئی (باقی صفحہ ۱۹۶ پر)

Marfat.com

حصہ بخوبی کر رہا ہے اور وہ یہ کہ فاضل مقالہ نگار تاریخ، سیرت، اخلاق عبادات اور ان کی تفصیلات جزئیہ سے متعلق تمام احادیث کی صحت اور حجیت کو تسلیم کرتے ہیں صرف فقہی اور کلامی احادیث کو "زمانہ مابعد" اور "اسلام کے تشکیلی دور کی پیداوار" یعنی "موضوع" کہتے ہیں اور ان کی صحت وحجیت سے انکار کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کتب تاریخ وسیرت میں فقہی اور کلامی روایات ہو ہی نہیں سکتیں۔ فقہی اور کلامی روایات کتب حدیث میں ہی موجود ہیں اس لئے وہ "سنت رسول" کے لئے کتب حدیث کا نام لینے کے بجائے کتب "تاریخ وسیرت" کا حوالہ دیتے ہیں۔

باقی رہا یہ کہ وہ فقہی اور کلامی احادیث کے درپے کیوں ہیں؟ ان کے طرز عمل سے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ عصری اور سماجی تقاضوں سے مرعوب اور انفرادی واجتماعی اغراض وخواہشات سے مغلوب ہوکر "شرعی تحریم وتحلیل کی حدود" سے تجاوز کرنا چاہتے ہیں اور نصوص قرآن کریم میں "تاویلات" کرکے اور احادیث احکام کو "تعارض وتضاد" کی آڑ میں زمانہ مابعد کی پیداوار قرار دے کر بعض محرمات شرعیہ کو — جن کی حرمت مجمع علیہ اور ضروریات دین میں سے ہے — حلال کرنا چاہتے ہیں اور اہل حق کی تضلیل و تفسیق اور تکفیر سے بچنے کے لئے کلامی احادیث کو بھی قرآن کے معارض کہہ کر "اسلام کے فقہی اور کلامی دور ارتقاء

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۵ سے آگے) گوشہ تاریکی میں نہ رہ جائے اس لئے مورخ اور سیرت نگار روایات کے باب میں محدثانہ چھان بین اور جرح وتنقید کو پیش نظر رکھ نہیں سکتے ورنہ تاریخ اور سیرت لکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے اسی لئے مشہور ہے کہ تاریخ وسیرت کی کتابوں میں ہر قسم کی رطب ویابس روایات ہوتی ہیں اس کے برعکس محدث ہرگز رطب ویابس روایات اپنی کتاب حدیث میں نہ صرف یہ کہ لانے پر مجبور نہیں ہوتا بلکہ وہ "تجرید صحیح من غیرہ" کے مقصد اہم کے پیش نظر انتہائی چھان بین اور جرح وتنقید سے کام لیتا ہے اسی لئے مسلم ہے کہ کتب صحاح کی روایات کتب تاریخ وسیرت کی روایات کے مقابلہ پر زیادہ صحیح قابل اعتبار اور حجت ہوتی ہیں اس لئے مقالہ نگار موصوف کا یہ فرمانا صریح ابلہ فریبی ہے۔

[۱] واضح رہے کہ یہ محض سوء ظنی یا افترا نہیں ہے بلکہ ماہنامہ فکر ونظر کے مطبوعہ اوراق شاہد ہیں کہ موصوف نے تجارتی سود اور بینکوں کے سود کو "منافع" کہہ کر حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ زکوٰۃ کو اسلامی حکومت کا ٹیکس قرار دیکر زکوٰۃ کی فیصد شرح میں اضافہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، "بدلے ہوئے سماجی حالات اور اختلاف احوال وظروف" کی بنیاد پر ایک عورت کی شہادت کو ایک مرد کے برابر قرار دیا ہے مشاورتی کونسل کی رپورٹ شاہد ہے کہ انھوں نے شراب کی ممانعت کے مسئلہ میں کونسل کی اکثریت سے اختلاف کیا ہے اور اختلافی نوٹ لکھا ہے ریڈیو کی تقریروں کا ریکارڈ شاہد ہے کہ انھوں نے یورپ کے طرز کی مہذب قمار بازی کو جائز قرار دیا ہے۔ استغفر اللہ العلی العظیم۔

کی پیداوار" قرار دیتے ہیں اسی لئے انہوں نے فقہی اور کلامی احادیث کو نشانہ بنا رکھا ہے لیکن وہ قرآن عظیم کی مذکورہ ذیل آیت کو یاد رکھیں اور اس چند روزہ زندگی کے ختم ہونے کے بعد آخرت کی مسئولیت کے لئے تیار رہیں۔

ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا ولہ عذاب مھین (النساء ع ۲)

جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی (قائم کردہ) حدود (احکام) سے تجاوز کرے گا اللہ اس کو (جہنم کی) آگ میں داخل کرے گا وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب (مقرر) ہے۔

"محرمات شرعیہ" حدود اللہ ہیں قرآن تو اُن کے پاس جانے سے بھی منع کرتا ہے۔

تلک حدود اللہ فلا تقربوھا

یہ اللہ کی (قائم کردہ) حدیں ہیں پس تم ان کے قریب بھی مت جاؤ۔

اسی لئے اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ مجمع علیہ محرمات شرعیہ "ضروریات دین" (قطعی اور بدیہی امور دین) میں سے ہیں ان کا انکار بھی کفر ہے اور تاویل بھی کفر ہے یاد رکھئے اپنی رائے" اور "اجتہاد" سے "تحریم حلال" اور "تحلیل حرام" اہل کتاب خصوصاً یہود اور مشرکین کا شیوہ تھا چنانچہ اہل کتاب کے متعلق ارشاد ہے۔

ولا یحرمون ما حرم اللہ و لا یدینون دین الحق (التوبہ ع ۴)

اور جو اللہ نے حرام کیا ہے (جیسے "ربوا") اس کو حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو اختیار نہیں کرتے۔

یہودی سود لینے کو خصوصاً عربوں سے، قطعاً حلال کہتے تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ یہودی سے بڑھکر سود خوار دنیا میں کوئی قوم نہیں ہے اور نسئی کے سلسلہ میں مشرکین کے متعلق ارشاد ہے۔

انما النسیء زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاما ویحرمونہ عاما لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ فیحلوا ما حرم اللہ (التوبہ ع ۵)

اس کے سوا نہیں کہ (مہینوں کو) آگے پیچھے کرنا کفر میں زیادتی کا موجب ہے اس حرکت سے کفر اختیار کرنے والے لوگ ہی (مزید) گمراہ ہوتے ہیں چنانچہ (شہر حرام کو) کسی سال حلال کر دیتے ہیں اور کسی سال حرام کر دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی تعداد میں موافقت و مطابقت کر دیں پس (اس طرح) وہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینہ کو حلال بنا لیتے ہیں۔

اس لئے ہماری مخلصانہ درخواست ہے کہ عہد حاضر کے تجدد پرست حضرات اپنے اوپر بھی رحم فرمائیں اور اُمت پر بھی۔ اور نصوص قرآن میں تاویل و تعلیل (علتیں اختراع کرنے) سے اور محرمات شرعیہ کی تحلیل (حلال کرنے) سے باز آجائیں اور قہر خداوندی سے ڈریں۔

Marfat.com

قرآن، حدیث اور پورے دین کا محافظ خدا ہے

آیت نمبر (۱۰) انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

(۱) سابقہ آیات کے ذیل میں آپ تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔ کہ قرآن عظیم میں عموماً احکام شرعیہ کے اصول ــ اور وہ بھی اجمالاً ــ مذکور ہیں ان کی تفصیل و تشریح، اُن کی عملی شکل و صورت اور مراد و منشاء الہٰی کی تعیین، کا واحد ذریعہ تعلیمات سُنت اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی لئے یہ کہنا بالکل بجا اور برحق ہے کہ قرآن عظیم متن ہے اور سُنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی شرح ہے اور دونوں "منزل من اللہ" (اللہ کی جانب سے نازل شدہ) ہیں۔

فرق صرف اتنا ہے کہ ایک یعنی قرآن "وحی متلو" ہے (نماز میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے) اور دوسری یعنے سُنّت وحی غیر متلو ہے (اس کی نماز میں تلاوت نہیں کی جاتی) یہ فرق بھی صرف اس لئے ہے کہ قرآن بلفظ کلام اللہ ہے اور سُنّت کے الفاظ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہیں اور معنی منزل من اللہ ہیں زیادہ واضح اور سادہ لفظوں میں یوں کہئے کہ قرآن کے الفاظ اللہ جل شانہٗ کے الفاظ ہیں اسلئے وہ "اللہ کا کلام" ہے اور سُنت کے الفاظ رسول اللہ کے الفاظ ہیں۔ اسلئے وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام" ہے۔ مگر اسکے معنی چونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ہی بتلائے ہوئے ہیں اسلئے وہ بھی قرآن کے بعد حجت شرعیہ اور احکام و تعلیمات شرعیہ کا ماخذ ہے لہٰذا قرآن کی حفاظت بھی سُنت اور حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

(۲) اور جبکہ یہ ایک مسلم اور بدیہی حقیقت ہے ـــ حتیٰ کہ ہمارے زمانہ کے وہ "محققین" بھی جو ذخیرۂ احادیث کے "غیر محفوظ" ہونے کے مدعی ہیں اس امر کا اعتراف کرتے ہیں ــ کہ "قرآن پر عمل حدیث کے بغیر نہیں ہو سکتا" تو ماننا پڑے گا کہ قرآن کی حفاظت بھی حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کے بغیر نہیں ہو سکتی اور جس طرح تیرہ سو سال گزر جانے کے باوجود قرآن اُمت کے پاس محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا اسی طرح ذخیرۂ حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی محفوظ ہے اور رہے گا۔ مستشرقین اور اُن کے پیرو مستغربین (مغرب پرست) جو چاہیں کہتے رہیں۔

Marfat.com

(۳) علاوہ ازیں محض الفاظ قرآن کی حفاظت سے کلام اللہ (اللہ کا کلام) انسانی قطع و برید تحریف و تصرّف سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کے معنی و مفہوم اور مراد و منشا کی بھی قطعی طور پر حفاظت نہ ہو۔

قرآن سے پہلی آسمانی کتابوں کا حشر آپ کے سامنے ہے احبار (علماء یہود) اور رُہبان (علماء نصاریٰ) نے محض اپنی ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کے تحت، من مانی تحریف و تبدیل، آیات تورات وانجیل کے بے محل استعمال، اور منشاء الہٰی کے خلاف تصرفات کی بدولت آسمانی کتابوں (تورات وانجیل) اور ان کی تعلیمات کو مسخ کر دیا تھا وہ شب و روز نت نئی تاویلیں اور تحریفیں کرنے اور حرام کو حلال، حلال کو حرام، ایمان کو کفر، کفر کو ایمان بنانے میں مصروف رہتے تھے اور یہودی و نصرانی عوام بھی اللہ اور رسول کی اطاعت اور پیروی کے بجائے، انہی احبار و رہبان کی پیروی کرتے تھے۔ اسی صورت حال اور اُس کی شناعت کو قرآن حکیم نے ذیل کے حکیمانہ اور بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ (توبہ ع ۵)

ان (یہودیوں اور نصرانیوں نے) اللہ کے بجائے اپنے عالموں اور پادریوں کو اپنا رب بنالیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی قرآن حکیم نے جگہ جگہ اور نوبنو انداز میں علماء یہود و نصاریٰ کی اس مجرمانہ خیانت اور عمداً تحریف و تلبیس کو اُمت محمدیہ کی عبرت کے لئے نہایت واضح طور پر بیان کیا ہے اس لئے بھی قرآن کے الفاظ و معنی اور مصداق و مراد کی ایسے قطعی طریق پر حفاظت ازبس ضروری ہے کہ کسی بھی جاہل و ناداں یا ملحد و زندیق کو اس میں تاویل و تعلیل، لفظی یا معنوی قطع برید، اور بے محل استعمال یا اصلی مراد و منشاء الہٰی کے خلاف خود ساختہ مراد و منشاء بیان کرنے کا امکان باقی نہ رہے اور اس طرح کی حفاظت سُنت و حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کے بغیر ناممکن ہے۔

(۴) قرآن "کلام اللہ" ہے اس کی شان یہ ہے۔

لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ۔ (الحشر ع ۳)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو بے شک تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے لرزجاتا اور پارہ پارہ ہوجاتا۔

انسانی قلب اس کا متحمل ہو، انسانی دہن و حلقوم سے یہ ادا ہو، انسانی زبان پر یہ جاری

Marfat.com

ہو، انسانی عقل و فہم کی اس کے معنی و مراد تک رسائی ہو، یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ اللہ جل شانہٗ اپنی قدرت کاملہ سے بطور معجزہ" اس بنیۂ ناتواں (کمزور انسان) کو اس کا اہل نہ بنا دیں چنانچہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جس طرح آیت کریمہ:

ان علینا جمعه و قرانه — بیشک ہمارے ذمہ ہے اسکو یاد کرا دینا اور پڑھا دینا۔

کے تحت اس کو پڑھانا اور یاد کرانا اپنے ذمہ لیا اسی طرح آیت کریمہ:

ثم ان علینا بیانه — پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس (کے معنی و مراد) کو بیان کر دینا

کے تحت اس کے معنی و مفہوم اور مراد و منشاء کو بیان کرنا بھی اپنے ذمہ لیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر معترض کے اعتراض کا جواب، ہر پیچیدہ اور مشکل مسئلہ کا حل، ہر معاندانہ یا غیر معاندانہ سوال کا جواب، ہر مجمل و مبہم امر کی تشریح و تفسیر بھی خود ہی فرمائی ارشاد ہے۔

ولا یاتونك بمثل الا جئناك بالحق — وہ جو بھی کوئی انوکھی بات تمہارے سامنے پیش کرینگے
واحسن تفسیرا۔ (فرقان ع ۳) — ہم تمہیں (اس کا) حق (اور صحیح جواب) اور بہتر تفسیر بتلا دینگے

اور اس کے بعد بتلا دیا کہ دیکھو ہر چیز کا بیان اصولاً اس کتاب میں موجود ہے۔

ونزلنا علیك الکتب — ہم نے یہ کتاب تم پر (تدریجاً) نازل کی ہے جس میں (اصولاً) ہر چیز
تبیاناً لکل شیئ۔ (النحل ع ۱۲) — کا واضح بیان موجود ہے۔

اور پھر امت کو آگاہ فرما دیا کہ یہ "نبی معصوم" کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہتا ہے نہ کرتا ہے بلکہ یہ وہی بات کہتا ہے جس کی وحی اس کے پاس بھیجی جاتی ہے اور وہی کام کرتا ہے جس کا حکم اس کو دیا جاتا ہے" قرآن کی شہادت یہ ہے۔

وما ینطق عن الهوی ان — وہ (نبی) کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہتا، وہ جو کچھ
هو الا وحی یوحی (النجم ع ۱) — کہتا ہے وہ (اسکے پاس) بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی اعلان کرا دیا کہ "میں نہ اپنی طرف سے کوئی تغیر و تبدل کر سکتا ہوں، نہ اپنی طرف سے کوئی بات کہہ سکتا ہوں نہ کوئی کام کر سکتا ہوں میں تو صرف وحی الٰہی کا متبع ہوں"

قل ما یکون لی ان ابدله — (اے نبی) تم کہدو میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی جانب
من تلقاء نفسی ان اتبع — سے اس میں کچھ تبدیلی کر دوں میں تو صرف اس وحی (الٰہی)

Marfat.com

الا ما یوحیٰ الیّ (یونس ع ۲) | کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح "امر الٰہی"

وامرت ان اکون من المسلمین وان اتلوا القرآن (النمل ع ۸) | اور مجھکو حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں (شامل) ہو جاؤں اور (تمہارے سامنے) قرآن کی تلاوت کروں

کے تحت قرآن عظیم کے "الفاظ" اُمت کو پہنچا دیئے قرآن اس کی شہادت دیتا ہے۔

یتلوا علیکم آیاتہ | وہ نبی، اللہ کی آیات تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ:۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزّل الیہم | اور (اے نبی) ہم نے تم پر ذکر (قرآن) اس لئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے سامنے بیان کر دو وہ (دین) جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے۔

کے تحت قرآن کے معنی و مفہوم اور مراد و منشاء الٰہی کو بیان فرما دیا۔ خود اس پر عمل کر کے اور اُمت سے کرا کے اس کی شکل و صورت کو متعین کر دیا قرآن اس کی شہادت دیتا ہے:

ویعلمہم الکتاب والحکمۃ | اور وہ نبی تم کو کتاب و حکمت (قرآن کے معنی و مراد اور منشاء و مصلحت الٰہیہ) کی تعلیم دیتا ہے۔

اب چونکہ قرآن حکیم خبر دیتا ہے کہ:۔

"یہ رسول اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور دین الٰہی کی تکمیل ہو چکی ہے اب نہ کوئی نبی و رسول آئے گا نہ کوئی آسمانی کتاب نازل ہوگی یہی دینِ اسلام قیامت تک کے لئے دینِ مرضی (پسندیدہ دین) اور آخری نعمت ہے"

اس لئے رہتی دُنیا تک انسانی دستبرد اور تاویل و تحریف سے اس کتاب کی طرح نبی معصوم کی تعلیمات کی اور شرائع و شعائر اسلام کی حفاظت و صیانت بھی ازبس ضروری تھی اس لئے اللہ جل شانہٗ اس کی حفاظت و صیانت بھی اپنے ہی ذمہ لیتے ہیں اور مذکورۂ عنوان آیت کریمہ میں اس کی حفاظت کا نہایت پختہ وعدہ فرماتے ہیں ارشاد ہے:

انا نحن نزلنا الذکر | بیشک ہم ہی نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی

Marfat.com

وانا لہ لحافظون اس کے محافظ ہیں۔

اس آیت کریمہ میں لفظ الذکر آیا ہے اور یہی لفظ الذکر مذکورۂ سابق آیت وانزلنا الیک الذکر الآیۃ میں آیا ہے لہٰذا جس الذکر کو اللہ نے نبی معصوم علیہ السلام پر نازل فرمایا اور جس کی لسانی اور عملی توضیح وتفسیر اللہ جل شانہٗ کے حکم سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی، اُسی کی حفاظت کا اللہ جل شانہٗ نے اس آیت کریمہ میں وعدہ فرمایا ہے لہٰذا اس الذکر کا مصداق جس طرح الفاظ قرآن ہیں اسی طرح قرآن کے معنی ومفہوم، مراد ومنشاء قولی وعملی بیان وتفسیر، اور عملی صورت کی تعیین وتشکیل جو اللہ کے حکم کے تحت آپ نے فرمائی، وہ بھی الذکر کا مصداق ہے اسلئے کہ قرآن اس کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں جس طرح قرآن کی حفاظت کا وعدہ ہے اسی طرح سُنت وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا بھی وعدہ ہے۔ ان دونوں آیتوں میں القرآن یا الکتاب کے بجائے الذکر کا لفظ اختیار کرنے سے متعلق ایک اہم نکتہ آیت کریمہ وانزلنا الیک الذکر کے ذیل میں قسط نمبر (۴) کے اندر بیان ہو چکا ہے اس کی بھی مراجعت فرمایئے

بہر صورت اللہ جل وعلیٰ نے اس وعدہ کو اس شان سے پورا فرمایا کہ عقل انسانی دنگ ہے اور انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے

ایک طرف "خرق عادت" (معجزہ) کے طور پر حفظ قرآن کو اُمت کے لئے ایسا سہل اور آسان کر دیا کہ بڑے تو بڑے کمسن بچے تک پورا کا پورا قرآن صفحات قلب پر ثبت (نوشتہ) سینوں کے سفینوں (بیاضوں) میں محفوظ، نوک زبان پر جاری وساری اس طرح محفوظ ومستحضر لئے پھرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لفظ تو کیا زیر زبر کی بھی غلطی کردے تو فوراً ٹوک دیں کہ تم قرآن غلط پڑھ رہے ہو۔ اگر بالفرض دنیا کی تمام "طاغوتی" طاقتیں روئے زمین سے مطبوعہ قرآن کی تمام کاپیاں (نسخے) ایک ایک کر کے ضبط کرلیں اور چھین لیں قرآن کی طباعت ونشر واشاعت کو ممنوع اور جرم قرار دے دیں اور روئے زمین کے مطبع (پریس) والے قرآن کے نہ چھاپنے پر اتفاق کرلیں تب بھی قرآن بدستور محفوظ اور سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہے گا

اسی کا نتیجہ ہے کہ آج روئے زمین کے کسی بھی چپہ پر کوئی بھی اسلام کا دشمن الفاظ قرآن میں، کسی بھی طریق پر تحریف وتلبیس یا شک وشبہ پیدا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا ایک ہی نسخہ

Marfat.com

(ایڈیشن) ہے جو تیرہ سو سال سے یکساں طور پر بے حساب اور بیشمار تعداد میں چھپتا اور شائع ہوتا چلا آرہا ہے۔ صدیوں پہلے کے قلمی نسخے مختلف ملکوں کے آثار قدیمہ کے شعبہ "مخطوطات" (قلمی کتابوں کے شعبے) کو ملے ہیں اور آئے دن ملتے رہتے ہیں مگر آج کے مطبوعہ قرآن میں اور اُن میں ذرہ برابر فرق نہیں نکلتا۔

غرض آج تک دُنیا میں کوئی اتنی ضخیم (بڑی) کتاب — خواہ آسمانی ہو خواہ غیر آسمانی، مذہبی ہو یا غیر مذہبی — اس قدر محفوظ طریق پر اتنی کثیر تعداد میں کہ شمار سے باہر ہو نہ حفظ کی گئی اور نہ شائع ہوئی۔ اور لطف یہ ہے کہ اس حفظ اور نشر و اشاعتِ قرآن کے لئے نہ کبھی کوئی عالمگیر "تنظیم" عمل میں آئی نہ کوئی "سرکاری" یا "غیر سرکاری" "ادارہ" قائم ہوا نہ کوئی خاص عالمگیر پروپیگنڈہ، بلکہ ہر زمانہ میں عوام از خود اپنے بچوں کو قرآن حفظ کرانے کے لئے انفرادی یا اجتماعی انتظام کرتے چلے آتے ہیں اور پریسوں اور کتب خانوں کے مالک طبع کراتے اور شائع کرتے چلے آتے ہیں۔

اب کچھ دنوں سے قرآن عظیم کی دیکھا دیکھی مسیحی مشنریوں نے "بائبل سوسائٹیاں" قائم کرکے بائبل کے لاکھوں ایڈیشن شائع کرنے شروع کردیئے ہیں۔ لیکن دُنیا کے مسیحی ملکوں اور قوموں کے درمیان وقتاً فوقتاً شائع شدہ نسخوں (ایڈیشنوں) کو جمع کرکے ملائیے زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا ہر ایڈیشن دوسرے ایڈیشنوں سے کچھ نہ کچھ ضرور مختلف ہوگا۔ باقی رہے بائبل کے حافظ تو ہمیں یقین ہے کہ دُنیا کی تمام مسیحی مشنریاں پوری بائبل کا ایک بھی حافظ پیش کرنے سے قاصر ہیں اسی طرح اصل "عبرانی" انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور اصل "عبرانی" تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی وہ تو دُنیا سے بالکل ہی ناپید اور عنقا ہے۔

دوسری طرف اللہ جل شانہ نے قرآن کے معنی و مفہوم، مراد و منشا اور بیان و تفسیر قرآن یعنے حدیث و سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظ کو بھی حیرت انگیز طریقہ پر بلکہ خرق عادت کے طور پر اُمت کے لئے ایسا آسان و سہل فرما دیا کہ سیکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں حدیثوں کے حافظ اُمت میں دو چار دس پانچ نہیں بلکہ صدہا گزرے ہیں۔ اور حدیث رسول اللہ کو حاصل کرنے اور پھر "مع سند" اس کو یاد کرنے میں انہوں نے کیسے کیسے اہتمام اور کیسی کیسی احتیاطیں کی ہیں؟ سبحان اللہ، انسانی عقل حیران ہے (اس کی تفصیل اور تاریخی ثبوت انشاء اللہ کتاب کے دوسرے

Marfat.com

حصہ میں آپ پڑھیں گے)

ان حضرات محدثین اور حفاظ حدیث کے ابتلا کے لئے یا یوں کہئے کہ ان حضرات کو ہوشیار و بیدار کرنے کی غرض سے پہلی صدی ہجری میں ہی اللہ تعالیٰ نے وضع حدیث اور کذب فی الحدیث کا فتنہ کھڑا کر دیا تھا اور گمراہ فرقوں اور نام نہاد دشمن دین مسلمانوں نے اپنے اپنے مذہبی یا سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے جھوٹی حدیثیں گھڑنی شروع کر دی تھیں۔ محدثین و حفاظ حدیث نے یہ دیکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حدیث اور ہر حدیث کے ایک ایک راوی کی ایسی حیرت انگیز طریق پر چھان بین کی ہے اور "روایت و درایت" ہر دو پہلوؤں سے ایسی زبردست جرح و تنقید کی ہے اور اس مقصد کے لئے ایسے ایسے دور دراز کے سفر کئے اور مشقتیں اٹھائی ہیں کہ دنیا حیران ہے۔ اس عظیم مقصد کے لئے ایک مستقل علم علم الاسانید والرجال مدون کر دیا جس کی نظیر بجز مسلمانوں کے اور کسی قوم میں نہیں ملے گی اور اس بے مثل جد و جہد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھری اور نکھری ہوئی احادیث مع الاسانید کو "کتب صحاح" میں اس طرح محفوظ کر دیا کہ جیسے رہتی دنیا تک قرآن محفوظ رہے گا اسی طرح انشاء اللہ تعالیٰ "وضاعین حدیث" اور منکرین حدیث" کی ناپاک کوششوں اور کاوشوں کے باوجود سنت و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ذخیرہ بھی محفوظ رہے گا۔

درحقیقت حفظ قرآن اور حفظ حدیث اسلام کی حقانیت کے وہ زندۂ جاوید معجزے ہیں جو اس آخری کتاب، آخری دین اور آخری شریعت کے ساتھ ساتھ قیامت تک موجود و محفوظ رہیں گے اور اسلام کی حقانیت کی شہادت دیتے رہیں گے۔

مختصر یہ ہے کہ مذکورہ دلائل کی روشنی میں زیر نظر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف قرآن کے الفاظ اور معنی و مراد یعنے سنت و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، بلکہ پورے دین اسلام کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور امت مسلمہ نے قرآن کے الفاظ و معنی کے ساتھ ساتھ تعامل و توارث کے ذریعہ پورے دین کی ہر ممکن طریق پر ــــــ تیغ و سنان سے بھی، زبان و بیان سے بھی، قلم و قرطاس سے بھی۔ اس حفاظت کے فرض کو انجام دیا ہے اور قطعی و یقینی طور پر اس طرح پورے دین کو محفوظ کر دیا ہے کہ کسی بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بالہام ربانی امت کو خبر دی ہے کہ تم کو آنے والے زمانہ

ہیں قرآن کے معنی و مفہوم اور مراد و منشاء کے منوانے کے لئے بھی "نام نہاد قرآن پڑھنے والوں" سے ایسے ہی قتال کرنا پڑے گا جیسا کہ میں نے قرآن کو کلام اللہ نہ ماننے والوں سے قتال کیا ہے۔

امام نسائی اپنی تصنیف خصائص علی میں حسب ذیل روایت نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابو عبداللہ الحاکم اپنی کتاب مستدرک میں اس روایت کو "شیخین" (بخاری و مسلم) کی شرط پر صحیح بتلاتے ہیں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان منکم لمن یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلته علی تنزیلہ۔

بیشک تم میں سے بعض لوگ قرآن کے معنی و مراد کو منوانے کے لئے منکرین سے ایسے ہی جنگ کریں گے جیسے میں نے قرآن کو منزل من اللہ منوانے کے لئے جنگ کی ہے۔

حاضرین صحابہ یہ بشارت سنکر اس سعادت کو حاصل کرنے کے شوق میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی جانب دیکھنے لگے کہ "قرعۂ فال کس کے نام پر نکلتا ہے" حتیٰ کہ حضرت ابوبکر نے عرض کیا "یارسول اللہ! میں ہوں وہ شخص؟" آپ نے فرمایا "نہیں"، حضرت عمر نے دریافت کیا "میں ہوں یارسول اللہ"؟ آپ نے فرمایا "نہیں" پھر ارشاد فرمایا "وہ شخص وہ ہے جو اپنی چپل سی رہا ہے"، یہ حضرت علی (رضی اللہ عنہم اجمعین) تھے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے متبعین نے اور اُن کے بعد عامۃ المسلمین نے سالہا سال تک اس قوم سے قتال کیا ہے جس کی زبان پر ہر وقت قرآن رہتا تھا مگر وہ قرآن کی غلط تاویل (مراد) کی بنا پر تمام صحابہ کرام حتیٰ کہ حضرت علی کو بھی کافر اور واجب القتل کہتے تھے اور بقول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی وہ تمام آیات جو کفار و مشرکین سے قتال کے متعلق نازل ہوئی ہیں، عام مسلمانوں کو ان کا مصداق قرار دے کر ان کفار و مشرکین کے بجائے عام مسلمانوں کو تاخت و تاراج اور قتل و غارت کرنے میں مصروف رہتے تھے مگر اہل حق نے بھی سالہا سال کی خونریز لڑائیوں کے بعد اس فرقہ (خوارج) کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا کر چھوڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر (پیش گوئی) پوری ہو کر رہی۔

---

(۲) اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ص ۲۰۳ ج ۷ پر بحوالہ مسند ابو یعلی بروایت عبدالرزاق عمرۂ قضا کے موقع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ صلح کے تحت "عمرۃ القضاء" کی غرض سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے تو عبداللہ بن رواحہ آپ کے آگے آگے یہ "رجزیہ اشعار" پڑھتے جا رہے تھے۔

(۱) خلوا بنی الکفار عن سبیلہ	(۱) ہٹ جاؤ کافروں کی اولاد آپ کے راستہ سے
(۲) قد انزل الرحمٰن فی تنزیلہ	(۲) بیشک اللہ نے اپنی نازل کردہ کتاب میں نازل فرمایا ہے
(۳) بانّ خیر القتل فی سبیلہ	(۳) کہ بہترین قتل وہ ہے جو خدا کی راہ میں ہو۔
(۴) نحن ضربناکم علی تاویلہ	(۴) ہم تمہیں قرآن کی مراد و منشا کے منوانے پر ایسے ہی ماریں گے
(۵) کما قتلناکم علی تنزیلہ	(۵) جیسے ہم نے تم سے اس کے نازل ہونے کو منوانے پر جنگ کی ہے

حضرت عمر نے چاہا کہ ان کو ان اشعار کے پڑھنے سے روکیں آپ نے ان کو منع کیا اور فرمایا:

یہ اشعار تو تیروں سے بھی زیادہ منکرین کے دلوں کو چھلنی کرتے ہیں۔

(۳) یہ تو منکرینِ معنی و مرادِ قرآن سے "قتال بالسیف" تھا۔ "جہاد باللسان والقلم" سے متعلق حسب ذیل روایت ہے جس کو حافظ بیہقی نے اپنی کتاب مدخل میں نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال یحمل ھذا العلم من کل خلف	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنے والی نسل کے
عدولہ ینفون عنہ تحریف	ثقہ عالم اس علم دین کے حامل اور علمبردار بنتے رہیں گے
الغالین وانتحال المبطلین	غالی گمراہوں کی تحریفوں، باطل پرستوں کی افترا
وتاویل الجاھلین	پردازیوں اور جاہلوں کی تاویلوں کی تردید و بیخ کنی کرتے رہیں گے (قیامت تک)

چنانچہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں علماء حق کا ایک طبقہ ان جاہل مؤوّلین اور منکرین مرادِ قرآن سے برابر زبان و بیان اور قلم و قرطاس کے ساتھ جنگ کرتا رہا ہے اور حفاظت معنی و مراد و قرآن کا فرض انجام دیتا رہا ہے اور قیامت تک مقابلہ کرتا رہے گا اور رہتی دنیا تک معنی و مراد و قرآن انشاء اللہ محفوظ رہیں گے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک ناتمام کوشش ہے اللہ تعالیٰ اسکو قبول فرما کر سعی مشکور بنا دیں آمین۔

ایک اہم نکتہ سنت و حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) درحقیقت خاتم انبیا صلی اللہ علیہ

وسلم کی تیئس ۲۳ سالہ تشریعی زندگی کی ایسی مکمل و منقح اور امکانی حد تک صحیح اور یقینی "تاریخ" ہے کہ روئے زمین پر نہ آج تک ایسی مکمل و منقح اور یقینی تاریخ نوع انسانی کے کسی بھی فرد کی لکھی گئی ہے اور نہ لکھی جائے۔ کسی بھی تاریخ کے واقعات اور مدونین کتب تاریخ تک ہر واقعہ کا پورا سلسلۂ روایت اور اس کے ایک ایک راوی کی چھان بین اور "روایت و درایت" ہر دو پہلو سے مکمل جرح و تنقید کو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تاریخ حیات (حدیث رسول اللہ) میں اختیار کیا گیا ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ دُنیا کی کسی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

اس کی وجہ بالکل معقول ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی نصوص (تصریحات) کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس "تاریخ" (رسول اللہ کے اقوال وافعال و بیان سکوتی) پر مسلمانوں کے دین و ایمان اور بندگی و خدا پرستی، اور اُس کے نتیجہ میں دنیوی و اخروی فوز و فلاح کا مدار و انحصار تھا ان کے لئے آسمانی کتاب قرآن پر عمل کرنا اس کے محفوظ و منضبط کئے بغیر ممکن نہ تھا ان کے دین کے عقائد و احکام کا ماخذ و منبع اور حجت و سند یہی تاریخ حیات رسول تھی اس لئے انہوں نے انتہائی دیانتداری، حزم و احتیاط اور تیقظ و تثبت کے ساتھ اپنے رسول معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے اقوال، احکام اور کلمات طیبات کو، آپ کی معصوم ہستی سے صادر ہونے والے اعمال وافعال اور اخلاق و شمائل کو امکانی حد تک محفوظ کیا اور اپنے اخلاف تک سلسلہ بسلسلہ پہنچایا اور بعد کے لوگوں نے اس ذخیرہ واقعات و احوال کو ایک ایک کر کے پرکھا "سلسلۂ اسناد" کے نقائص کا، راویوں کے ضعف اور عیوب کا انتہائی دیانتداری سے جائزہ لیا اور جب تک کلی طور پر اطمینان اور شرح صدر نہ ہو گیا اس وقت تک صحیح احادیث کے ذخیرہ میں شامل نہ کیا اگر کسی متن یا سند (اصل واقعہ یا سلسلۂ روایت) میں کوئی عیب یا شک و شبہ پیدا کرنے والا نقص نظر آیا تو اول تو اس کی تخریج ہی نہیں کی اور اگر کسی وجہ سے اس کی تخریج کی بھی تو اس ضعف یا سقم کو پوری دیانتداری کے ساتھ ظاہر کر دیا اور اس تحقیق و تنقیح کی غرض سے مستقل "علوم حدیث" جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے مدون کر دیئے۔ دنیا کے علم تاریخ میں ایک نئی قسم کی تاریخ یعنے تاریخ احوال رواۃ حدیث" ــــ جس کا اصطلاحی نام علم اسماء الرجال ہے ــــ کا اضافہ کر دیا۔

ہمیں سخت حیرت ہے کہ اس حقیقت کے جاننے کے باوجود ہمارے عہد کے بعض "محققین"

Marfat.com

کیوں انجان بنتے ہیں؟ اور کتب احادیث صحاح کے مقابلہ پر کتب تاریخ و سیرت کو کیوں زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں؟ نہ صرف یہ بلکہ وہ کتب احادیث صحاح میں مدون ذخیرۂ احادیث صحیحہ کو "تاریخی واقعات" کے معیار پر پرکھنے کے درپے ہیں اور امت کو احادیث رسول اللہ کی از سر نو اس "خود ساختہ معیار" (واقعات تاریخ) پر جرح و تعدیل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ کیا وہ واقعات تاریخ کی صحت اور حجیت کی کوئی حدیث کی صحت و حجیت سے بڑھ کر ضمانت دے سکتے ہیں؟

فهم فی ریبهم یترددون (التوبہ ع ۷) — پس وہ تو اپنے شکوک و شبہات میں ہی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ [illegible] موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے بدقتِ نظر علوم حدیث خصوصاً علم مختلف الحدیث کا مطالعہ کریں تعارض احادیث کے باب میں ان کی الجھن دور ہو جائیگی محدثین رحمہم اللہ نے تو اس علم پر مستقل تصانیف لکھی ہیں اور تطبیق و توفیق بین الاحادیث کے اصول منضبط کر دیئے ہیں اس کے بعد "احادیث ربوا" میں تعارض کا عقدہ کھل جائے گا اور تجارتی سود کو حلال قرار دینے کی نوبت نہ آئے گی بشرطیکہ ان کا مقصد تلاش و تحقیق حق ہو ورنہ افمن اتخذ الٰهه هواه واضله الله علی علم فمن یهدیه بعد الله

حاصل بحث و تنقیح

قرآن حکیم کی ان دس آیات کریمہ کو — جو بمصداق تلک عشرۃ کاملۃ "قرآن عظیم کی روشنی میں سنت و حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حجیت اور اس کے تشریعی مقام" کو ثابت کرنے کے لئے انشاء اللہ پورے دس دلائل ہیں — اور ان کی معاون آیات کو پیش نظر رکھ کر ہم "تحقیق سنت" کے بارے میں اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔

۱۔ سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) قطعی اور یقینی طور پر "تشریع احکام" کا مصدر ثانی یعنی احکام شرعیہ کا دوسرا ماخذ اور حجت ہے اور قرآن کریم کے بعد مفروض الطاعت اور واجب الاتباع ہے اس کا انکار کفر اور اس سے انحراف ارتداد کے مرادف ہے۔

۲۔ سنت رسول کا مصداق حسب ذیل امور ہیں۔

Marfat.com

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اوامر و نواہی (احکامات) خواہ لسانی ہوں خواہ سکوتی خواہ عملی، قرآن حکیم میں مذکور ہوں یا نہ ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر سکوت فرمایا ہو۔

(ب) مسلمانوں کے باہمی "نزاعات" سے متعلق تمام تر فیصلے اور قضا و فصل خصومات کے اصول و ضوابط نیز حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کے نفوس و اموال سے متعلق تمام تر احکامات۔

(ج) اخلاق فاضلہ، خصائل حسنہ اور تزکیۂ نفوس سے متعلق تمام تر عملی اور لسانی تعلیمات و ہدایات اور ادعیہ و اذکار۔

(د) عقائد، عبادات، معاملات، خصومات، جنایات، حدود و قصاص، غزوات و محاربات صلح و آشتی کے اصول و معاہدات نیز سیاست مدن اور سیاست منزل سے متعلق قرآن عظیم کی تعلیمات و احکام کی وہ تمام تعبیرات و توضیحات (خواہ لسانی ہوں خواہ عملی) جن کے ذریعہ آپ نے اُمت کو قرآن سمجھایا یا عمل کر کے دکھلایا اور دین اسلام کا مکمل ڈھانچہ تیار کیا اور اصولاً "تشکیل فقہ اسلامی" کا فرض انجام دیا۔

(۳) ان مصادیق سنت کا دقیق ترین تجزیہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ یہ تمام تر سنت کے مصداق یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں یا افعال یا کسی امر کے مشاہدہ یا علم میں آنے کے بعد اس پر آپ کا سکوت ہے جو السکوت فی معرض البیان بیان (بیان کے موقع پر خاموشی بھی بیان ہوتی ہے) کے تحت "بیان سکوتی" ہے۔

لہٰذا قرآن حکیم کی روشنی میں سنت کی جامع و مانع تعریف یہ ہوئی (یہی تعریف آپ ارباب لغت اور علماء حدیث کی زبانی سن چکے ہیں):

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل اور تقریر (بیان سکوتی) کا نام سنت ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کی سنت کا یہ ذخیرہ جواز روئے مقدار قرآن کریم سے "اضعاف مضاعف" (چند در چند) ہے۔ بشہادت قرآن عہد رسالت میں ہی اتنا وافر انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی رہنمائی کے لئے کافی و وافی اور واضح و مفصل موجود تھا جس سے آپ قرآن

Marfat.com

کی تشریح و تفسیر اور منشاء و مراد قرآن کی تعیین اور اس کی عملی تشکیل کر کے اور تکمیل دین و شریعت اسلام کا فرض انجام دیا۔ اور آپ کی وفات کے بعد بھی وہ الی یومنا ھذا (آج تک) حفاظ حدیث اور کتب حدیث کے ذریعہ اسی طرح محفوظ ہے جیسے حفاظ قرآن کے ذریعہ متن قرآن۔

(۵) قرآن کریم کی قطعی نصوص (تصریحات) کی بنا پر سنت اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ کا قطعی اور ناگزیر ماخذ ہے۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وافر ذخیرۂ احادیث کی حفاظت کس طرح ہوئی؟ اس کی تفصیل ہم انشاء اللہ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں بیان کریں گے وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین۔

Marfat.com

بھی لفظ ایحاء کا استعمال بکثرت ہوا ہے۔

(۱) **لغوی معنی میں استعمال** | چنانچہ زمین کے حق میں ارشاد ہے :۔

يومئذ تحدث اخبارها بان ربك اوحى لها (سورة اذا زلزلت)

اُس دن (قیامت کے دن) زمین اپنی باتیں تبلائیگی اس لئے کہ تیرے رب نے اس کو حکم بھیجا ہوگا۔

نحل (شہد کی مکھی) کے متعلق ارشاد ہے :

واوحى ربك الى النحل ان اتخذى من الجبال بيوتا الآية (النحل ع ۹)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈال دیا کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا، آخر آیت تک

حواریین (مخلصین) عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے :۔

واذا اوحيت الى الحواريين ان آمنوا بى وبرسولى (المائدہ ع ۱۵)

اور جبکہ میں نے (عیسیٰ کے) حواریوں کے دل میں ڈال دیا کہ مجھ پر اور میرے رسول (عیسیٰ) پر ایمان لے آؤ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے متعلق ارشاد ہے :۔

واوحينا الى ام موسى ان ارضعيه الآية (القصص ع ۱)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں ڈال دیا کہ تو اس (بچہ) کو دودھ پلا، آخر آیت تک

پھر یہ ایحاء صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی نہیں ہوتا بلکہ انسانوں، یہاں تک کہ کافروں اور شیطانوں کی جانب سے بھی ہوتا ہے چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے :۔

فاوحى اليهم ان سبحوا بكرة وعشيا (مريم ع ۱)

پس زکریا نے ان (اپنے متبعین) سے اشارہ میں کہا کہ تم صبح شام تسبیح کرتے رہو۔

کفار و مشرکین کے متعلق ارشاد ہے :۔

يوحى بعضهم الى بعض زخرف القول غرورا (الاعراف ۱۴)

بعض (کافر و مشرک) بعض کے دلوں میں گھڑی ہوئی پُر فریب باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔

شیاطین کے متعلق ارشاد ہے :۔

ان الشياطين ليوحون

بیشک شیطان (بھی) اپنے دوستوں (پرستاروں)

Marfat.com

الیٰ اولیاءھم (الاعراف ۱۴) | کی طرف وحی بھیجتے رہتے ہیں (کفریہ خیالات و وساوس دلوں میں ڈالتے رہتے ہیں)

ان آیات میں اور اس قسم کے اور تمام استعمالات میں لفظ ایحاء سے مشتق افعال مذکورہ بالا لغوی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

(۲) شرعی معنی میں استعمال

انبیاء علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرداً فرداً بھی اور اجتماعی صورت میں بھی لفظ وحی اور ایحاء کا استعمال بڑی کثرت سے اور مختلف عنوانات سے ہوا ہے چنانچہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہے:

انا اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وھارون وسلیمان وآتینا داؤد زبورا (النساء ع ۲۳)

(اے نبی) بیشک ہم نے تیرے پاس ایسے ہی وحی بھیجی ہے جیسے نوح اور اس کے بعد کے نبیوں کے پاس بھیجی ہے اور (جیسے) ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور انبیاء بنی اسرائیل کے پاس وحی بھیجی ہے اور عیسیٰ، ایوب، یونس ہارون اور سلیمان کے پاس وحی بھیجی ہے اور داؤد کو ہم نے زبور دی ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ جامع ترین آیت کریمہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی نبوت و رسالت کا خاصہ لازمہ ہے اور نوح علیہ السلام — پہلے نبی مرسل — سے لیکر خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاء و رسل کے پاس اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی ہے۔ اسی لئے امام بخاری علیہ الرحمہ نے "باب بدء الوحی" کے ذیل میں اسی آیت کریمہ کو ذکر کیا ہے۔

خاص قرآن عظیم کے متعلق ارشاد ہے:

نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک ھٰذا القرآن (سورۃ یوسف ع ۱) | ہم بیان کرتے ہیں تم سے بہترین بیان اس لئے کہ ہم نے اس قرآن کو تمہارے پاس وحی بھیجی ہے۔

یہ قرآن کتاب اللہ ہے ارشاد ہے:

واتل ما اوحی الیک من | جو تیرے پاس تیرے رب کی کتاب بھیجی گئی ہے اس کی

کتاب ربک (الکہف ع ۴) تلاوت کیا کر۔

قرآن کریم کے استعمال میں وحی اور ایحاء کا فرق

اگرچہ ارباب لغت وَحَیتُ اور اَوحَیتُ (ثلاثی اور مزید) دونوں کے ایک ہی معنی بیان کرتے ہیں چنانچہ جوھری صحاح میں لکھتے ہیں۔

یقال وَحَیتُ الیہ الکلام واَوحَیتُ	وحیت الیہ الکلام اور اَوحَیتُ (ثلاثی اور مزید)
وھو ان یکلمہ بکلام یخفیہ۔	دونوں خفیہ طریق پر کلام کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی تصریح کرتے ہیں:۔

واوحیٰ ووحیٰ لغتان والاولیٰ	اوحیٰ اور وحی (مزید اور ثلاثی) اگرچہ دونوں مستعمل ہیں
افصح وبھا ورد القرآن۔	مگر پہلا (اوحیٰ) زیادہ فصیح ہے قرآن میں بھی یہی استعمال ہوا ہے

اسی طرح علامہ منظور افریقی لسان العرب میں ابوالھثیم (متوفی ؁) کا قول نقل کرتے ہیں

قال ابوالھیثم: واما اللغۃ الفاشیۃ	ابوالھثیم کہتے ہیں: قرآن عظیم میں یہ لفظ عام طور پر
فی القرآن فبالالف و اما فی غیر القرآن	"الف" کے ساتھ (اوحی) استعمال ہوا ہے قرآن کے
العظیم فوحیت الی فلان مشھور	علاوہ وحیتُ (بغیر الف) بھی مشہور ہے

چنانچہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات ہی میں نہیں بلکہ عام طور پر لغوی اور شرعی دونوں معنی میں اوحیٰ (مزید) اور اس سے مشتق افعال استعمال ہوئے ہیں۔ باقی وحی کا لفظ قرآن عظیم کی صرف چھ آیات میں استعمال ہوا ہے۔

(۱ و ۲) حضرت نوح علیہ السلام کو سورۃ ھود اور سورۃ مومنون میں خطاب ہے۔

واصنع الفلک باعیننا ووحینا	(اے نوح) تم کشتی بناؤ ہمارے سامنے اور ہمارے
(ھود ع ۴، مومنون ع ۲)	تبلانے کے مطابق

(۳) سورۃ طٰہٰ میں خاتم انبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے:۔

ولا تعجل بالقرآن من قبل ان	اور تم قرآن (کے پڑھنے) میں اس کی وحی (اترنے)
یقضیٰ الیک وحیہ (طٰہٰ ع ۶)	کے پورا ہونے سے پہلے جلدی مت کیا کرو۔

Marfat.com

اس آیت کریمہ میں وحیہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے لہذا اس آیت میں وحی بمعنی ایحاء مصدر ہے۔

مذکورہ ذیل تین آیات میں وحی کا لفظ بطور اسم، نبوت اور رسالت کی طرح ایک خاص شرعی اصطلاح کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے:

(۴) انما انذرکم بالوحی (الانبیاء ع ۴) — اس کے سوا نہیں کہ میں تو تم کو صرف وحی کے ذریعہ آنے والے خطرہ سے (خبردار کرتا ہوں (ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے)

خاتم انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلنے والے الفاظ اور کلام کے متعلق ارشاد ہے۔

(۵) وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (النجم ع ۱) — وہ (تمہارا نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا وہ (جو کچھ بولتا ہے وہ) تو صرف وحی ہوتی ہے جو اس کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

وحی کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

وحی کی حقیقت آیت کریمہ ذیل سے واضح ہوتی ہے۔ یہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے ایک موقعہ پر کئے ہوئے ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے کفار کہا کرتے تھے:

لولا یکلمنا اللہ؟ (بقرہ پ ۱ ع ۱۴) — اللہ (تم ہی سے کلام کرتا ہے) ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا

حق سبحانہ وتعالیٰ اس سورۃ میں بطور جواب ارشاد فرماتے ہیں:

(۶) ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء (شوریٰ ع ۵) — کسی بشر کی یہ مجال نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے بجز اس کے کہ بطور وحی کے یا پردہ کے پیچھے سے (بات کرے) یا کسی پیغام رساں (ایلچی فرشتہ) کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وحی (اللہ کا کلام) پہونچادے۔

آیت کریمہ دو اہم ترین حقیقتوں کو واضح کرتی ہے۔

وحی اللہ کا کلام ہے

(۱) ایک یہ کہ قرآنی اصطلاح میں اس وحی کی حقیقت اللہ کا کلام[۵] ہے جو رسالت و نبوت کی خصوصیت ہے اسی اللہ کے کلام اور احکام الٰہیہ کو اللہ

---

[۵] اس لئے کہ کفار و مشرکین نے اللہ کے کلام کا ہی مطالبہ کیا تھا جس کے جواب کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور الا کا استثنا "ان یکلمہ اللہ" سے ہے اور استثنا "متصل" ہے عربیت کے لحاظ سے تقدیر عبارت یہ ہو (باقی صفحہ ۲۱۷ پر)

کے بندوں تک پہونچانے کے لئے انبیاء ورسل بھیجے جاتے ہیں اللہ جل شانہٗ تکوینی طور پر اپنے اس کلام کو جس کے ثقل کی پہاڑ جیسی سخت مخلوق بھی متحمل نہیں ہو سکتی آنے والی تین صورتوں میں انبیاء ورسل تک پہونچا دیتے ہیں۔

اللہ کے کلام کرنے یعنے وحی الٰہی کی تین صورتیں

(۲) دوسرے یہ کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ مذکورۂ ذیل تین صورتوں میں انبیا ورسل سے کلام فرماتے یا اپنا کلام ان کے پاس پہونچاتے ہیں۔

(۱) الا وحیا ۔ وحی کے طور پر کلام فرمائیں ۔ یعنے اللہ تعالیٰ اپنا کلام براہ راست بلاواسطہ فرشتہ نبی ورسول کے دل میں القاء فرما دیتے ہیں۔

(۲) او من وراء حجاب ۔ پردے کے پیچھے سے اللہ کا کلام سُنائی دے۔

(۳) او یرسل رسولا فیوحی باذنه ما یشاء ۔ یا کسی پیغام بر کو بھیجیں اور وہ اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہے وہ پیغام (اللہ کا کلام) پہونچائے۔

ہم ان تینوں صورتوں کی تشریح وتفصیل اور باہمی فرق کو اپنے شیخ امام العصر حضرت مولینا انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کی تحقیق کی روشنی میں بیان کرتے ہیں

وحی کی پہلی صورت

(۱) وحی کی پہلی صورت الا وحیا ہے یعنے براہِ راست اور بلا واسطہ کلام کرنا۔ حضرت شیخ رح فرماتے ہیں:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶ سے آگے) الا[۱] ان یکلمه وحیا او[۲] یکلمه من وراء حجاب او[۳] یرسل رسولا الآیہ نفی صرف "شفاھا" (آمنے سامنے) کلام کرنے کی ہے اس لئے کہ یہ عظمت وجلال خداوندی کے بھی منافی ہے اور کسی مخلوق کے لئے قابل برداشت بھی نہیں صحیح مُسلم کی حدیث ہے حجابه النور لو کشفه لاحرقت سبحات وجهه ما انتهی الیه بصره من خلقه ۔ اللہ کا حجاب (رویت سے مانع) نور ہے اگر بالفرض اللہ اسکو کھول دے (ہٹادے) تو اس کے چہرہ کی شعاعیں جہاں تک اس کی نگاہ پہونچے تمام مخلوق کو پھونک دیں ۔ اس لئے رُو در رُو اور آمنے سامنے ہو کر کلام کرنا تو کسی مخلوق کے لئے ممکن ہی نہیں ہاں آنے والے تین طریقوں سے اللہ اپنا کلام انبیا ورسل تک پہونچا دیتا ہے۔ چونکہ خطاب کفار سے ہے جو سرے سے رسالت ونبوت کے منکر ہیں اس لئے ما کان لنبی کے بجائے۔ ما کان لبشر عنوان اختیار فرمایا ہے۔

Marfat.com

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ "موحیٰ الیہ" کے (جس سے کلام کیا جائے اُسکے) باطن ۔ ذی شعور روح ۔ کو (جسم ادی سے) عالم قُدس کی جانب کھینچ لیا جاتا ہے یعنے مسخر کر لیا جاتا ہے پھر اس باطن ۔ روح ۔ میں وہ اللہ کا کلام دفعتاً ڈالدیا جاتا ہے فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس وحی کے معنی القاء علام بجفیة ہیں یعنے خفیہ اور غیر محسوس طریق پر آگاہ کر دینا"

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ ذیل میں۔

سنلقی علیك قولا ثقیلا (مزمل ع۱) ہم تمہاری جانب ایک گراں (اور دشوار) کلام کا القاء کریں گے

آپ کو اس القاء (ڈالدینے) سے بھی آگاہ کیا ہے اور اپنے کلام کے ثقل (گرانی اور شدت) سے بھی آپ کو باخبر کیا ہے

اور آیت کریمہ ذیل میں مخالفین کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کے دور کرنے اور آپ کو اور اُمت کو اطمینان دلانے کی غرض سے اس امر کی توثیق فرمائی ہے کہ یہ قرآن اللہ جل شانہٗ کی جانب سے ہی آپ پر القاء کیا جارہا ہے ارشاد ہے۔

وانك لتلقی القرآن من لدن حکیم علیم (النمل ع۱) اور بیشک قرآن آپ پر بڑی حکمت اور علم والے (پروردگار) کے پاس سے القاء کیا جارہا ہے

حضرت شیخ فرماتے ہیں: اس صورت میں نہ کسی واسطے ۔ فرشتہ ۔ کا دخل ہوتا ہے نہ ہی موحیٰ الیہ کے حواس یعنے "سُننے" کا مطلق دخل ہوتا ہے بلکہ موحی الیہ کے بدن سے منسلخ روح پر وہ کلام دفعتاً ڈالدیا جاتا ہے اور وہ فوراً ثبت ونقش ہوجاتا ہے۔

موجودہ دور کی سائنسی اور مادی ایجادات ٹیلی ویژن وغیرہ نے اس ملکوتی اور روحانی حقیقت کو اس مادی زندگی میں سمجھنا اور باور کرنا آسان کر دیا ہے۔

اللہ کے کلام کرنے یعنے وحی الٰہی کی دوسری صورت

(۲) حق جل وعلیٰ کے کلام فرمانے کی دوسری صورت او من وراء حجاب ہے یعنے اللہ جل شانہٗ پس پردہ کلام فرمائیں۔ فرماتے ہیں: اس صورت میں واسطے یعنے فرشتہ کا تو دخل

نہیں ہوتا مگر موحیٰ الیہ کے حواس یعنے سمع ۔ سُننے ۔ کا دخل ہوتا ہے یعنے وہ اللہ جل وعلیٰ کے کلام کو غیر معہود طریق پر یعنے بغیر کسی جہت اور زماں و مکاں کی تعیین و تخصیص کے اپنے کانوں سے سُنتا ہے" من وراء حجاب کا مطلب یہی ہے کہ موحی الیہ صرف کلام اپنے کانوں سے سُنتا ہے اتنا یقین ہوتا ہے۔ کہ متکلم اللہ ہے لیکن کہاں ہے کس طرف ہے اس کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں: منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوہ طور پر اللہ کا کلام ہر طرف سے سُنائی دے رہا تھا۔" نیز فرماتے ہیں: حق جل وعلی نے لیلۃ الاسراء (شب معراج) میں خاتم انبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اِسی صورت میں کلام فرمایا ہے" جس کا ذکر سورۃ والنجم کی آیت فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ میں آیا ہے۔

اللہ کے کلام یعنے وحی الٰہی کی تیسری صورت

(۳) اللہ جل شانہٗ کے کلام فرمانے کی تیسری صورت او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتے ۔ جبرئیل علیہ السلام ۔ کو اپنے کلام ۔ وحی ۔ کا حامل[1] بنا کر نبی مُرسَل کے پاس بھیجیں اور وہ بعینہٖ اللہ کا کلام اس نبی کے پاس پہونچا دے۔ فرماتے ہیں:

پھر اس فرشتے کے وحی پہونچانے کی بھی دو صورتیں ہوتی ہیں

(۱) کبھی تو وہ فرشتہ نبی کے باطن ۔ روح شاعرہ کو (بدن سے) اپنی طرف کھینچ لیتا ہے یعنے مسخر کر لیتا ہے اور خود اپنی ملکی صورت پر قائم رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس روح شاعرہ پر دفعتًا القاء کر دیتا ہے۔

---

[1] فرشتہ بعینہٖ اللہ کے کلام کا اسی طرح حامل بن جاتا ہے جیسے ۔ بلاتشبیہ ۔ مادی دنیا میں ٹیپ ریکارڈ مشین" کا فیتہ" ٹیپ ۔ بولنے والے کی بعینہٖ گفتگو، حتیٰ کہ لب ولہجہ اور آواز کے اُتار چڑھاؤ کا بھی حامل ہوتا ہے اور پھر وہ فرشتہ نبی مرسل کے پاس ہو بہو اور بعینہٖ اس اللہ کے کلام کو اسی طرح پہونچا دیتا ہے جیسے" ٹیپ ریکارڈ مشین" بولنے والے کی گفتگو کو سُننے والوں تک اس طرح پہونچا دیتی ہے کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ بولنے والا ہمارے سامنے کھڑا ہے چنانچہ" ٹیلی ویژن" کے ذریعہ تو سامنے نظر بھی آتا ہے ... اسی لئے اس فرشتے کے رسول کے سامنے اللہ کا کلام پڑھنے کو اللہ جل وعلی نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ارشاد ہے فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ میں جب ہم اس (قرآن) کو پڑھیں تو تم اس کے پڑھنے کا اتباع کرو یعنی کان لگا کر سنو۔ موجودہ سائنسی ایجادات کی یہ مثالیں محض سمجھنے میں آسانی کی غرض سے ذکر کی گئی ہیں ۔ ورنہ اللہ کا کلام اور انبیا و رسل تک اس کے پہونچنے کی اصل حقیقت تک تو انسانی عقل و فہم کی رسائی ممکن ہی نہیں ۱۲

(۲) اور کبھی وہ فرشتہ خود اپنی ملکی صورت سے انسانی صورت میں آجاتا ہے اور بعینہٖ اللہ کا کلام پہونچا دیتا ہے اس دوسری صورت کے ثبوت میں فرماتے ہیں: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ میں فرمایا ہے:

فتمثل لها بشرا سویا — پس وہ (فرشتہ جبرئیل) ایک تواناو تندرست بشر کی صورت میں اس (مریم) کے سامنے آگیا۔

(مریم ع ۲)

چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام عام طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک حسین وجمیل صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آیا کرتے تھے مگر اس صورت میں ان کو عموماً تو صرف آپ ہی دیکھتے تھے اور کبھی کبھی دوسرے صحابہ بھی دیکھتے تھے مگر یہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ انسان نہیں فرشتہ ہیں ان کے جانے کے بعد آپ بتلاتے کہ یہ حضرت جبرئیل تھے تب ان کو علم ہوتا جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل ایک غیر معروف اور اجنبی انسان کی صورت اور حلیہ میں صحابہ کے مجمع میں آپ کے پاس آئے اور بغرض تعلیم امت آپ سے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے متعلق سوالات کئے اور آپ نے وحی الٰہی کے تحت ان کے جوابات دیئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد آپ نے بتلایا: هٰذا جبرئيل جاء ليعلمكم دينكم — یہ جبرئیل تھے تمکو دین کی تعلیم سے آگاہ کرنے کے لئے آئے تھے۔

اس آیت کریمہ میں بیان شدہ وحی الٰہی کی تین صورتوں کے متعلق یہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی تحقیق ہے باقی عام محدثین ومفسرین الا وحیا کے تحت وحی بواسطہ فرشتہ کی پہلی قسم کو داخل کرتے ہیں اور او یرسل رسولا کے تحت وحی بواسطہ فرشتہ کی دوسری قسم کو داخل کرتے ہیں اور فرشتہ کے واسطہ کے بغیر وحی کا مصداق صرف او من وراء حجاب کو قرار دیتے ہیں۔ دراصل یہ اختلاف صحیح بخاری باب بدء الوحی کی حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تشریح وتحقیق میں ہے تفصیل کے لئے فتح الباری، عمدۃ القاری اور فیض الباری کی مراجعت کیجئے۔

وحی کی دو قسمیں مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بیان شدہ نزول وحی الٰہی کی تین صورتوں کے تحت ہی علماء شریعت نے اصولاً وحی کی دو قسمیں قرار دی ہیں اور ہر ایک کے خصائص واحکام الگ الگ بیان کئے ہیں ایک وحی متلو اور دوسرے وحی غیر متلو ہمارے

موضوع بحث کے پیش نظر ان کا بیان کرنا ازبس ضروری ہے۔

وحی متلو اللہ جل شانہٗ کا وہ قطعی اور یقینی کلام صرف قرآن عظیم ہے ـــــ جو اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور اسکی دیگر صفات کی طرح ازلی، ابدی اور غیر مخلوق ہے جس کے نہ صرف حروف و الفاظ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ہیں بلکہ مفہوم و معنی، مراد و مصداق بھی اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے ہیں۔ جس کو مخالفین و منکرین کے سامنے بطور "تحدی" (چیلنج) پیش کیا گیا ہے کہ اگر تمکو اس کے اللہ کا کلام ہونے میں ذرہ برابر شک و شبہ ہو تو نہ صرف تم بلکہ تمہارے ساتھ تمام غیر خدائی طاقتیں ملکر اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ ارشاد ہے:۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا	اور اگر تمکو اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے
فأتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا	پر اتارا ہے ذرا سا بھی شک ہو تو تم ایک سورت ہی اس
شھداءکم من دون اللہ ان	جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا جو بھی تمہارے مددگار ہوں
کنتم صادقین (البقرہ پ۱ ع۳)	ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

اور پھر کتنے جزم و یقین کے ساتھ خبر دی ہے کہ دنیا کی قدرت سے باہر ہے کہ وہ اس اللہ کے کلام کی مثال پیش کرسکے ارشاد ہے:۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا	پس اگر تم (ایسا) نہ کرسکو اور ہمیں یقین ہے) تم ہرگز
النار التی وقودھا الناس والحجارۃ	(ایسا) نہ کرسکو گے تو پھر تم اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن
اعدت للکافرین (ایضاً)	آدمی اور پتھر ہیں وہ منکروں کے لئے ہی تیار کی گئی ہے

چنانچہ نزول قرآن کے زمانہ سے آج تک یہ تحدی (چیلنج) اپنی جگہ قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا نہ آج تک اس کی مثال پیش کی جاسکی نہ کی جاسکتی ہے۔

وحی متلو کے خصائص (۱) اسی لئے اس کلام کو معجز (عاجز کردینے والا) کہا گیا ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے۔

(۲) یہی کلام ـ قرآن ـ متلو ہے اسلئے کہ آپ اور آپ کے اتباع میں پوری امت اسکی مامور ہے ارشاد ہے:

وان اتلوا القرآن	اور مجھکو حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت
(النمل ع ۷)	کروں۔

Marfat.com

(۳) یہی مقروٗ ہے اس لئے کہ نماز میں اس کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے:۔

فاقرؤا ماتیسر من القرآن (مزمل ع ۲) پس جتنا میسر ہو (نماز میں) قرآن پڑھ لیا کرو

(۴) یہی اللہ کا وہ صداقت اور عدل و مساوات پر مبنی تام اور کامل و اکمل کلام ہے جس میں رہتی دُنیا تک کسی بھی زمانہ میں کسی بھی قسم کے تغیر و تبدل کا امکان نہیں ارشاد ہے:۔

وتمت کلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل لکلماته (الاعراف ع ۱۴)

اور تیرے پروردگار کا کلمہ (کلام) صداقت اور عدل (و مساوات) کے اعتبار سے تام (اور کامل) ہوچکا اللہ کے کلمات (کلام) میں کسی بھی قسم کی تبدیلی (کا امکان) نہیں ہے۔

(۵) اور نہ ہی اس کلام میں کوئی بھی فرد یا جماعت تغیر و تبدل کی مجاز ہے ارشاد ہے:۔

واتل ما اوحی الیك من کتاب ربك لا مبدل لکلماته ولن تجد من دونه ملتحدا (الکہف ع ۴)

(اے نبی) تم اپنے رب کی کتاب کی جو تم پر بصورت وحی اُتاری گئی ہے (لوگوں کے سامنے) تلاوت کرو جس کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہوسکتا اور تم اس پروردگار کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہ پاؤ گے۔

(۶) جس طرح اس وحی — کلام اللہ — کے الفاظ — جو آپ نے اُمت کو پہونچائے — اللہ کی طرف سے اُتارے ہوئے ہیں اسی طرح آپ نے اُن کے جو معنی و مفہوم اور مراد و مصداق اُمت کو بتلائے وہ بھی خود اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے ہیں ارشاد ہے:

لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علینا جمعه وقرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه (القیامة ع ۱)

تم جلدی (یاد کرلینے) کی غرض سے اپنی زبان کو حرکت نہ دو (ساتھ ساتھ نہ پڑھو) بیشک ہمارے ذمہ ہے اس کو (تمہارے دل میں) محفوظ کر دینا اور (زبان سے) اس کو پڑھا دینا لہٰذا جب ہم اسکو پڑھیں تو تم اس کو کان لگا کر سنتے رہو۔ پھر اس (کے معنی و مراد) کا بیان کر دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

اور یہی کلام الٰہی کے نازل کرنے کے ساتھ ساتھ نبی کو مبعوث کرنے کا منشا ہے کہ نبی "انسان" ہے

انسانوں کو اُن کے انداز میں اللہ کے کلام کے معنیٰ و مطلب، مراد و مصداق سمجھا دے اُس پر عمل کر کے دکھلا دے ارشاد ہے:۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (النحل ع ۶)	اور ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کو واضح طور پر اس (دین) کو بیان کر دو جو ان کے لئے اتارا گیا ہے۔

اس تبیین کی مزید تفصیلات آیت مذکورہ بالا کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

(۷) یہی وہ اللہ کا کلام ہے جس کے خود اللہ تعالیٰ محافظ ہیں ارشاد ہے:۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (الحجر ع ۱)	ہم ہی نے اس نصیحت (کی کتاب) کو اُتارا ہے ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

(۸) یہی وہ اللہ کا کلام ہے جس کے لفظاً اور معناً غیر اللہ کی دراندازی بلکہ دسترس سے محفوظ ہونے کی خبر ذیل کی آیت میں دی گئی ہے ارشاد ہے:

ان الذین کفروا بالذکر لما جاءھم وانہ لکتاب عزیز لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (السجدۃ ع ۵)	بیشک وہ لوگ (بھی ہم سے مخفی نہیں ہیں) جنہوں نے اس نصیحت (کی کتاب) کا انکار کر دیا جب وہ ان کے پاس آئی۔ حالانکہ وہ ایک محکم کتاب ہے اس میں باطل نہ آگے سے راہ پا سکتا ہے نہ پیچھے سے۔

لغت اور عربیت کے مشہور امام زمخشری اپنی تفسیر کشاف میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مثّل کان الباطل لا یتطرق الیہ ولا یجد سبیلا من جھۃ من الجھات حتی یصل الیہ ویتعلق بہ	یہ ایک تمثیل ہے گویا باطل اس قرآن میں مطلق راہ نہیں پا سکتا اور اُسے اس کتاب میں (رخنہ اندازی کے لئے) کسی بھی جہت سے اور کسی بھی صورت سے کوئی راستہ نہیں مل سکتا کہ قرآن تک اس کی رسائی ہو سکے اور اس میں رخنہ اندازی کر سکے۔

اس کے بعد ایک سطحی اعتراض نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں:۔

Marfat.com

فان قلت: أما طعن فيه الطاعنون وتاول المبطلون.

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ طعن و تشنیع کرنے والوں نے ہمیشہ قرآن کو نشانہ بنایا ہے اور باطل پرستوں نے نت نئی تاویلیں کی ہیں؟

قلت: بلى ولكن الله قد تقدم في حمايته عن تعلق الباطل بان قيض قوما عارضوهم بابطال تاويلهم وافساد اقاويلهم فلم يخل طعن طاعن الا ممحوقا ولا قول مبطل الا مضمحلا ونحوه قوله تعالى انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون۔

جواب: کیوں نہیں لیکن اللہ جل حکمتہ نے پہلے سے قرآن کو باطل کی دسترس سے محفوظ رکھنے اور بچانے کا یہ انتظام فرمایا ہے کہ ہر زمانہ میں ان (شر پسند) اہل باطل کی خود ساختہ تاویلوں اور (بے سروپا) اقوال کی بیخکنی کے لئے علماء ربانیین کی ایسی جماعتیں پیدا فرمائی ہیں جنہوں نے ہر طعن و تشنیع کی جڑیں اکھاڑ پھینکی ہیں اور ہر بے سروپا اعتراض کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ہے یہی حقیقت ہے اللہ کے اس وعدہ کی کہ ہم ہی نے یہ قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

الحاد و ملحد

بطور تمثیل "آگے سے باطل کے راہ پانے سے" علانیہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کا انکار[1] کرنے والے یا اس میں کمی بیشی کا دعویٰ[2] کرنے والے باطل پرست مراد ہیں اور "پیچھے سے باطل کے راہ پانے" سے مراد قرآن کو اللہ کا کلام مان کر غیر محسوس طریق پر اس کی بیخکنی کرنے والے وہ باطل پرست مراد ہیں جو قرآن کریم کی صریح اور قطعی آیات اور منصوص احکام میں "خانہ ساز" علل و اغراض اختراع کر کے نت نئی تاویلیں اور ترمیم و تصرف کرتے ہیں[3] اسی کا نام قرآن کی اصطلاح میں الحاد ہے جس کا ذکر اسی آیت کریمہ کے ابتدائی حصہ میں ذیل کے الفاظ میں فرمایا ہے:۔

---

[1] جیسے تمام مستشرقین یورپ [2] جیسے غالی شیعہ ۱۲ [3] جیسے عہد حاضر کے "سرکاری" محقق فرماتے ہیں: "درحقیقت ابدیت ان علل و غایات کو حاصل ہے جو قرآنی احکام کی تہ میں ہیں اور ہمیشہ قرآن سے مراد اخذ کی جا سکتی ہیں (نہ کہ قرآنی احکام کو) ملاحظہ فرمائیے مقالہ قرآن کی ابدیت ماہنامہ فکر و نظر ماہ اکتوبر ۱۹۶۵ء شمارہ ۴ ج ۳ ص ۲۳۷۔ ۱۲

ان الذین یلحدون فی آیاتنا لایخفون علینا (السجدہ ۴۱: ۴۰)	بیشک وہ لوگ جو ہماری آیات کے (معنی بیان کرنے) میں ٹیڑھے چلتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں (ہم ان کو خوب جانتے ہیں)

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور اُن کے معروف و مشہور تابعی شاگرد حضرت مجاہدؒ الحاد فی الآیات کی تفسیر ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں:

هو ان یوضع الکلام علی غیر موضعه وکذا عن مجاهد	حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ: کلام کو بے جگہ استعمال کرنے کا نام الحاد ہے حضرت مجاہد سے بھی الحاد کی تفسیر اسی طرح مروی ہے۔

علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں حضرت ابن عباسؓ کے مذکورہ بالا قول کی تشریح ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں:

ینحرفون فی تاویل القرآن عن جهة الصحة والاستقامة فیحملونها علی المحامل الباطلة وهو مراد ابن عباس بقوله یضعون الکلام فی غیر موضعه یقال الحد اذا مال عن القصد والاستقامة (روح المعانی جزء ۲۴)	اہل باطل قرآن کی مراد بیان کرنے میں صحت اور استقامت کی راہ سے انحراف کرتے ہیں اور قرآن کی آیتوں کے باطل (اور بے اصل) مصداق بتلاتے ہیں حضرت ابن عباس کا مطلب یہی کلام کو بے محل استعمال کرنے سے ہے چنانچہ لغت میں الحد کا لفظ اعتدال اور استقامت سے ہٹ جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں الحاد فی الآیات کے معنی حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

الانحراف فی تاویل القرآن عن جهة الصحة والاستقامة	الحاد کے معنی ہیں قرآن کی آیات کی مراد بیان کرنے میں صحت اور استقامت کی راہ سے ہٹ جانا۔

علامہ افریقی لسان العرب میں لغت کے مشہور امام ابن السکیتؒ (متوفی ـــــ) سے ملحد کی تعریف حسب ذیل نقل کرتے ہیں:

قال ابن السکیت: الملحد العادل	ابن سکیت نے کہا ہے: ملحد وہ شخص ہے جو حق سے

Marfat.com

عن الحق المدخل فیہ مالیس فیہ یقال قد الحد فی الدین ولحد ای حاد عنہ — انحراف کر کے جو حق نہیں ہے اس کو حق میں داخل کر دے (حق بنا دے) چنانچہ لغت میں الحد اور لحد کے الفاظ دین سے ہٹ جانے (اور منحرف ہو جانے) کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

آئمہ تفسیر و لغت کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ قرآن عظیم کی کسی بھی آیت کا، از روئے لغت و عربیت یعنے صحت اور از روئے دین و شریعت حقّہ یعنے استقامت کی راہ سے ہٹ کر کوئی ایسا مفہوم و معنی یا مراد و مصداق بتلانا — جو نہ از روے لغت و زبان عربی صحیح اور درست ہو اور نہ اصول دین و شریعت کے مطابق و موافق ہو نہ سلف سے لیکر خلف تک کسی نے بتلایا ہو — قرآن کی اصطلاح میں الحاد[۵] ہے اور وہ شخص ملحد ہے۔

---

[۵] قرآن کریم کی ان صریح آیات کے ہوتے جو مسلمان "بدلے ہوئے زمانے اور حالات" اور اُن کے "جدید تقاضوں" کی آڑ لیکر قرآن کریم کی قطعی آیات اور منصوص احکام میں ترمیم و تصرف اور تغیر و تبدل کرنے کے درپے ہیں یا قرآن کریم کی تشریح و تعبیر کا خود کو یا کسی بھی فرد یا جماعت کو مجاز قرار دیتے ہیں وہ قطعاً ملحد ہیں۔

اتنا نہیں سوچتے کہ انسانوں کا علم تو بیشک اپنے زمانہ، ملک، معاشرہ اور اُس کے ظروف و احوال تک محدود ہوتا ہے وہ اُسی کے تقاضوں اور ضرورتوں کو سامنے رکھکر قانون بناتے ہیں اسی لئے ان کا بنایا ہوا قانون یقیناً بدلے ہوئے زمانے، ملک و قوم، معاشرہ اور حالات میں ناکارہ، ناقابل عمل اور محتاج تغیر و تبدل اور لائق اصلاح و ترمیم ہو جاتا ہے اسی لئے انسانی بنائے ہوئے قوانین میں ہمیشہ تغیر و تبدل اور اصلاح و ترمیم کا عمل جاری رہا ہے اور رہے گا انسانی قانون سازی کی تاریخ اس کی شاہد ہے۔

لیکن وہ "ازلی و ابدی علم" کا مالک عالم الغیب رب العالمین جس کے علم کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل سب برابر ہیں، موجود، معدوم اور حاضر و غائب سب یکساں ہیں ابتداء آفرینش سے اب تک جو کچھ کائنات میں ہو چکا ہے، ہو رہا ہے اور قیامت تک جو کچھ ہوگا۔ وہ سب اس کے سامنے یکساں موجود ہے اسی کے ساتھ ساتھ وہ قادر مطلق اور لامحدود قدرت تصرف کا بھی مالک اور "فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ" ہے اس لئے اُس رب العالمین کا بنایا ہوا قانون یقیناً ہر زمانے، ہر قوم، ہر ملک، ہر معاشرہ اور ان کے بدلتے ہوئے حالات میں یکساں قابل عمل اور تمام گزشتہ، موجودہ اور آئندہ ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کا ضامن ہونا چاہیئے خصوصاً جبکہ وہ اپنے پسندیدہ قانون — دین اسلام — (باقی صفحہ ۲۲۷ پر)

Marfat.com

وحی غیر متلو احکام شرعیہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر امر و نہی، قول و فعل اور بیان سکوتی بھی اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جس کی شہادتیں قرآن کریم کی آیات میں آپ بکثرت پڑھ چکے ہیں اس لئے آپ کی ہر قولی، فعلی اور سکوتی حدیث بھی "وحی الٰہی" ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶ سے آگے) کے ناقابل تغیر و تبدل اور کامل و اکمل ہونے کا اعلان بھی کر رہا ہے اور اپنے کلام - قرآن - کے معنی و مراد بیان کرنے کا ذمہ بھی خود لے رہا ہے اور صاحب وحی و الہام نبی معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس سے آگاہ کر کے اس کی تبیین - تشریح و تعبیر - کا منصب بھی ان کو سپرد کر رہا ہے ایسی صورت میں جب نبی بھی اپنی طرف سے اور اپنی خواہش سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا تو کسی دوسرے متنفس کی تو کیا مجال ہے کہ اس قانون الٰہی میں کسی بھی قسم کے تغیر و تبدل کا نام لے سکے۔

ورنہ احکام اسلام یا قرآن کو بدلے ہوئے زمانے، جدید معاشرے اور ان کے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنے اور تبدیلی کی ضرورت کا نام لینے والے **جواب دیں**

اگر اس زمانے کے بدلے ہوئے حالات، سائنسی، صنعتی اور اقتصادی ایجادات و ترقیات اور معاشرے کے جدید تقاضوں کی بنا پر قرآنی قوانین و احکامات اس وقت موزوں اور قابل عمل نہیں اور ان میں تغیر و تبدل اور ترمیم و تجدید کی ضرورت ہے تو

(۱) کیا اللہ تعالیٰ شانہٗ کو اس کا علم نہ تھا کہ فلاں زمانہ میں ایسی ایسی سائنسی صنعتی اور اقتصادی ایجادات و ترقیات وجود میں آئیں گی اور ان کے تقاضوں کے پیش نظر یہ قوانین و احکام ناکارہ نا قابل عمل اور ترمیم و تجدید کے محتاج ہو جائیں گے اور اس لاعلمی کی بنا پر ان ناکارہ ہو جانے والے قوانین و احکام کے "تام، کامل اور ناقابل تغیر و تبدل ہونے" کا اعلان کر دیا؟

(۲) یا علم تو تھا مگر ان ناکارہ اور محتاج اصلاح ہو جانے والے قوانین و احکام میں ایسی اصلاح و ترمیم کی قدرت نہ تھی کہ ان کو ایسا تام اور کامل بنا دیتے۔ کہ کسی بھی زمانہ میں وہ ناکارہ اور محتاج ترمیم و تجدید نہ ہوتے؟

(۳) یا علم بھی تھا اور قدرت بھی تھی اس کے باوجود انہی ناقص و ناکارہ ہو جانے والے قوانین و احکام کے "تام، کامل اور ناقابل تغیر و تبدل ہونے" کا اعلان کر دیا؟

پہلی صورت میں اس عالم الغیب خدائے پاک و برتر کی جانب جہل اور لاعلمی کی نسبت لازم آتی ہے جو کھلا ہوا کفر ہے۔

دوسری صورت میں اس قادر مطلق فعّالٌ لِّمَا یُرِیْد کی جانب کسی بھی زمانہ میں ناکارہ نہ ہونے والے کامل و اکمل قانون بنانے سے عاجز ہونے کی نسبت لازم آتی ہے جو بدترین کفر ہے۔

تیسری صورت میں جان بوجھ کر ناقص و ناکارہ ہو جانے والے احکام و قوانین کے "تام، کامل اور ناقابل تغیر و تبدل"

(باقی صفحہ ۲۲۸ پر)

وحی متلو و غیر متلو میں فرق

مگر فرق یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہوتے ہیں مفہوم اور معنی کا القاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جاتا ہے اس لئے اگرچہ وہ بھی وحی الٰہی ہے اور مفہوم و معنی کے اعتبار سے اللہ کا کلام ہے مگر نہ متلو ہے نہ مقرو نہ ہی وہ آپ کا معجزہ ہے اور نہ ہی متحدیٰ بہ (چیلنج کے طور پر پیش کیا گیا) ہے یہی قرآن و حدیث میں فرق مراتب و مدارج ہے۔

وحی متلو اور غیر متلو میں ایک اور فرق

وحی متلو یعنے قرآن عظیم وحی کی تیسری قسم او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشاء یعنے وحی بواسطہ فرشتہ کی ہر دو صورتوں کے تحت داخل ہے اور پورا قرآن کریم جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس لیکر آئے ہیں سورۂ نحل میں ارشاد ہے:۔

قل نزّلہ روح القدس من ربك بالحق (النحل ۱۴)

(اے نبی) تم کہدو اس (قرآن) کو اُتارا ہے پاک فرشتے (جبرئیل) نے تمہارے رب کی جانب سے برحق۔

سورۃ شعراء میں ارشاد ہے:۔

وانہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبك لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین (ع ۱۱)

اور یہ (قرآن) پروردگار عالم کی طرف سے اُتارا ہوا ہے اس کو تمہارے دل پر اُتارا ہے امین فرشتہ (جبرئیل) نے تاکہ تم بھی خبردار کرنے والے (نبیوں) میں شامل ہو جاؤ صاف اور شستہ عربی زبان میں۔

سورۃ والنجم میں ارشاد ہے:۔

علمہ شدید القوی ذومرۃ (النجم ۱۸)

اس وحی کو سکھلایا (پڑھایا) ہے ایک بڑی طاقتوں والے باوجاہت فرشتہ (جبرئیل) نے

سورۃ تکویر میں ارشاد ہے:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶ سے آگے) ہونے کا اعلان کر دینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹے اور دھوکہ دہی کی نسبت لازم آتی ہے جو سراسر کفر ہے۔ از راہِ کرم تبلائیں کہ وہ ان تینوں قسم کے کفر میں سے کونسا کفر اختیار کرتے ہیں یا اپنی جہالت و حماقت سے تائب ہو کر خُدا سے مغفرت اور عفو کی دعا مانگتے ہیں۔ یھدیکم اللہ ویتجاوز عن سفاھتکم۔

انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین، مطاع ثم، امین۔ بیشک یہ (قرآن) ایک معزز ایلچی کا قول (پیغام) ہے جو بڑی قوت والا ہے اور عرش کے مالک کے ہاں اس کا بڑا رتبہ ہے وہ وہاں (سب فرشتوں کا) سردار ہے، امین ہے۔

قرآن عظیم کی ان نصوص — صریح آیات — سے ثابت ہے کہ پورا قرآن آپ کے پاس حضرت جبرئیل امین لیکر آئے ہیں باقی کبھی تو حضرت جبرئیل اپنی اصلی ملکی صورت سے منسلخ (الگ) ہوکر انسانی شکل میں آتے اور اللہ کا کلام — قرآن کی آیات — آپ کے سامنے پڑھتے اور فوراً خرق عادت کے طور پر آپکو یاد ہوجاتا اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح شاعرہ کو آپ کے مادی جسم سے منسلخ اور مسخر کرتے اور اللہ کا کلام اس پر القاء کرتے اور وہ فوراً آپکی روح شاعرہ میں نقش اور ثبت ہوجاتا ظاہر ہے کہ یہ دوسری صورت آپ کے لئے جسمانی اعتبار سے کافی شدت اور مشقت کا موجب ہوتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری کے باب بدء الوحی کی دوسری حدیث میں حارث بن ہشام کے سوال کیف یأتیک الوحی کے جواب میں آپ نے یہ دونوں صورتیں بیان فرمائی ہیں اور دوسری صورت — جو مذکورہ حدیث میں اوّل مذکور ہے — کے متعلق فرمایا ہے وھو اشدہ علی۔ اس نزول وحی کی شدت — جو اس کے اللہ کا کلام ہونے کی دلیل ہے — کی تفصیلات کے لئے کتب حدیث کی مراجعت کیجئے۔

ہمارے اُستاذِ حدیث حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ شعراء کے فوائد کے ذیل میں مذکورہ بالا آیت کریمہ کے فائدہ کے تحت لکھتے ہیں

> علی قلبک کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہیں — یعنے کبھی صلصلۃ الجرس کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آکر بات کرنا ان میں سے قرآن کی وحی اغلباً پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی کیونکہ دونوں حالتوں میں محققین کے نزدیک فرق یہ تھا کہ پہلی حالت میں پیغمبر کو بشریت سے منخلع ہوکر ملکیت کی طرف جانا پڑتا تھا گویا اس وقت آلات جسدانیہ کو بالکل معطل کرکے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے دل کے کانوں سے وحی کی آواز کو سنتے اور دل کی آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے تھے اور دل کی الہٰی قوتوں سے ان علوم

Marfat.com

کی تلقی کرتے اور محفوظ رکھتے تھے بخلاف دوسری حالت کے کہ اس میں فرشتہ کو ملکیت سے نزول کر کے بشریت کی طرف آنا پڑتا تھا اس وقت پیغمبر اپنی ظاہری آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور اپنی ظاہری کانوں کے توسط سے آواز سنتے تھے یہی وجہ ہے کہ پہلی قسم کو احادیث میں فرمایا کہ ھوا شد علی (وہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے) کیونکہ اس میں بشریت سے ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ شیخ عثمانی رحمہ اللہ "وحی الہی" کی تین صورتوں میں سے پہلی صورت الا وحیا کو یہی وحی بواسطہ فرشتہ قرار دیتے ہیں۔

باقی وحی غیر متلو یعنے قرآن عظیم کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر تشریعی احکام اور لسانی یا سکوتی اقوال و افعال جن کے وحی الہی کے تحت سرزد ہونے کی شہادت قرآن عظیم دے رہا ہے یہ وحی آپ کے پاس فرشتہ کے واسطے کے بغیر بھی آئی ہے یعنے بصورت القاء فی القلب جس کو حدیث میں نفث فی الروع (دل میں ڈال دینے) سے تعبیر فرمایا ہے اور فرشتہ کے ذریعہ بھی آئی ہے بالفاظ دیگر یہ وحی غیر متلو وحی کی پہلی اور تیسری صورتوں کے تحت داخل ہے۔ اکثر و بیشتر آپ نے اس کے منجانب اللہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے — جس کو اصولیین کی اصطلاح میں وحی جلی غیر متلو کہتے ہیں اور بسا اوقات اس کی تصریح نہیں بھی فرمائی — جس کو اصولیین کی اصطلاح میں وحی خفی غیر متلو کہتے ہیں — اور بسا اوقات انتظار کے باوجود وحی نہ آنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ "اصول تشریع" کے تحت اپنے اجتہاد یا صحابہ کے مشورے سے بھی آپ نے احکام شرعیہ نافذ کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو برقرار رکھا ہے۔ جس کو اصولیین کی اصطلاح میں وحی مآل کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل آپ عنقریب پڑھیں گے۔

وحی متلو اور غیر متلو کے احکام میں فرق

وحی متلو قرآن عزیز اللہ کا کلام ہے یہ ایسا بدیہی اور یقینی امر ہے کہ کسی بھی ثبوت اور دلیل کا محتاج نہیں ع "آفتاب آمد دلیل آفتاب"، نہ اس کے ثبوت کے لئے کسی سند کی ضرورت ہے اور نہ راویوں (حفاظ قرآن) کے نام تبلانے کی، نزول قرآن کے وقت سے اس وقت تک قرناً بعد قرن — عہد بعہد — ہر زمانے کے لوگ اس قرآن کو اللہ کا کلام مانتے، پڑھتے پڑھاتے اور یاد کرتے کراتے چلے آئے ہیں۔ علمی

اصطلاح میں اس کا نام "تواتر طبقہ" ہے اور یہ تواتر کی قوی ترین قسم ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کی کسی ایک آیت کا تو ذکر کیا کسی ایک لفظ کا انکار یا اس میں کمی بیشی کا دعویٰ یا شک و شبہ کرنا کفر ہے کوئی مسلمان ایسا کرے تو وہ مرتد ہے

وحی غیر متلو — حدیث — بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل ہے اس کے قول و فعلِ رسول ہونے کے لئے سند یعنے راویانِ حدیث، ان کی تعداد نیز ان کی عدالت و ثقاہت کا حال معلوم ہونا ضروری ہے اس لئے حدیث کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔

(۱) ایک وہ احادیث جن کے روایت کرنے والوں کی تعداد ہر زمانہ میں اتنی اور ایسی رہی ہو کہ ان سب کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بے اصل حدیث کو منسوب کرنے اور جھوٹ بولنے پر اتفاق — سازش — کر لینا عادتاً محال ہو۔ اس کو محدثین کی اصطلاح میں تواتر سند کہتے ہیں۔

یا وہ احادیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لیکر اس وقت تک طبقتاً عن طبقتہ — عہد بعہد — اس قدر مشہور و معروف رہی ہوں اور ہر عہد کے مسلمان ان کو اپنے سے پہلے عہد کے مسلمانوں سے اس طرح روایت کرتے چلے آئے ہوں کہ ان احادیث کے متعلق بے اصل ہونے کا عادتاً امکان نہ ہو۔ محدثین کی اصطلاح میں اس کو تواتر طبقہ کہتے ہیں۔

یا ان احادیث پر رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک ہر عہد کے مسلمان سُنّتِ رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے اس طرح عمل کرتے چلے آئے ہوں کہ ان کے متعلق بے اصل ہونے کا گمان عادتاً محال ہو۔ محدثین کی اصطلاح میں اسکو تواتر عمل یا توارث کہتے ہیں۔

یہ تینوں قسم کی متواتر احادیث بھی قطعی اور یقینی ہیں مگر قرآن سے دوسرے درجہ پر، ان کا انکار کرنے والا ان کے ثبوت میں شک و شبہ کرنے والا بھی کافر ہے۔

(۲) ان متواتر حدیثوں[۱] کے علاوہ باقی احادیث — جنکو محدثین کی اصطلاح میں اخبار آحاد یا خبر واحد کہتے ہیں یعنے وہ احادیث جن کے روایت کرنے والوں کی تعداد حد تواتر کو نہ پہونچی ہو۔ ظنی ہیں یعنے ان کے راویوں کی صداقت، دیانت، امانت اور قوتِ حفظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے گمان غالب یہی ہے کہ یہ حدیثیں صحیح اور سچی اور سہو و نسیان سے پاک ہیں اگر ان حدیثوں میں سے کسی حدیث

[۱] یاد رکھئے محدثین اور اصولیین کی اصطلاح میں تواتر کی صرف پہلی قسم کی حدیثوں کو "متواتر" کہا جاتا ہے۔

کا کوئی شخص کسی معقول وجہ کی بنا پر یا راوی کے کسی بھی اعتبار سے ضعیف یا غیر ثقہ ہونے کی بنا پر انکار کرے اور کہے کہ "میرے نزدیک یہ حدیث فلاں وجہ کی بنا پر صحیح نہیں ہے" تو وہ کافر نہ ہوگا۔ لیکن کسی قسم کی تمام حدیثوں کا — مثلاً تمام فقہی یا کلامی یا فتن کی حدیثوں کا یا جمع قرآن سے متعلق تمام حدیثوں کا — سرے سے انکار کرے اور کہے کہ یہ سب حدیثیں زمانہ مابعد کے فقہا یا متکلمین یا ارباب فتن یا حفاظ قرآن کی بنائی ہوئی ہیں اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بھی غرض سے منسوب کر دیا گیا ہے تو وہ بھی کافر ہے

وحی متلو اور غیر متلو میں اس فرق کا خلاصہ یہ ہے کہ وحی متلو یعنی قرآن عظیم کُل کا کُل قطعی اور یقینی ہے اور وحی غیر متلو یعنی احادیث میں متواتر کے علاوہ باقی اخبار احاد[1] ظنی ہیں۔

ائمہ مجتہدین۔ فقہا اور اصولیین کے نقطہ نظر سے وحی کی تقسیم

یہ مُسلم اور دلائل و براہین شرعیہ و عقلیہ سے ثابت شدہ ہے کہ احکام شرعیہ تکلیفیہ — جن کا ہر عاقل و بالغ مسلمان مکلف اور پابند ہے — کا ماخذ[۱] اوّل کتاب — قرآن عظیم — ہے اور ماخذ[۲] دوم سنت — حدیث — ہے۔ ان دونوں ماخذوں میں کسی حکم کے منصوص — تصریح — نہ ہونے کی صورت میں اجماع — اجماع صحابہ و ائمہ مجتہدین — ماخذ[۳] سوم ہے۔ اور ان تینوں ماخذوں میں کسی حکم کے منصوص نہ ہونے کی صورت میں قیاس — اجتہاد — ماخذ[۴] چہارم ہے جس کی شرعی حقیقت ؛ کتاب و سنت سے ثابت ہے صرف غیر منصوص مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنا ہے۔

لہٰذا ائمہ مجتہدین — فقہا اور اصولیین — کا فن اور موضوع بحث اَدِلّہ شرعیہ — کتاب و سنت اور اجماع و قیاس — ہیں منصوص احکام شرعیہ تکلیفیہ کی تعیین و تشخیص اور منصوص احکام سے غیر منصوص احکام کا استخراج و استنباط اور ان کی صفات و کیفیات — فرض، واجب، رُکن، شرط، حلال، حرام، جائز، ناجائز، صحیح، فاسد وغیرہ کو کتاب و سنت سے ثابت کرتا ہے۔

اس لحاظ سے ان حضرات کے نزدیک وحی الٰہی کی جو اصل الاصول اور احکام الٰہیہ کا ماخذ حقیقی ہے چار[۲] قسمیں ہیں :-

---

[1] بعض علم مصطلح حدیث سے ناواقف محققین خبر واحد کی تعریف کرتے ہیں کسی ایک شخص کی روایت حالانکہ یہ تعریف تو شاذ یا فرد کی ہے جو خبر واحد کی ایک قسم ہے ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ — سہ

(۱) وحی جلی ۔ ظاہر متلو وہ اللہ کا کلام جو متحدی بہ ہے ۔ جس کو بطور چیلنج پیش کیا گیا ہے ۔ جبرئیل اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیکر آئے ہیں، جس کی "تلاوت" اور نماز میں "قرأت" فرض ہے ۔ پورا قرآن کریم اس کا مصداق ہے

(۲) وحی جلی غیر متلو وہ تمام احادیث صحیحہ جن میں مذکورہ احکام کے منجانب اللہ ہونے کی آپ نے تصریح فرمائی ہے خواہ وہ احکام فرشتہ (جبرئیل وغیرہ) کے ذریعہ آئے ہوں ۔ خواہ القاء فی القلب کی صورت میں، خواہ وہ احکام قرآن کریم میں مذکور ہوں مگر اجمالاً یا اشارۃً خواہ مذکور نہ ہوں۔

(۳) وحی خفی وہ تمام احادیث جو ایسے احکام شرعیہ پر مشتمل ہیں جو آپ نے پیش آمدہ مسائل میں اصول تشریع کے تحت غور وخوض کے بعد اُس علم ویقین کے ذریعہ نافذ فرمائے ہیں جو آپ کے قلب میں اللہ جل شانہٗ پیدا فرمادیتے تھے اور آپ بدوں کسی تردد و تذبذب کے اللہ کا حکم سمجھکر ان کو نافذ فرماتے تھے ۔ یہ علم و یقین ہی وحی خفی ہے ۔

(۴) وحی مآلاً ۔ انجام کار کے اعتبار سے وحی ہر سہ قسم کی وحی نہ ہونے کی صورت میں نزول وحی کا فی انتظار کرنے کے بعد جو احکام آپ نے اپنی رائے ۔ اجتہاد ۔ سے یا صحابہ کے مشورے سے نافذ فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو برقرار رکھا، یہ تقریر ۔ اللہ تعالیٰ کا برقرار رکھنا ۔ ہی وحی الہیٰ ہے ۔

مزید تفصیل کے لئے مراجعت کیجئے اصول سرخسی ج ۲ ص

حدیث قدسی وہ احادیث جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہٗ کا قول نقل فرمائیں مثلاً :۔

(۱) عن ابی ھریرۃ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی ولعبدی ماسئل الحدیث۔

(۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یقول انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا دعانی ۔

احادیث قدسیہ بھی وحی غیر متلو کے تحت داخل ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول ہونے کی تصریح فرما دیتے ہیں۔ اب ہو سکتا ہے کہ وہ بعینہٖ اور بلفظ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور ہو سکتا ہے کہ روایت بالمعنیٰ ہو یعنے الفاظ رسول اللہ کے ہوں اور معنی منجانب اللہ القاء کئے گئے ہوں۔

نفث فی الرّوع۔ دل میں پھونک دینا یہ بھی وحی غیر متلو کے تحت داخل ہے اسی کو القاء فی القلب اور وحی یقظہ (بیداری کی وحی) بھی کہتے ہیں یہ القاء بلا واسطہ بھی ہوتا ہے اور فرشتے (جبرئیل) کے واسطے سے بھی چنانچہ کی حدیث میں آیا ہے

نفث جبرئیل فی رُوعی — جبرئیل نے میرے دل میں پھونک دیا۔

الہام کی حقیقت تقریباً تمام ائمہ لغت وتفسیر الہام کی حقیقت حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

والالہام ان یلقی اللہ فی النفس امرا یبعثہ علی فعل او ترک وھو نوع من الوحی۔ — الہام کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (انسان کے) نفس میں ایسی بات ڈالدیں جو اس کو (کسی کام کے) کرنے یا نہ کرنے پر آمادہ کر دے۔ یہ الہام بھی وحی کی ایک قسم ہے۔

امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں:۔

ویختص ذلک بما کان من جھۃ اللہ تعالیٰ وجھۃ الملأ الاعلیٰ — اور یہ (دل میں ڈالدینا اس (الہام) کے ساتھ مخصوص ہے جو اللہ کی جانب سے اور ملأ اعلیٰ کی جہت سے ہو

قرآن وحدیث کے استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہام اور القاء فطری اور طبعی بھی ہوتا ہے اور ہنگامی اور خصوصی بھی بہر حال الہام کسبی اور اختیاری چیز نہیں بلکہ وہبی اور خداداد ہوتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

ونفس وما سوّٰھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا (الشمس ۷-۸) — اور قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے (قوتوں اور کیفیتوں کے لحاظ سے) برابر رکھا پھر اس کے دل میں ڈالدی بدکاری بھی ... اور پرہیزگاری بھی۔

Marfat.com

یہ الہام تو فطری اور خلقی ہے۔ صحیح مسلم ج اہیں "شفاعت کبریٰ" سے متعلق حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث میں ہے:۔

فاحمدہ بمحامد لا اقدر علیہا الآن یلھمنیہ اللہ تعالیٰ الخ۔

پس میں اللہ کی ایسی خوبیوں سے تعریف کروں گا جن کی اس وقت قدرت نہیں اُسی وقت مجھے اللہ ان کا... الہام کرے گا۔

یہ الہام وقتی اور خصوصی ہے۔ اسی طرح ادعیہ ماثورہ میں آتا ہے۔

اللھم الھمنی رشدی

اے اللہ تو میری بھلائی کو میرے دل میں ڈال دے۔

یہ الہام بھی غیر فطری اور خصوصی ہے۔ بہر حال الہام میں کسب و اختیار کو مطلق دخل نہیں ہوتا۔

الہام اور وحی میں فرق

وحی متلو اور الہام میں فرق یہ ہے کہ وحی متلو بعینہٖ اور بلفظہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے جو مذکورہ بالا طریق پر بواسطہ فرشتہ نبی پر القاء کیا جاتا ہے اور الہام میں اللہ تعالیٰ کے کلام کا مفہوم نبی کی روح شاعرہ پر القاء کیا جاتا ہے الفاظ عموماً نبی کے ہوتے ہیں گویا نبی کا الہام وحی غیر متلو کے تحت داخل ہے اسی لئے اس کو نوع من الوحی کہا گیا ہے۔

دوسرا فرق

علاوہ ازیں الہام نبی کے ساتھ مخصوص بھی نہیں بلکہ نبی کے علاوہ اللہ کے اور نیک بندوں کو بھی الہام ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ نبی کا الہام دین میں حجت ہے اس کی مخالفت حکم خداوندی کی نافرمانی ہے۔ غیر نبی کا الہام یا کشف دین میں حجت نہیں ہے۔

وحی منام یا رؤیاء انبیا

انبیا علیھم الصلوٰۃ والسلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ الآیۃ (الفتح ع ۴)

بیشک اللہ نے سچا کر دیا اپنے رسول کے برحق خواب کو تم ضرور مسجد حرام (مکہ) میں داخل ہو گے۔ انشاء اللہ

اسی طرح ارشاد ہے:۔

وما جعلنا الرؤیا التی اریناک

اور جو خواب (جیسا واقع ہوا) ہم نے تجھکو دکھلایا اس کو ہم نے صرف لوگوں

Marfat.com

الا فتنۃ للناس (بنی اسرائیل ع ۱۶) کی آزمائش بنایا ہے

پہلی آیت میں بصورت خواب صلح حدیبیہ کے بعد ۷ھ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوکر عمرہ کرنے کی اطلاع دے گئی ہے کہ گھبراؤ نہیں عنقریب تم مکہ مکرمہ جاؤ گے اور عمرہ کرو گے۔

دوسری آیت کے بارے میں حضرات مفسرین میں اختلاف ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ رؤیا "رؤیا ی عین" (آنکھوں سے مشاہدہ) ہے اور اس سے مراد لیلۃ الاسراء (شب معراج) کا واقعہ ہے جو باجماع امت بیداری کا واقعہ ہے چونکہ یہ واقعہ اور مشاہدہ بالکل خارق العادۃ (غیر معمولی اور بعید از عقل و قیاس) ہے اس لئے رؤیا سے تعبیر[1] فرما دیا ہے اریناکا لفظ اس کی دلیل ہے۔

چنانچہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس قال ھی رؤیا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسریٰ بہ الی بیت المقدس (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۰)	حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے قول وما جعلنا الرؤیا الآیۃ کی تفسیر میں بتلایا کہ یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے جو آپ کو اس رات کو دکھلایا گیا تھا جس میں آپ کو رات کے وقت (مکہ سے) بیت المقدس تک (اور اس کے بعد سدرۃ المنتہیٰ تک) لیجایا گیا ہے۔

بعض محققین کے نزدیک اس رؤیا سے مراد وہ خواب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار کے متعلق دیکھا تھا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے وہ ہاتھ کو ہلانے سے دفعتًا ٹوٹ گئی مگر پھر فورًا ہی جڑ گئی اور اس کی تعبیر وہ شکست ہے جو وقتی طور پر جنگ اُحد میں پیش آ گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ شکست فتح سے بدل گئی تھی۔

پہلی آیت میں جس خواب کا ذکر ہے وہ بغیر کسی تعبیر کے ہو بہو وحی الٰہی ہے قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے دوسری آیت میں اگر رؤیا کا مصداق واقعہ اسراء ہے تو وہ بعینہ وحی خداوندی ہے قرآن کی سورۃ والنجم کا پہلا رکوع اس کی تصدیق کرتا ہے ہاں اگر اس کا مصداق جنگ اُحد ہو تو وہ خواب محل تعبیر تھا ایسے ہی مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی دو[2] جھوٹے مدعیان نبوت اور ان کے زوال سے متعلق خواب۔ اسی طرح مدینہ کی "وبا" اور اس کے ازالہ سے متعلق خواب، شیخین۔ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق

[1] چنانچہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب اور حضرت شیخ الہند رحمہا اللہ اس رؤیا کا ترجمہ "دکھلاوا" کرتے ہیں۔

رضی اللہ عنہما — کے عہد خلافت سے متعلق خواب اور ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب جن کا تذکرہ ہر حدیث کی کتاب میں کتاب الرؤیا کے تحت موجود ہے یہ سب محل تعبیر تھے اور ان کی تعبیریں بھی آپ کو منجانب اللہ بتلائی گئی تھیں۔

نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خواب وحی الٰہی تھے بلکہ آپ کی تو وحی کے نازل ہونے کی ابتداء ہی ہو بہو سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:-

کان اول ما بُدئ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصادقۃ فی النوم فکان لایری رؤیا الاجاءت مثل فلق الصبح (صحیح بخاری ومسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی وحی سچے خواب تھے چنانچہ جو خواب بھی آپ دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح ہو بہو سچا نکلتا۔

قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا دو خوابوں کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک خواب کا بھی ذکر آیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اکلوتے محبوب بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو بتلاتے ہیں:-

یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری (صافات ع ۳)

اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب بتلاؤ تمہارا کیا خیال ہے

حضرت اسمٰعیل جواب دیتے ہیں:-

یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین (ایضاً)

اے میرے پیارے باپ جو آپ کو حکم دیا گیا ہے وہ کیجئے آپ مجھے انشاء اللہ ثابت قدم پائیں گے۔

عام مفسرین حضرت ابراہیم علیہ السلام اس خواب کو حکم الٰہی قرار دیتے ہیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اس خواب کو ما تؤمر کے لفظ سے تعبیر کرنا اس کی دلیل قرار دیتے ہیں اسی بنا پر باپ بیٹے دونوں کسی ادنیٰ تردد یا احتمال تاویل (تعبیر) کے بغیر مقدور بھر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہ خلیل اللہ کی خُلّت کا امتحان تھا وہ اس میں پورے اُترے اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق فرماتے ہیں:

وناديناه ان يا ابراهيم

اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم بیشک تم نے خواب کو

Marfat.com

قد صدقت الرؤیا (ایضاً) سچا کر دکھایا

اور حضرت اسمٰعیل کے فدیہ (بدلے) میں عظیم ذبیحہ (جنت کا مینڈھا) بھیج دیا ارشاد ہے:۔

وفدیناہ بذبح عظیم — اور ہم نے ایک عظیم قربانی کا جانور اسمٰعیل کے بدلے میں دے دیا۔

اس بیان کے اعتبار سے یہ خواب محل تعبیر نہ تھا بلکہ بعینہ امرالٰہی تھا۔ لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ خواب محل تعبیر تھا اور بیٹے کو ذبح کرنے سے مراد عزیز ترین جانور کی قربانی کرنا اور قربانی کی سنت قائم کرنا تھا ابتلا صرف یہ تھا کہ خواب کی یہ تعبیر بتلائی نہیں گئی اس لئے باپ بیٹے دونوں نے خواب کو حقیقت پر محمول کیا اور مقدور بھر اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غیراللہ کی محبت سے دل کے پاک وصاف ہونے کا عملی ثبوت پیش کر دیا تو تعبیر بتلا دی گئی واللہ اعلم

بہرحال انبیا کے خواب یقیناً وحی الٰہی ہوتے ہیں اگر محل تعبیر ہوتے ہیں تو منجاب اللہ ان کی تعبیر بتلا دی جاتی ہے اور یہ رؤیا وحی غیر متلو کے تحت داخل ہیں۔

تنبیہ! ہمارے شیخ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق آیت کریمہ میں بیان شدہ تین صورتوں کی تشریح یعنی الا وحیا کا مصداق وحی بلا واسطہ فرشتہ قرار دینے کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس صورت میں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے رؤیا (خواب) اور الہام جو یقیناً وحی غیر متلو ہیں الا وحیا کے تحت داخل ہو جائیں گے اور آیت کریمہ تمام انحاء واقسام وحی پر مشتمل ہو جائے گی یہی آیت قرآنیہ کی جامعیت کا تقاضہ ہے ورنہ تمام محدثین کی تحقیق کے مطابق رؤیاء انبیا اور الہام اور وحی کی وہ صورتیں جن میں فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا اس آیت کے تحت داخل نہ ہو سکیں گی۔

Marfat.com

بقیہ حواشی

حاشیہ صفحہ (۱۱۲)

ؔ۱ یہ حدیث قطعاً صحیح ہے اور قرآن عظیم کی آیت کریمہ ذیل:

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء ومن یشرک باللّٰہ فقد افتریٰ اثما عظیما۔

میں واقع کلمہ مادون ذالک کا بیان ہے کہ شرک کے علاوہ بڑے سے بڑا گناہ حتیٰ کہ زنا اور سرقہ جیسے کبیرہ گناہوں سے توبہ کئے بغیر کوئی مسلمان مرجائے تو ان کے بھی معاف ہونے کا امکان ہے اس لئے کہ یہ گناہ بھی مادون کے تحت آتے ہیں اور اللہ کی مشیت کے تحت داخل ہیں ان شاء غفر وان شاء عذب بخلاف شرک کے کہ وہ تو اللہ پر افتراء ہے اگر مشرک شرک سے توبہ کئے بغیر مرگیا تو اس کی مغفرت کا کوئی امکان نہیں وہ یقیناً مخلد فی النار ہوگا۔ یہی تمام صحابہ کرام وتابعین عظام اور ائمہ اہل سنت وجماعت کا چودہ سو سالہ متفقہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے اور مذکورہ بالا حدیث وان زنیٰ وان سرق میں ان وصلیہ ہے جس کا اردو ترجمہ اور اگرچہ ہے۔ عربی کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ان وصلیہ وقوع کو ہرگز نہیں چاہتا بلکہ صرف استعجاب (تعجب) کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ حدیث، حدیث قدسی ہے جس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رب غفور ورحیم کا یہ بیان پہونچایا ہے تو سنتے ہی اول خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل وعلیٰ کی شان کریمی پر بڑا تعجب ہوا کہ زنا جیسا گناہ اور جرم کہ جس کو خود قرآن میں فاحشۃ کہا ہے اور شرک وقتل کے بعد تیسرے درجہ پر رکھا ہے اور دنیا میں موجب حد قرار دیا ہے وہ توبہ کے بغیر معاف ہوسکتا ہے؟ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے استفسار کیا ہے وان زنیٰ وان سرق؟ اور جبرئیل امینؑ نے آپ کو جواب میں وان زنیٰ وان سرق (اگرچہ زنا کرلے اگرچہ چوری کرلے) کہکر مطمئن کیا ہے اس کے بعد جب آپ نے صحابہ کے سامنے بیان فرمایا تو راوی حدیث حضرت ابو ذرؓ نے اسی استعجاب کی بنا پر آپ سے استفسار کیا ہے وان زنیٰ وان سرق اور آپ نے وہی جواب دیا ہے جو حضرت جبرئیل نے آپ کو دیا تھا ابو ذرؓ کے پھر دوبارہ اور سہ بارہ دریافت کیا ہے تو تیسری مرتبہ جواب کے بعد فرمایا وان رغم انف ابی ذر (اگرچہ ابوذر کو گوارا نہ ہو)

ہمیں حیرت ہے استشراقی فکرؒ کی حدیث دشمنی پر کہ وہ اس حدیث صحیح کو قرآن کی نصوص کے خلاف اور زماں مابعد کی پیداوار صرف اس لئے قرار دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کا وقوع ایمان اور عمل صالح کے

تشا بک و تلازم کے منافی ہے" (ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر و نظر ص ۵۱۶ شمارہ ۸ ج ۲ بابت فروری ۱۹۶۵ء) حالانکہ یہ ان وصلیہ ہے جو وقوع کو ہرگز نہیں چاہتا جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں علاوہ ازیں جبکہ نہ صرف حدیث و تفسیر بلکہ عہد نبوی کی تاریخ بھی شاہد ہے کہ عہد نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں حدِ زنا کا بھی نفاذ و اجرا ہوا ہے اور حدِ سرقہ کا بھی ایمان اور عمل صالح کے تشابک و تلازم اور خوف و خشیہ کی شدت کا نتیجہ یہ ہے کہ مجرموں نے خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جرم کا اقرار اور حد نافذ کرنے پر شدید اصرار کیا ہے اور دنیا کے عذاب کو آخرت کے عذاب پر ترجیح دی ہے حالانکہ اگر وہ اقرار نہ کرتے اور صدقِ دل سے توبہ کر لیتے تب بھی مغفرت ہو سکتی تھی

ص ۹ فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر فضل الرحمٰن اپنے مقالہ سنت و حدیث میں بار بار تمام احادیث خصوصاً فقہی اور کلامی احادیث کی "تاریخی معیار" پر از سر نو جرح و تعدیل کی ضرورت کا بڑی شدت کیساتھ اظہار فرماتے ہیں (دیکھئے ماہنامہ فکر و نظر ج ۱ ش ۷، ۸ بابت جنوری فروری ۱۹۶۴ء مقالہ سنت و حدیث)

اوّل اوّل ہم نے یہ سمجھا کہ موصوف واقعی "تاریخ" اور "حقیقی واقعات تاریخ" کے معیار پر احادیث کو پرکھنے کی دعوت دیتے ہیں مگر ان کے اس تین چار سال میں شائع شدہ مختلف مقالات کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ ان کی مراد "تاریخ" اور "تاریخی واقعات" سے وہ "نظریات مفروضہ" ہوتے ہیں جو وہ "استشراقی مفکرین" کے انداز پر کبھی بھی اسلامی موضوع پر اسلامی مراجع (کتابوں) کا مطالعہ کرنے سے بہت پہلے قائم کر لیتے ہیں اور پھر ان اپنے "مفروضہ نظریات" کو اسلامی ماخذوں سے ثابت کرنے کے لئے کتابوں کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ مثلاً انھوں نے اپنے پیر و مرشد اگنش گولڈ تسیہر کی پیروی میں اوّل یہ مفروضہ قائم کر لیا کہ "تمام فقہی اور کلامی احادیث اسلام کے فقہی اور کلامی اختلافات کے زمانہ (دوسری اور تیسری صدی ہجری) کی پیداوار ہیں، ہر فریق نے اپنے اپنے مسلک کے ثبوت اور استناد کی غرض سے مرفوع حدیثیں مع السند گھڑ لی ہیں اور مسلمانوں کے سامنے متصل السند مرفوع احادیث کے فریم میں فٹ کر کے پیش کر دیا ہے" (ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ بینات بابت ماہ دسمبر ۱۹۶۶ء جلد ۹ ش ۲) اقتباسات گولڈ تسیہر)

لیکن انکی حالیہ تصنیف تاریخ اسلام میں ـــ جس کا اردو ترجمہ ماہنامہ فکر و نظر میں گست ۱۹۶۶ء سے بالاقساط شائع ہو رہا ہے ـــ ایک ـــ ہمارے لئے خوش آئند ـــ تبدیلی ان کے علمی اور "تحقیقی" طرز استدلال میں آئی ہے وہ یہ کہ وہ اپنے "مزعومات و مفروضات" کے اثبات کے لئے مفید مطلب روایات کا سہارا لینے لگے ہیں اگرچہ وہ کتنی ہی گری پڑی اور ساقط روایت کیوں نہ ہو چنانچہ انھوں نے وحی الٰہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "اخلاقی اور مذہبی تجربہ" یعنے داخلی ارتقاء ثابت کرنے کے سلسلہ میں ایک شاذ اور ناقابل اعتبار روایت کی بنیاد پر جس میں آیا ہے اس کے بعد میں بیدار ہوا "قرآن کی پہلی وحی سورہ علق کی پانچ آیات کو خواب کا واقعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے (ملاحظہ فرمائیے فکر و نظر بابت ماہ اگست ۱۹۶۶ء ج ۵ ش ۲ ص ۹۲)

لہٰذا اب ہم بھی انشاء اللہ ان کے مزعومات و مفروضات کی تردید میں ـــ ساقط اور گری پڑی روایات نہیں بلکہ ـــ کھری واقعی تاریخی معیار پر پرکھی ہوئی روایات پیش کر سکیں گے۔ وباللہ التوفیق

Marfat.com